

ان هذاتذکرۃ لا وئی الالباب

حیات مولانا کرامت حسین

۱۳۳۶ھ

۹۱۶

یعنی

ترجمہ علامہ زمان عالم علوم مشرقی و مغربی عالیجناب حباجی دزدار مولانا

سید کرامت حسین صاحب میرٹھ لائبریری یونیورسٹی کولمبیا

الہ آباد فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی۔ ممبر فکلیٹی آف آرٹس۔ ممبر سبڈ کمیٹی ممبر سینٹ۔

سابق ممبر کانسل نفٹ گورنر ممالک متحدہ

مؤلفہ

حامد علی خان پیر سٹریٹ لاکنو

مصنف

اسے فرول ٹولنڈن۔ دی اسٹوری آف دی سلیو اینڈ دی نور رنگ (پہ دون انگریزی نظمیں

ہیں) دی بلورک آف انڈیا۔ دی ورلکیو کنٹروری ہاؤ ٹو چک ڈا بٹیر ہمارے جمہور

مقابلہ ویرلٹن در حیات دیر۔ آتش۔ وغیرہ۔

وز مطبع الناظر و مطبع نور المظاہر نجاس لکھنؤ

۱۔ بچپن کی تصویر۔

۳۔ بچپن کی تصویر۔

۲۔ جوانی کی تصویر۔

دینا چاہیے۔

تہیند۔

صفحہ
۵-۱

۱۹-۱

فہرست مضامین حیات نولانا کرامت حسین

ہجری

۱۳

۲۶

باب اول

صفحہ

مضمون

صفحہ

مضمون

۱	سید سراج حسین صاحب کی اولادین ۱۳-۱۴	۱	دھن و نسل
۲	سید کرامت حسین صاحب کا سنہ ولادت ۱۴	۲	شجرہ
۳	اور بچپن کے حالات ۱۴	۳	تہیالی سلسلہ
۴	آیام رضاعت ۱۵	۴	سید کرامت حسین صاحب کے
۵	مکتب ۱۵	۵	جد امجد مفتی محمد قلی خان صاحب
۶	بچپن سے دو با توئی باہم آمیزش کا اثر ۱۶-۱۷	۶	مفتی صاحب کی اولادین
۷	واقعات ۱۷-۱۸	۷	سید کرامت حسین صاحب کے والد ماجد
۸	بچپن کے شوق ۱۸-۱۹	۸	سید سراج حسین صاحب
۹	ہو و لعب ۱۹	۹	مولوی کرامت حسین صاحب کے
۱۰	ہو و لعب کا مفہوم ۱۹	۱۰	بڑے چچا سید اعجاز حسین صاحب
۱۱	بچپن میں مرثیہ کا شوق ۱۹-۲۰	۱۱	سید کرامت حسین صاحب کے استاد
۱۲	بچپن میں صحیح المذاقی ۲۰	۱۲	اور چھوٹے چچا صاحب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲	پہلی تصنیف اور اجازہ اجتہاد	۱۹-۲۰	سید گرامت حسین کی حلالہ کی وفات
۲۳	نقشبندی میر محمد عباس صاحب علی الشرفیہ کا	۲۰-۲۱	بچپن میں غیرت
۲۳	کمال	۲۱-۲۲	استلیدیں پڑھی
۲۴	ایک لطیف صاحب	۲۲-۲۳	مولانا حامد حسین صاحب علی الشرفیہ
۲۵	فارغ التحصیل ہونے کے بعد	۲۳-۲۴	سے رحلت
۲۵	آیہ شریفہ کی تفسیر	۲۴-۲۵	پانچ برس سے پندرہ برس تک کے حالات
۲۵	چرخانہ کا طریقہ	۲۵-۲۶	اُستاد سے محبت
۲۶	مولانا حامد حسین صاحب علی الشرفیہ	۲۶-۲۷	ایک مضحکہ واقعہ
۲۶	کی سند	۲۷-۲۸	ابتدائی تعلیم
۲۶	نواب حماد الملک کی رسلے	۲۸-۲۹	بچپن میں تعلیم نماز
۲۶-۲۷	طلب علم میں سختیاں	۲۹-۳۰	بچپن کے روزے
۲۶	عیال کا کفیل	۳۰-۳۱	بچپن میں احساس شکر گزاری
۲۶	مقدمہ زمینداری	۳۱-۳۲	لفظ کاش کا استعمال اول بار
۲۶	دیوان حافظ کا شوق	۳۲-۳۳	گناہ کبیرہ سے بچنے کا عہد
۲۸	عید الفطر	۳۳-۳۴	بچپن میں تنہا سفر
۲۸	طرز زندگی	۳۴-۳۵	حج کی تیاری
۲۸	ترکہ	۳۵-۳۶	حج کا سفر
۳۰-۳۱	تیس روپیہ کی ملازمت سے انکار	۳۶-۳۷	عکلمہ بچہ زرام لکھنؤ کی شاگردی
۳۰	نظامت سے انکار	۳۷-۳۸	شادی اور اولاد
۳۰	نقل منتخب انشاء	۳۸-۳۹	عربی بحث میں فوقیت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲	ترک لکھنؤ کا قصد	۵۰	اپنے چچا کی عظمت
۵۳	برسون شکر نہ کھائی	۵۱	فرعہ س آب نے خط نہ لکھا
۵۴	شاہنامہ فردوسی کا شوق	۵۲	رخسنت لے کر لکھنؤ آئے
	لکھنؤ سے جدا ہوئے	۵۲	

باب دوم

۵۳-۵۴	تحصیل انگریزی اور ملازمت	۵۹-۵۶	گوہار اور بیری کے معاملات
۵۴-۵۵	ہیڈ مولوی مقرر ہوئے	۶۰-۵۹	عطر نہ لگانے کی وجہ
۵۵-۵۶	حکیم اسپسر کا شوق	۶۱-۶۰	مریاست باؤنی کی سپینڈنٹی پر تقرر
۵۶-۵۷	خون کا دورہ	۶۲	دوسرا معاملہ
۵۷	تقسیم اوقات	۶۲	حقہ پینے کا شوق
۵۷	پرنسپل کی رائے	۶۳	چائے چھوڑ دی
۵۷-۵۸	خاتم طانی کا قصہ	۶۵-۶۴	سید عنایت حسین صاحب کی بیماری
۵۸-۵۹	حکایات سلیس	۶۵	تشخیص امراض میں دخل
۵۹-۶۰	فارسی دانی	۶۵	خوشنودی گورنمنٹ
۶۰-۶۱	کشاف	۶۸-۶۷	نواب صاحب باؤنی کی شکایت
۶۱-۶۲	پشمینہ فروش	۶۹-۶۸	ایفاس و مدہ
۶۲-۶۳	میرنشی کا عہدہ خالی ہوا	۶۹	فن شنواری کا نمونہ
۶۳-۶۴	تقرری بہ عہدہ منشی	۷۲-۷۱	بجلی کا خوف جاتا رہا
۶۴	خط	۷۳-۷۲	ذمہ داری کا احساس

مضمون

صفحہ

مضمون

صفحہ

عفو تقصیر کی مثالیں	۸۷	راجہ صاحب کے لڑکے کی شادی	۹۰
نواب صاحب کی شورش اور	۸۶	ڈاکہ	۹۱
گرامت حسین صاحب کا پیغام	۸۵	راجہ صاحب نے رنگہ گڈہ کو شکار	
تقرری بعدہ دیوان اور کارگزاری	۸۵	کالہ شوق	۹۲-۹۱
شاہوکار کا معاملہ	۸۹	سید گرامت حسین صاحب کی محنت اور مشقت	۹۲

باب سوم

سفر لندن اور برطانیہ	۹۳	مشر محمود کی رائے	۱۰۵
ڈاکٹر لائسنس سے ملاقات	۹۴-۹۳	علی گڈہ مین تقرری بعدہ پروفیسر	۱۰۶
جرمنی زبان کی تحصیل	۱۰۰	علی گڈہ کی پروفیسری سے	
ہندوستان روانہ ہونے کی		کنارہ کشی	۱۰۶
تیساری	۱۰۰	میونسٹریل کالج مین تقرری	۱۰۶
لندن سے واپسی	۱۰۱-۱۰۰	قانونی پیپیڈ گیون مین دپٹی	۱۰۶
تقرری بعدہ دارالمہام	۹۰۱	معرکہ الہامیہ مین یادگار	
کلیسی اور دختر کا عقد	۱۰۲	بحث	۱۰۸-۱۰۷
آغاز برطانیہ	۱۰۲	قانونی تحریر شدہ رائیں	۱۱۱-۱۱۰
برطانیہ کا پہلا دور	۱۰۳	مولانا نے جب سے برطانیہ شروع	
مشر محمود نے ملنے کی ابتدا	۱۰۴	کی اس وقت سے عربی کتابوں کا	
مشر محمود کی قدر افزائی	۱۰۴	حوالہ شروع ہوا	۱۱۲

باب ششم

مضمون صفحہ مضمون صفحہ

۲۲۱-۲۲۲	حکیمانہ خیالات و عقائد مذہبی
۲۲۲-۲۲۳	مولانا کے خود نوشت حالات
۲۲۳	کسب معیشت میں سعی
۲۲۳-۲۲۵	انسانی زندگی کا دستور العمل
۲۲۴-۲۲۵	نماز روزہ کا شوق
۲۲۵-۲۲۹	عشرہ محرم میں ترک لذات وغیرہ

باب ہفتم

۲۲۶-۲۲۷	وفات و تجہیز و تکفین و تعزیت
۲۲۷-۲۲۸	صبح وفات
۲۲۸-۲۲۹	بستر مرگ کے حالات
۲۲۹	وقت و جائے وفات
۲۲۹-۲۳۰	سبب موت
۲۳۰-۲۳۱	خبر وفات شاگرد طلبہ کی شرکت
۲۳۱-۲۳۲	جنازہ غسل میت نشان مدفن
۲۳۲-۲۳۳	وقت مدفن
۲۳۳-۲۳۴	مجلس سوم پس ماندگان جلسہ تعزیت
۲۳۴-۲۳۵	تعزیتی نظمیں

۲۲۶	ہائیکورٹ الہ آباد میں تعزیت
۲۲۷	چلہ تعزیت سلم گلزار اسکول لکھنؤ
۲۲۸	اشیاء و نہیں تعزیت اور رسلے
۲۲۹	جناب لوی بشیر الدین صاحب الہ بشیر کی راک
۲۳۰	شعبہ کالج رز کی راسے
۲۳۱	جناب دھرمی متاڑ حسین صاحب بڑوہی کی راک
۲۳۲	رسالہ شیعہ کی رسلے
۲۳۳	تعزیتی خطوط
۲۳۴	تعزیتی رزولوشن اور تقریریں
۲۳۵	قطعات تاریخ وفات

پانچواں نمبر

صفحہ

مضمون

صفحہ

مضمون

خصوصیات

۲۹۱-۲۸۸ سب سے شوق علم کی رنگی - وضع داری

تقریر و تحریر

۲۹۳-۲۹۱ پانچویں اصول - پانچویں اوقات

۲۹۵-۲۹۳ بالائے اصرار کام کرنے کی عادت

عقل - ہندوستانی - سیرت مساوات
بے تعصبی - خوش اخلاقی

۲۹۷-۲۹۵ قرض سے نفرت - کفایت شعاری

۲۹۷-۲۹۵ دنیا سے بے تعلقی - بہادری

نازک مزاجی - بے تکلفی - صفائی طبیعت

۲۹۷-۲۹۵ غیر مستحق کی امداد سے پرہیز - دوسروں

صاف گوئی

۲۹۷-۲۹۵ کی امداد

اخلاقی جرأت - شجاعت - نیک نیتی

۲۹۷-۲۹۵ ایثار - شغارش سے حذر - شکر احسان

صد اقت - راستی - ایجاب وعدہ

۲۹۷-۲۹۵ نمود سے نفرت اور اپنے صفات

قناعت

۲۹۷-۲۹۵ کسر نفسی - خلق محمدی کا نور

زہد و تقدس - ایمان داری - عزت نشینی

۲۹۷-۲۹۵ نتیجہ

خلق و ملت

۲۹۷-۲۹۵ ضمیمہ ۱ - تاریخ وفات مولوی سید

ملاقات اجباب نعمت الہی - تواضع

۲۹۷-۲۹۵ ضمیمہ ۲ - عکس خط انگریزی

دھمائی داری

۲۹۷-۲۹۵ ضمیمہ ۳ - عکس خط اردو

ترک لذت - خود داری - استقلال

۲۹۷-۲۹۵ ضمیمہ ۴ - تاریخ حضرت ملیح

سیر عقوبہ محبت

۲۹۷-۲۹۵ ضمیمہ ۵ - خط مولوی اقرع خان

باقاعدہ - غلبہ رکھنے کی عادت

۲۹۷-۲۹۵

پیروں کو اختیار دے رکھنے کی عادت

۲۹۷-۲۹۵

اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا



- (۱) مولوی سید سراج حسین صاحب
- (۲) مولوی سید عذایت حسین صاحب
- (۳) مولانا سید کرامت حسین صاحب
- (۴) مولوی سید عزایت حسین صاحب



١٢٠٠ - ١٢٠١



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہابیہ

جناب مولانا سیدنا سید کرامت حسین صاحب کی حیاتِ نبیؐ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مولانا کی لائف (ترجمہ) لکھنا چاہیے ترجمہ لکھنے میں بہت سی قیمتیں تھیں جبکہ ذکرِ نمید میں ہوگا بنگلہ اور ان کے ایک میرے مزاج کی افتاد تھی گو اس بیانِ میری مدح و ترشیح ہوتی ہے لیکن مجبور ہوں بغیر اسکے میرا مفہوم ہی ادا نہ ہوگا کہ تقریر اور تحریر میں نہایت احتیاط سے کام لیتا ہوں جسکا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ جب جناب سید محمد طاہر صاحب فرخ آبادی کے حالات لکھنے کا سینے قصد کیا میں فرخ آباد گیا اور ان کے حالات خود اون سے دریافت کر کے قلمبند کئے اور انکو سنائے اور ان کے پاس کر سنے کے بعد متیار میں چھپوائے۔

جب مولانا کے ترجمہ کا خیال آیا اور وقت میری تندرستی نہایت ہی خراب تھی بیمار ہو گیا۔ پرچہ پور ہے تھے میں اس قابل نہ تھا کہ خود لکھ سکوں لہذا مولانا کی خدمت میں میں نے عرض کی کہ اپنے حالات لکھ دیجئے میری عرض مولانا کی خدمت میں بلاشبہ قصداً مہرم کا حکم رکھتی تھی مولانا نے اپنے مختصر حالات ۱۹۰۷ء میں لکھ دیئے اور بعض

زاریات لکھو گئے اور یہی حالت مولانا سے حاصل کر کے پاس کئے گئے اور تمام حالات کی
 نقش برانہ ہو گئی اور نقل برجہ ایکس میں اپنے پاس نہایت احتیاط سے رکھ لیں
 یہ حالت مولانا سے ملے تھے انہیں کثر بطور یادداشت کئے گئے اور مولانا نے
 قلم برداشتہ کیا تھے بوجہ اپنے علیل رہنے کے اور لکھنؤ میں ۱۹۱۷ء سے قیام کر ہونے کے
 مجھ کو ان حالات کے دیکھنے کی بابت بھی نہ تو کئی کہ دفعتاً ۱۹۱۷ء پر پل ۱۹۱۷ء کو
 شہر انتقال مولانا پہنچی میں اس زمانہ میں علیل اور دیر و دن میں مقیم تھا و سبھی
 ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ واپس آیا اور مولانا سے حالت کو پتہ بہت سے کام اوسکے
 متعلق پاسے انگریزی عبارتوں کا ترجمہ کرنا چاہا اور کائنات کی واقعات کو
 ترتیب دینا۔ صاحب کو خطوط بغرض حصول حالات تحریر کرنا۔ مہور نامے کے کمال
 و اوصاف کا فوٹو غائب سے لے کر قلم کے تواتر کرنا مختصر موزنا کا ترجمہ لکھنا۔ دن
 کا مہور نامہ سے بعض کام سید علی حسن خاں صاحب آبرو لکھنؤ میں اور سید ممتاز حسین
 صاحب جو پوری کے سپرنٹنڈنٹ کے آخر میں ۱۹۱۷ء بغرض تبدیل ہو دہوا منصوبہ
 روانہ ہوا۔ اتفاق سے ابر صاحب بیمار ہو گئے اور بوجہ دہلی اور شہید پور آئے
 ان کاموں کو مستحق انجام نہ دے سکے سید ممتاز حسین صاحب کو لکھنؤ کی کاموں
 سے مست نہ ہی سیکن اور کمزور دل سے خیال رہا تعطیل کدن۔ ستمبر لغایت اکتوبر
 اکتوبر ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ آئے اور جو کام میں نے اوسے متعلق کئے تھے اونکو
 مستوع کیا۔ اور سید ممتاز حسین صاحب متوجہ ہوئے اور دھرم پوری میں
 قیام سے مجھ کو آف قہ ہوا مولانا کے ترجمہ کا خیال بوقت اوردن سے تھا لیکن
 نہ تھا۔ واپس آکر اوسکو علی صورت میں نہیں آئے دیتے تھے عیاں کی وجہ سے
 ستمبر تا دسمبر ۱۹۱۷ء انگریزی ملازمین وسط میں ۱۹۱۷ء میں سبھی پر تاب گڑھ کے
 سرور سے اور شروع ۱۹۱۷ء سے اکتوبر میں جو پور کے رہے۔ اے ہیں۔

بہشت کی طاقت نہ دماغ میں قوت یہ حالت اور پھر مولانا کے انتقال سے دل بیٹھ گیا
 مزار زندگی کا جتنا ربا وہ زخم ہے کہ ہسکا بدست زمانہ بھی اندھا نہ ہو سکے گی یہ دماغ ہمیشہ تازہ
 رہے گا اور یوں ہی قبر میں جائے گا مولانا کہ اس خیال سے کہ بوجہ ذیابیطس ہمارے میرے ہستی
 خراب رہتی ہے کہیں اون سے قبل میں دنیا سے نہ اور جاؤں تکلیف ہوتی تھی اور
 وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تادم میرے ہسکا منہ نہ مرنا۔ میں نے خدا کے فضل سے تعمیل حکم
 کر دی لیکن خدا ہی ازانے جو دل پر گذرتی ہے اور جب تک حیات مستعار باقی ہے
 گذرتی رہے گی۔ زندہ ہوں لیکن مزار زندگی کا آپ کے ساتھ قبر میں آرام کر رہا ہے
 اللہ یہ کسر دل کو سمجھاتا ہوں کہ گو میں آپ کی نعمت صحبت سے محروم ہوں لیکن خداوند
 تعالیٰ کا ہزار ہا شکر ہے کہ آپ کو دیکھا۔ آپ کی صحبت سے کئی برس مستفیض رہا آپ
 سے دوستی کا اور اس قدر گہری دوستی کہ مشہور ہو گئی ہر تیرہ سال کیا۔ ایک دن
 جدائی تو ہوتی ہی ہے۔ مے آنا بکاد و سکتی شہی فان۔

مختصر مولانا کے ترجمہ کے خیال سے زور کیا گیا۔ ضعف و نقابت پر غالب
 آیا ہے۔ بشر کہ کلم اچھایا۔ انھیں انگلیوں سے جیسے ناکھنے میں سخت تکلیف ہوتی
 ہے ذیابیطس کی وجہ سے کئی سال سے اچھا کمرور ہو گئے ہیں ہاتھوں اور
 پیروں کی انگلیوں میں سختی و کڑھکی پیدا ہوئی ہے تندرستی کے ساتھ مالی حالت
 بھی خراب ہے اس قدر استطاعت کہ ان کو کوئی ناکھنے والا ذکر کمون میں بتانا جاؤں
 اور وہ لکھتا جاوے انھیں ذیابیطس۔ وہ ٹھیکہ بن سے کام لے رہا ہوں اور اس
 حالت میں کہ ایک دن سے جو ایک نازک مقام پر نکلا ہے بچپن میں سے
 کیا لکھ رہا ہوں مولانا کے ترجمہ کا مشق لکھو اور اس سے قبل اس کے کہ چند

لے میں دیکھو مولانا اور وہ جگوں سے پیار سے جا پڑتے تھے والدہ جیمز جی بھٹی خاں صاحب
 اپنی معرفت حامد فرمایا کرتے تھے افسوس اب کوئی نہ

مسٹرین ختم ہون میں سفید متا حسین صاحب ہونوری کا سب سے اول سے اول سے
 شکر یہ ادا کرتا ہوں جناب مولوی کاظم حسین صاحب قبیلہ بدخشاہی پشاور ضلع اٹکاوہ
 سابق ناظم اٹک ہون جناب ذب ریاض الحسن خان بہادر وانی ریاست کدورہ ہون
 و جناب مولوی قصد و حسین صاحب قبیلہ بدخشاہی کنواری کا بھی تہاں سے ممنون ہوں
 کہ میرے خطوط کے جواب میں مجھے لکھنے کی بعض حالتیں ارسال فرمائی ہیں جن پر بعض واقعات
 لکھی جناب شاہ زمان مرزا صاحب عرف نواب لکھن صاحب سالن چو لکھن لکھن
 اور مشفق حکیم سید مصطفیٰ حسین صاحب ساکن پشاور ضلع بکھر چو چوینہ سالن سے اکثر
 مومنانہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے معلوم ہے کہ ان دونوں صاحب کا شکر یہ
 داکر تاجپور صاحب بھی دہلی صاحب عرف حسین صاحب رئیس بکھر چو چوینہ لکھن
 جو لوہی قصد و حسین صاحب بھی ہے انکا بھی ممنون ہوں اور جناب محمد دہلی صاحب
 عسکری عزائم ان بہادر عرف بن صاحب متخلص بہ بیغ لکھنوی۔ جناب مرزا ابو ہادی صاحب
 عزیز لکھنوی۔ جناب حکیم سید عنایت حسین صاحب باریق لکھنوی اور جناب حکیم
 محمد فی صاحب شمس و جناب حکیم نواب صاحب لکھنوی سے۔ وزیر عابد صاحب اشتر
 لکھنوی سے بعض کا پیر کے مقابلہ کرے اور بعض پر وقت دیکھنے میں مدد دی ہے ان صاحبوں کا
 بھی شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ (انسان سید علی نقی صاحب مدنی لکھنوی کا بھی شکر لکھتا ہوں کیونکہ یہ سید مسعود ہوں
 جو کچھ ہے وہ کس قدر کم ہے اور کس قدر مولانا کے احسان
 و شہادت سے کم ہے کہ اب اس طرح در من دانہ و در داند دل من
 کیونکہ کلام بھارت و انک موافق اپنی حیثیت کے تحذیر نہیں کرتے اس خیال سے
 کہ اس کا اصل۔ ان ترسیدہ کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ مومنانہ کی زندگی
 و اصلاح و بہرہ آمل بنے مثال و انکی عادتیں و خصلتیں صفتیں لاجواب و مذکورہ علوم
 و فنون و غیرہ تفصیل میں بہترین صلاحت نئی اور پرانی تہذیب کے انک درجہ پر
 سے شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ (انسان سید علی نقی صاحب مدنی لکھنوی کا بھی شکر لکھتا ہوں کیونکہ یہ سید مسعود ہوں
 جو کچھ ہے وہ کس قدر کم ہے اور کس قدر مولانا کے احسان

پائے جاتے تھے۔

ہر نئی تہذیب اگلی وضع میں

قابل تقلید ہوتا رہا ہے

لکھنے کا معنی تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا لیکن اس باہر کی کوشش ضرور کی گئی ہے کہ مولانا کے ترجمہ میں مولانا کی زندگی کی کچھ بوجھلک آجائے۔ آیا میں اس کوشش میں کامیاب ہوا یا نا کامیاب۔ ان ناظرین کی نظر پر چھوڑتا ہوں جو ان کے دوست ہیں یا ان سے واقف ہیں اگر اس ترجمہ نے کسی نے سبق حاصل کیا یا اس کی زندگی پر اچھا اثر پڑا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانہ نہ لگ گئی۔

تحسین گنج لکھنؤ ۲۵ جون ۱۹۱۸ء۔ خاکسار حامد علی

مکرر اینکے افسوس صد ہزار افسوس کہ ۲۴ جون ۱۹۱۸ء کو جناب سید حسن علی خان صاحب ابر لکھنوی نے انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

لکھنؤ میں غزل کی چل پل انہیں کے دم سے ہی غزل کے دلدادہ تھے۔

طبیعت میں عشق شاعری کے علاوہ آزادی بھی تھی۔ مع حق مغفرت کرے عجب

آزاد مرد بچھا صرف آزاد مرد ہی نہ تھا عموماً اسکے بہت سی خوبیاں تھیں مریزا زمین

یہ کتاب جناب ابر کے اہتمام میں چھپنا شروع ہوئی تھی۔ ان کے انتقال کی

ترجمہ سے چھپنے میں تاخیر ہوئی۔

صراحت کی نہیں حاجت بیان مختصر یہ ہے

بہت سے دقتیں پیش آئیں لکھنے اور چھپنے میں

حامد

تحسین گنج لکھنؤ۔ ۲۵ جون ۱۹۱۸ء۔ ح۔ ع۔ خ۔

بسم الله الرحمن الرحيم



کسی تکمال کی لائف (ترجمہ) لکھنا آسان نہیں ہے یہ فن ہند میں خصوصاً روضیان
میں ابھی تک اپنے زمانہ طفولیت سے لگے نہیں بڑھا ہے۔ یہ ہذا اس سلسلہ میں
ہندوستان کا ذکر کرنا فضول ہے یہ یورپ میں جہاں صدیوں سے ترجمہ کی طرف
توجہ رہی ہے اور بلا مبالغہ ہزار ہا ترجمہ لکھے گئے ہیں وہاں جن ترجمہ لکھنے والوں کو
کے اردن حاصل ہوئی ہے اور جن کے ترجمے مقبول خاص و عام ہوئے ہیں ان کے
نام انگریزوں پر گئے جاسکتے ہیں ان میں سے انگلستان میں باسول
کی لائف آؤڈر سیمول^۱ حاشن اور لارڈ جان مارسلے کی لائف آؤڈر ہوا

سے ہمیں باسول ۲۹۔ کوبر ۱۸۶۷ء میں قائم اوہر جو اسکاٹ لینڈ میں واقع ہے پیدا ہوا اور ۱۹ مئی ۱۸۹۵ء کو
۵۵ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ سٹہ جانسن مشہور و معروف شاعر انگلستان ۱۸۰۸ء ستمبر ۲۵ء میں پیدا ہوا
اور ۱۳ دسمبر ۱۸۷۷ء میں انتقال کیا اور سٹہ منسٹر ایبے میں دفن ہوئے ذیہ وہ مقام ہے جہاں کالمین دفن
ہوئے ہیں (نہایت عسرت سے زندگی کا بہت بڑا حصہ بسر کیا آخر عمر میں تصنیفات کی بدولت فارح البالی
حاصل ہوئی سٹہ جان مارسلے ۲۴ دسمبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے ابھی زندہ ہیں۔

کہ گلیڈ سٹن بن باسول کو اسوجہ سے کامیابی حاصل ہوئی کہ اسنے اپنے ایک جانسن کے
 ساتھ ساتھ اسکا تک نہتی کر دیا تھا ہر چہو نے بڑے واقعہ کہ جانسن کے جس کا وہ
 شیدائی لڑکا دیکھتا اور بات کرتا اور جو واقعات معلوم نہ تھے اونکو خود جانسن سے
 دریافت کرنے کے تشریر کرتا اور بعد وفات جانسن کے جن اجباب کو جانسن کے حالات میں تھے انکے
 پاس خود جاتا اور ان سے حالات دریافت کرتے لکھتا اور ایک ایک سے اس
 تاریخ کی صحت کے لیے بلا مبالغہ لندن چھانڈا لیا اچھ ترجمہ لکھنے کا ماحقہ تھی
 کیا ہے۔ باسول نے دکھا دیا کہ ایک معمولی سیافت کا آدمی مگر دل سے شیدائی
 زندگی کے ایک حصہ کو وقت کر کے ایسا ترجمہ لکھ سکتا ہے کہ جو ترجمہ لکھنے والے کو
 لیے رہنمائی کا چہرہ بن جائے باسول کو کیوں یہ کامیابی حاصل ہوئی اسکا راز یہ ہے
 کہ اسنے جانسن کے علم۔ سیافت خصلتوں عادتوں وغیرہ کا پورا پورا مطالعہ کیا تھی
 سادھی عبارت میں ایسا کہینچا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم جانسن کو دیکھ رہے
 ہیں اور اس سے باتیں کر رہے ہیں افسوس ہر افسوس ہم یوں کہ اسنے اپنی
 کمال کی زندگی میں یا بعد مرنے کے بعد نہیں کرتے اور میری رائے میں ایک یہ
 وجہ بھی ہمارے ذہن اور انحطاط کی ہے ہزار ہا کا ملین گذر گئے اور ہم نے یہ بھی
 نہ بٹا کہ کون آیا اور کون گیا اسنے پاک اور پاکیزہ زندگی سے سبق لینا جانسن سے نہ
 علم و فضل سے مستفیض ہونا کیسا اسنے نام تک نہیں جانتے۔ اس حالت کو شاہ
 کر کے میں سنہ یہ شکر کہ۔

شعر

یہ مہر ملت بھی غنیمت ہے اہل دنیا کی ملا کے خاک میں ذکر کمال ہے
 میں ہے جب یہ شعر مولا کو یہ کہہ کر کہ آپ کی زندگی کا فوٹو میں نے یوں کیچا ہے
 سنایا سو بیٹا بپا ہو گئے اور میری آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڑا آئے

سنہ ۱۹۸۹ء میں کی عمر ۸۹ برس کی ہوئی شہداء میں پیدا ہوا اور شہداء میں انتقال کیا۔

کلاسیک کا ترجمہ جولا ڈمار کے لکھا ہوا مشہور و معروف ترجمہ ہے۔ ترجمہ کیا ہے کا یہ نام ہے
 ترجمہ سب سے زیادہ کاغذوں کے متعلق کلید سبٹن کی زندگی کے نظر سے لگتا ہے ان
 کاغذوں کا منظر کل تین جلدوں میں کھینچا ہے (تین جلدیں، بدو جلد و تین
 پیشی تین) ورنہ بچا ہے تین جلدوں کے سو بلکہ ہزار جلدیں لکنا آسان ٹھیکہ
 تین انحصار و کہیں طول سے کام لیا ہے اور ہر موق اور حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے
 بات تین ختم کیا دھم ختم تھا اور طول و پید باؤاک افسانہ ہو گیا
 یہ ثابت کر دیا ہے کہ ترجمہ کے اصول پر کمال دستگاہ ہے۔ یہ بات
 قابل ذکر ہے کہ کلید سبٹن کی زندگی کے ایسا سبٹن کی نسبت بہت کم لکھا ہے کلید سبٹن
 بہت بڑے اور پکے عینائی (جیسے لارڈ سلسبری مشہور وزیر خارجہ اور وزیر اعظم
 ہندوستان کے ہیں) اور اپنے مذہب کے بہت بڑے واعظ اور عالم تھے لیکن
 مارلے نے یہ سب اپنے ترجمہ میں کچھ زیادہ وضاحت سے نہیں دکھایا ہے۔
 کلید سبٹن مجھ سے کہلاتے تھے۔ بچت پر جو اسپین دی نین انکو ایسا دھچپ بنایا
 جیسے کسی عمدہ ناول میں حسن و عشق کی دلکش کہانی ہو اور اس طرز کی اسچ کا
 ترجمہ بہت برا ہے۔ بارہنڈٹ کی تاریخ ایسا جاننے والا کہ نظیر نہیں۔ کلام ہو مگر
 کا ایسا عالم کہ اب نہیں جتنے فصیح و بلیغ مقررہ جتنے چیدہ مدبر اور سیاسی
 امور کے ماہر انگلستان میں گذرے ہیں انہیں منتخب۔ مارلے خود بڑے مقررہ اور مدبر
 ہیں مجھ سے کہتے کمال اور خوبیاں تھیں ان سب کا ذکر ترجمہ میں کیا ہے اور
 جواب خرابی سے کیا ہے۔ تین لاکھ کاغذ کے خلاصہ میں یہ سلسلہ ہے کہ جسکی
 تقریباً نہیں ہو سکتی۔ لفظ سے لفظ سطر سے سطر جملہ سے جملہ فقرہ سے فقرہ یاد پڑتا جاتا
 ہے بات سے بات نکلتی آتی ہے۔ اور عبارت نہایت دلکش اور سلیس ہے
 سلاوون کبہ شیر شاہزادہ کے زمین کے ستاروں میں منتخب شاعر ہے۔

سب جان و تدبیر تمام کمالات اور فضائل گلیڈسٹن کا بیان تو ہے مگر جب نظر عود سے
 دیکھو یہ گے لڑا رہے گے کا گلیڈسٹن کا ترجمہ ایک بہت بڑے مدبر اور ماہر امور
 سلطنت کا ترجمہ ہے۔ گلیڈسٹن کی زندگی ۱۸۰۷ء - ۱۸۵۷ء عیسائی ملک انگلستان
 کی زندگی ہوا ایسی سو گزین ترجمہ ترجمہ نہیں رہتا بلکہ تاریخ ہو جاتا ہے مارے سے بڑا
 کمال دکھایا ہے کہ ترجمہ کو ترجمہ کے حدود سے باہر نہیں جاسے دیا ہے تاریخ کی
 جہلک بھی نہیں آنے دی ہے اس میں سے میری غرض یہ ہے کہ اگر ترجمہ لکھنے
 والا خود اس علم یافتہ کو جانتا ہے جو بدرجہ کمال اس شخص میں پایا جاتا تھا جس کا
 وہ ترجمہ لکھتا ہو تو ترجمہ لکھنے والا اچھی طرح ترجمہ لکھ سکتا ہے۔ یا یہ حالت ہو جیسے
 باسول کی جانسن کے ساتھ تھی کہ بسا یہ کی طرح برسوں ساتھ رہا جو گزر وہ قلم بند کر لیا
 سو اسے ترجمہ لکھنے کے اور کوئی کام سالہا سال نہ ہو تندرستی اور فرصت ہو یہ
 سب باتیں ہوں۔ تاہم دوسری کی ضرورت ہے۔ بقول خواجہ حیدر علی آتش
 مصراع بے خون جگر کھائے نہیں لطف بیان کا۔ لیکن مولانا سید
 کرامت حسین صاحب کے ترجمہ لکھنے کے لیے غیر معمولی لیاقت اور فرصت کی
 ضرورت ہے اور یہ دونوں باتیں محمد بن نہیں البتہ بہ کو مولانا کی خدمت میں پیش
 نیاز کا فخر حاصل ہے۔ میرے دادا حکیم محمد ابو علی خان صاحب مرحوم مولانا کے
 جد، مجددی محمد قلی خان اعلیٰ اند مقامہ کے شاگرد تھے صفحہ ۸۸۔ انیس التواریخ مطبوعہ
 مطبع فنی کا۔ بس سنگ لکھنؤ میں لکھا ہے۔ حکیم ابو علی خان صاحب ضلع باندہ کے
 تشریف لائے ہیں اسے استغفد دیکر ہر وقت جناب اسکاٹ صاحب ہمارے مع میرٹھ پہنچے
 اور ان شرف بہ جناب قدسی باب حضرت مفتی سید محمد قلی خان صاحب ہمارے
 دور میں متوطن کنتور ملک و دہر شاگرد رشید جناب دلدار علی صاحب
 علی اشد مقامہ نے مشرف ہوئے اور جناب تقدس آیات سے شرائع الاسلام

فقہ اور بہت متفرق کتابیں پڑھیں اور ۲۵ برس اکثر اوقات خدمت جناب محترم
الہیہ میں حاضر رہے اور جن قدر بواہر شن جناب محترم علیہ اس کے حالی پڑمبہ دل تھی
قلم بریدہ زبان اوس کے بیان سے قاصر رہے

میرے والد حکیم محمد راجہ علی بن مرحوم مولانا کے والد جناب مولوی سید سراج حسین
صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کے شاگرد تھے چنانچہ شمس التوابع میں لکھا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱۱)
حضرت نوحہ طب۔ از موجز تا قانون اپنے والد بزرگوار جناب حکیم ابو علی خان صاحب سے
پڑھا اور انہیں سے مطلب کیا۔ منطق۔ حکمت۔ ریاضی و دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ جناب
مستطاب سلطان المحققین فخر المذہبین مولوی سید سراج حسین صاحب ابن جناب

مشتی محمد قلی خان صاحب بہادر اعلیٰ اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیہ میں سے پڑہیں
بمصر سنی میں مولانا کو محلہ بنجاری ٹولہ لکھنؤ میں ضرور دیکھا ہو گا لیکن مجھ کو یاد نہیں یا البتہ
یاد ہے کہ ۱۸۵۷ء کے وسط کے بعد جب مولانا انگلستان سے واپس آئے میں مولانا

سے ملا۔ مولانا نے الہ آباد میں بیرسٹری کا کام شروع کیا۔ جب مولانا الہ آباد سے
آئے تھے میرے یہاں ٹھہرتے تھے اپنے نہایت قریب رشتہ داروں کے یہاں جسے

بزرگوارانہ اور دوستانہ برتاؤ تھا قیام نہ فرماتے تھے۔ رفتہ رفتہ دوستی بڑھی اور
اس درجہ پر پہنچی کہ یہ جانا کہ دوستی کس کو کہتے ہیں مولانا کے چند دوست تھے جس کے نام

اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں اور جو اس ترجمہ میں درج ہیں انہیں راقم الحروف کا نام بھی
ہے میری حالت جو مولانا کے ساتھ تھی اس کو اٹکا ہی دل جانتا تھا ع بیان ممکن نہیں

جو لطف ہے سچی محبت میں کوئی موقع بلکہ غیر موقع ایسا نہ تھا کہ تقریر اور تحریر میں مولانا کا
میں ذکر نہ کروں اور جس قدر مولانا کو مجھ سے محبت تھی اس کا بیان بھی نہیں ہو سکتا

ایک صاحب نے مولانا سے میرے سامنے ۵ یا ۶ برس ہوئے دریافت کیا کہ
آپ کے دوستوں میں جناب (میری طرف اشارہ کر کے) کا کیا المرتبہ ہے مولانا نے

فرمایا اس قدر پابند کہ اس سوال کی ضرورت ہی نہیں بن و جوہ سے بن مولانا کے ترجمہ
 لکھنے کے لئے موزوں ان بیوان لیکن علامت توحف نقابہ است لکھنے میں سہرا دہتے
 ہیں اور ہر مکہ کی ٹوکیا لکھوں مولانا اپنے کہاں و علاوہ فصل و صاف جنکے کوئی تسمہ
 و انتہا نہ تھی ہمیشہ چھپاتے رہے اور صاحبوں کا ترجمہ لکھنا جنکے کمالات و اوصاف
 نقابہ میں بہت مشکل ہے تو اس شخص کا ترجمہ لکھنا جو اپنی زندگی کا راستہ نہایت خاموشی
 سے کرے اور اپنے لاجواب علم اور خوبیوں کے ظہار کو غریب جائے میری رائے
 میں ممکن ہی نہیں۔ علاوہ اس وقت کے ایک وقت اور ہے مولانا کے علم و فضل
 کہاں و فنون و اوصاف کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ مولانا ہر فن مولانا تھے۔ حدیث
 تفسیر۔ ادب۔ قانون۔ منطق۔ فلسفہ۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ بیت۔ نجوم۔ جفر۔ طب۔ کرمی میا
 فارسی۔ سریانی۔ عبرانی۔ فرانسیسی۔ لاطینی۔ جرمنی۔ انگریزی وغیرہ کے ماہر تھے
 سپہنشاہ علم سیاست کو خوب جانتے تھے۔ سپہنشاہ قریب تین برس کے بغیر پڑھا
 تھا۔ ایسے عربی زبان ہندوستان میں بلکہ روسے زمین میں کہ ملین گئے۔ ہزار ہا شعر
 عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی کے پادشہ شعر کے حسن و قبح پر فوراً نظر پڑتی تھی
 شعر کہتے بھی تھے لیکن بہت کم ایک شعر اوشکا یاد ہے۔

جو شعر کہ باقی ہے گذرنا ہے اسی میں
 بیانات اسی شغل میں مرتبہ اسی میں
 زبان اور صفائی بندش ملاحظہ ہو۔

گھوڑے کو خوب پہچانتے تھے گھوڑے کا علاج خوب کرتے تھے بہت اچھے
 سوار ہیں تھے۔ تیر و نیزہ و تلوار و بندوق خوب لگاتے تھے۔ پیرتے خوب تھے
 لیزہ و خوب ملا تھے تھے۔ نبیوت اور بانک خوب جانتے تھے۔ عقلی مد اور رستم خانی
 قصص و حقائق مد و خوب پہچانتے تھے۔ بلبل کی نسبت مشہور ہے کہ گل پر عاشق ہے
 مولانا بلبل پر عاشق تھے۔ بلبل کو خوب پہچانتے خوب علاج کرتے اور خوب پالتے تھے

بچے بلبل کی آواز پر فدا تھے مصباح طائر و نکا جو ہوا شوق تو پائے بلبل
ایک زمانہ میں حقہ بھی خوش تھے۔ خود شبا کو اور غیرہ بناتے تھے خود تو افسانے سننے
کے بھی اس کے ہاتھ کا حقہ بھرا ہوا رمضان المبارک میں شام سے صبحی کے وقت کے ساتھ
ختم ہوتا تھا اس قدر علوم و فنون کا مجموعہ اور ایک دماغ اللہ اکبر نہ ۔

یہ باتیں برسوں میں معلوم ہوئیں خدا جانے اور کیا کیا جانتے تھے۔ کوئی غزنی کا حیدر
عالم ہو وہ مولانا کی غزنی کا حسن بھروسے اور بہ رخ ان کے ترجمہ میں دکھاسکے علم ہذا
القیاس تفسیر حبیب۔ منطق۔ قانون۔ وغیرہ وغیرہ سے جو واقف ہو وہ مولانا کے ان
علوم کے جاننے کی تعریف کر سکے۔

فن طب بھی اور فن دکابدزی میں اس قدر کامل دستگاہ حاصل تھی کہ اپنا عدیل و نظیر
نہیں کہتے تھے۔ پلاذتورمہ۔ شامی مکیاب۔ پسندے۔ شیخ کے کیاب۔ کونٹے۔
نرسی کیاب۔ سلم مرغ۔ مرغ کا تورمہ۔ تین۔ مرغ مرغ سفیدہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ بے مثل پکارتے
تھے۔ عربے چینیان۔ اور رات۔ حلو سے۔ لا جواب بناتے تھے۔

انڈے کے حلو سے بہت قسم کے تیار کرتے تھے۔ ایک حلوہ پانچ منٹ میں بنجاتا تھا جس کا
مرزہ زبان قلم سے بیان نہیں ہو سکتا۔ ہاں خوب یاد آیا بالائی ایسی یجاد کی تھی کہ لکھنؤ
اور سوات میں بھی نہیں کھائی۔ بالائی کے تین موٹی ہوئی تھیں اور بالائی نہایت
صاف اور خشک ہوتی تھی۔ یہ نسخہ مولانا نے ایک حلوائی کو الہ آباد میں بتا دیا تھا
وہ بھی بنانے لگا تھا مولانا کے اور اسکے ہاتھ کی بنی ہوئی بالائی میں نے الہ آباد میں
کئی کئی کھڑے مولانا اکثر میرے لیے اپنی ہاتھ کھانا پکایا کرتے تھے۔ انگلستان سے واپس
آنے کے بعد انگریزی چوٹے پکارتے تھے۔ سب یا اکثر چیزیں جیسی ضرورت تھی جیسی تھی
نہایت صاف پٹلی میں چوٹے پر رکھ دیتے تھے لکڑی یا کونٹے کی آج نہ ہوتی تھی
بلکہ مٹی کے تیل کی آج بھی کرنے کے دوسرے کمرے میں تشریف لے جا کر کام کیا کرتے تھے

کبھی کبھی اوٹھ کر پٹیلی کو دیکھ لیتے تھے چار پانچ گھنٹہ میں کھانا تیار ہو جاتا تھا
علی بخش لکھنوی باورچی مشفق سیّد محمدی حسن صاحب احسن لکھنوی مولف واقعات
انیس کی زبردست اور فصیح قلم سے موبانا کے پلاؤ تو رومہ مچھلی وغیرہ کی تعریف لکھواتا
تو پڑھنے والے کو مرانا آتا۔

بات یہ ہے کہ جو شخص جس شے کو جانتا ہے وہی اوپر خوب لکھ سکتا ہے۔ اتنی چیزیں کون
جانتا ہے کہ صرف اس قدر جانتا ہوں کہ مولانا فلان فلان علوم و فنون جنگی طرف ابھی اشارہ کیا
ہے جانتے تھے یا فلان فلان اوصاف مولانا میں بدرجہ کمال موجود تھے
مثلاً صداقت۔ راستبازی۔ صاف گوئی۔ آزادی۔ یگانگی۔ پختہ مزاجی۔
بے نقصبی بہرہ ریزی۔ وغیرہ وغیرہ۔ پکسلے نے کیا خوب کہا ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے
مولانا آدمی روسے زمین پر بہت پائے کیر کٹر (سیرت) کے آدمی بہت کم ہیں
ہمارے مولانا میں یہ دو بڑا پائے جمع تھیں یہ وقت لا جواب کیر کٹر ہمیشہ۔

علی بخش لکھنوی کا ستھور مادر پختی تھا خیر الدین بادشاہ اودھ کے زمانہ میں ستاہی باورچی خانہ میں
نوکریاں رہتے تھے، بعد میں شاہ دو احمد علی ستاہ میں شہرت حاصل کی۔ بعد ازاں سلطان
نواب مسیح حسن لدو دو نواب بہتہ رلدو کے سرکار میں نوکریاں پڑا اور غم نظر حسن صاحب حلف
داوود احمد علی ستاہ میں لکھنوی گورنمنٹ کے بیان اور بعد انتقال نظیر حسن صاحب کے
میرے بیان نوکری کی۔ کھانے میں پکا تھا ایک دن میں سے پوچھا علی بخش اردی کتنی طسرح
پکا سکتے ہو یہ سن کر بخود ہی دیر سکتا کی پھر کہہ کہ میں اس سوال کے جواب کے یہ بیار نہیں ہوں
مگر بقدر بوجھ کر سکتے ہوں کہ سال بہرہ دونوں وقت اردی پکا سکتے ہوں اور ہر مرتبہ نئی
نوکریاں پختہ ہوتی رہتی تھیں اور مرتے دم تک کام نہ دے دیتی تھیں (بھوپن ایک کو نارکھا ہوا)
پختہ تھا ورنہ اس کو نہ چینی کا کرتہ اور چاندنی کا لکڑا لکھنوی پر مثل حضرت ناسخ عاشق تھا
میرزا آغا، مسلمان مسود و پیہا ہوا کہ پیام آیا، کھار کر دیا لکھنوی چھوڑنا گوارہ نہ کیا کہم لکھنوی
میں انتقال کیا۔ ادھر راجہ جیون۔ قریب ۹۹ برس کی عمر ہوئی۔

میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ مولانا کے مزاج میں اظہار بالکل نہ تھا بلکہ اپنے کمالات
 و اوصاف کو چھپاتے تھے اتفاقاً کسی بات کا ذکر کیا بیٹھے دیکھ لیا تو معلوم ہو گیا
 تعجب کا مقام ہے کہ مجھ ایسے دوست کو بعد مولانا کے انتقال کے معلوم ہوا کہ مولانا
 زبان ترکی بھی جانتے تھے۔ اور اس طرح معلوم ہوا کہ جناب ابو علیخان صاحب
 عرف حسین جان صاحب اہ آبادی پیرہ جناب اب سبحان علیخان صاحب مرحوم
 نائب وزیر اودہ دو ڈھائی ہینہ ہونے لکھنؤ تشریف لائے اور مجھ سے ملے میں
 حیات مولانا پر نظر ثانی کر رہا تھا مولانا کا ذکر آیا تو اب صاحب نے فرمایا کہ مولانا زبان
 ترکی سے بھی واقف تھے تب میں نہایت رنج و غم سے اس بات کو لکھتا ہوں کہ مولانا کی
 قدر زمانے نے خصوصاً لکھنؤ نے بہت کم کی **مصریح** زمانے نے ہماری قدر کی لیکن بہت
 کم کی۔ مولانا سے میرے رائے میں صرف تصانیف کا کام لیا جاتا اور انکی طرز زندگی
 بھی ایسی تھی کہ وہ سوکھی روٹیوں پر اس کام کو انجام دیتے لیکن افسوس کہ زمانے نے
 نے اتنا بند و بست بھی نہ کیا اب ایسی جامعیت کا آدمی پیدا ہونا بظاہر محال ہے
 اتفاقاً ایک جید عالم مجتہد۔ پیرسٹر اور نچ ہو گیا جو جدید فلسفہ اور منطق وغیرہ سے
 بخوبی ماہر تھا۔ علوم مشرقیہ کا ایسا عالم اور وہ بھی باعمل ہونا اب محال ہے۔ اور
 پھر علوم مغربیہ کے کمالات یہ دونوں باتیں اب ایک شخص میں جمع نہ ہوں گی نہ
 مولانا کی زندگی خود بخود چند حصوں میں تقسیم ہوتی ہے ایک جہت وہ عربی کے پرہنے
 اور تمیل میں صرف ہوا اور ایسے کام میں سے جو کام مثل و عدیل پیدا ہونا ممکن
 نہیں تحصیل علم کی جیسے جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب جناب مولوی سید
 احمد علی صاحب۔ جناب مفتی میر عباس صاحب۔ جناب سید حاجت حسین صاحب
 اعلیٰ الشہ مقام چند سبق تیر گا جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب علیہ الرحمہ
 سے پڑھنے لگتے تھے۔

درسیات سے فوج ہو کر ادب - حدیث و تفسیر - اسلام و فقہ - استادان فقہ یعنی بیگانہ
کی پڑھا اور خوب پڑھا و نگاہیں ب سید احمد علی صاحب علی شد غمہ اجازہ، استاد کا
دیتے تھے لیکن انہوں نے قبول نہ فرمایا اور ان کا دین و حافظہ قیامت کا آثار ان شریعت
اور بیخ البداء کا حفظ تھے بیخ البداء کے مولد سنہ ۱۲۰۷ ہجری قمریہ یاد کرتے تھے۔ تہذیب و
مثنوی کے یاد تھے۔ ہزار ہا شعر بامبافت و شیریں سوا اقبال پر کشیدہ۔ انیس سٹیکس کے
زیر تھے مولانا کو برسوں صاحب سنا ہے۔ نے شعر سنا ہے جس شعر کو ایک بار پڑھا چہ اس کا
دو بار و خود نہیں پڑوستے تھے۔ اگر معین میں سے کسی نے پڑھا یا تو مکرر پڑ دیا
جب ۱۳۰۶ میں انگریزی شروع کی تو دو سو لفظ انگریزی کے روزانہ حفظ کر لیا اس کا قبل
۱۳۰۷ء یا ۱۳۰۸ء میں جناب نواب عماد الملک صاحب حسین قبلہ غلہ العالی
بلگرامی کے تحریک سے بمقام لکھنؤ انگریزی شہر کی تھی اور یہ صاحب صاحب محمد و جس نے
چند ماہ اپنے مکان پر بیٹھ دیا تھا لیکن بوجہ رستہ سے غلہ و سیریم الفرضی کے نرقی نہ
ا کر کے مولانا کو اس میں حسین صاحب جناب صاحب صاحب موسوف کے بہت
شکر گزار تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے استاد ہیں۔ انگریزی الفاظ کا ذخیرہ
بشرحت و راسخی دو وجہ تین ایک تو یہ کہ انگریزی لفظ بہت سے یاد تھے۔ دوسرے
یہ (اور اسلی وجہ ہی تھی کہ) ان کو معلوم تھا کہ فلان انگریزی لفظ ایسا یا فراہمی ہے
معارف ہے۔ اور اس کے یہ معنی ہیں۔ اس کے مشتقات کے معنی خود حال یہ تھے اس طرح ایک
ایک لفظ کے معنی معلوم ہونے سے بہت سے الفاظ کے معنی خود بخود معلوم ہو جاتے تھے
دوسرا منتہی مولانا کی زندگی کا وہ ہے کہ جب مولانا ۱۳۰۸ء میں لکھنؤ سے
ہجرت فرماتے ہوئے ملازمت اپنے والد ماجد کے ایک دوست ڈاکٹر اسٹریٹن صاحب
کا آؤتھورٹریٹ ملے اور ۱۳۰۹ء میں راج کمار کالج بدلیہ میں پڑھا
۱۳۱۰ء میں راج کمار کالج بدلیہ میں پڑھا ۱۳۱۱ء میں ڈاکٹر اسٹریٹن صاحب کے

کہنے سے اونٹوں نے پندرہ پڑا ہوا سارے بیڑے اور اگلے کارکچ سے پھر انگریزی
 پر عین شروع کیا پھر سے عرصہ میں انگریزی کی کتابیں آسانی سے پڑھنے لگے
 علوم جدیدہ کے جانب ونگو بہت رغبت تھی اسپینر کا شوق اسی زمانہ سے شروع ہوا
 تیس برس و زمانہ اسپینر کو پڑھنے میں بے چین رہا اور وہ غیرہ کو بھی پڑھا تھا
 تین برس تک ہیڈ ماسٹر کے فرائض کو نہایت لیاقت سے انجام دیا بعد اسکے
 ششماہ میں میرٹھی مقرر ہوئے دفتر کا کام بھی نہیں کیا تھا بہت سی دشواریاں پیش
 آئیں سب کا نہایت محنت و جالفتدنی سے مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ اپنا کام
 پوری دیانت اور امانت اور محنت سے اس طرح انجام دیا کہ انکے افسر ماتحت و راجع
 خوش رہی چونکہ رشوت لیتے نہ تھے نہایت عبرت سے بسر ہوتی تھی ایک دن سید
 کریمت حسین صاحب نے ڈاکٹر اسٹریٹن سے کہا کہ وہ حضور کو بی عہدہ دلا دیں میرٹھی
 کو جس شان سے رہنا چاہیے میں نہیں رہ سکتا، الغرض مارجسٹریٹ نے انٹون بنے
 کر مریمت حسین صاحب کو ریاست باؤنی کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دیا۔ ریاست باؤنی کے
 کام میں چند در چند چھپد گیان یقین لیکن کریمت حسین صاحب کی دیانت قابلیت
 محنت ہمہ ددی وغیرہ نے انکو سلجھا دیا اور ششماہ میں ریاست باؤنی کا چارج دیکر
 ریاست نرسنگ گڈ کے دیوان مقرر ہوئے اور ششماہ میں ہمراہ راجہ پر تاب سنگھ بہادر
 والی نرسنگ گڈ، انگلستان تشریف لے گئے اور ٹل ٹیل میں بیرسٹری کے امتحان
 کے لیے داخل ہوئے اس زمانے میں جو ہندوستانی انٹرنس پاس ہوئے تھے
 انکو داخلہ کا امتحان دینا پڑتا تھا امتحان زبان لاٹینی انگلستان کی تھی اور انگریزی
 زبان میں پڑتا تھا تالیف کے سوالات سے انگریزی زبان کا اندازہ کر لیا جاتا تھا
 لاٹینی زبان سے ہندوستانی کو معاشی کر دیتے تھے لیکن کریمت حسین صاحب نے
 لاٹینی زبان حاصل اور انگلستان کی تاریخ حفظ کی اور حفظ بھی اس طرح کیا کہ اسے افسر اور

آخر سے اول تک پڑھ جاتے تھے المختصر پیرسٹر ہو کر جولائی ۱۸۵۷ء میں ہندوستان
 واپس ہوئے۔ بڑے بچے کی تیاری کی جب وہ بڑی ہو چکے تو انکو انکے بڑے بھائی کے انتقال کی
 خبر ملی جس سے اونکو کمال رنج و غم ہوا لکھنؤ پہنچ کر اونکوں نے اپنے بھائی مرحوم کے
 بیوہ اور اولاد کی کفالت اپنے ذمہ فرمائی اور انکو اٹھن دن دلا دیا۔ پھر لکھنؤ سے
 سیدھے نرسنگ گھر گئے اور جناب تھارا جیہ صاحب بہادر کا شکریہ ادا کیا اور مندرجہ
 حسبہ وعدہ میں ضروریات بہرہ بہرہ صاحب نے بواب دیا اپنی ایک قیمت بہت زیادہ
 بڑے سب کو اپنی ضرورت میں بعد اسکے اہل آباد تشریف لائے اور اسے کورج
 میں اپنا نام لکھوایا۔ لیکن پیرسٹری شروع کرنے سے قبل وہ مذہب و مہم پر پابست اور چہ
 ملک بد ملک میں مقرر ہوئے لیکن متوزر سے ہر سال کے بعد سترہ فی سال میرزا ۱۸۵۷ء
 سے پیرسٹری اہل آباد میں شروع کی اکثر کالت یا پیرسٹری کے بتدائی زمانے میں
 جو وقتیں پڑتی ہیں اوسکو وکیل یہ پیرسٹر کامل ہی جانتا ہے۔ عاودہ میں عام وقتوں کے
 مولانا کریم حسین صاحب کو خاص وقتیں بھی تھیں اونکو اپنے ہی خیمہ کی فکرتی بلکہ اپنے
 بڑے بھائی صاحب مرحوم کے اہل و عیال کا خیال ہی تھا ان تمام اسباب نے
 اونکی صحت پر بہت بڑا اثر ڈالا۔ اور ایک دن تو یہ نوبت پہنچی کہ پیویم شکر پیرسٹر
 بیہوش ہو کر ماسی کورٹ اہل آباد کے ریشہ پر گر پڑے۔ سی زمانے میں ایک
 مقدمہ آیا اور پیرسٹر کو روپیہ بالمشطہ فیس تھے ہوئی اور کئی ہزار روپیہ جمع بھی ہو گیا تھا
 مقدمہ سمجھانے کے لیے جب مختار صاحب کے اکھنوں نے اپنا حق طلب کیا مولانا
 اسے پیرسٹر صاحب نے روپیہ جو جمع ہوا تھا واپس کر دیا اور اسے کہا میری کوئی سے
 آپ نہ بٹ جائیں۔ پیرسٹری کا خرچ اپنے اعزاء کا بارہنکا ذکر بھی آیا ہے ایک
 پیرسٹر نے اس میں نہایت تکلیف سے گزر رہی تھی اور پیرسٹر یہ ایماندار ہی تھا اللہ
 فقط ادا کرتے تھے۔ پیرسٹر نے لیا اور زر لشر واپس کر دیا کہ تار کو کمیشن دینا خلاف قانون ہے

ایمانداری اسکو کہتے ہیں ایسے واقعات صداقت۔ امانت۔ دیانت۔ پابندی وضع الفناء
 و غیرہ۔ یکرنگی۔ دوستی۔ ہمدردی۔ وغیرہ مولانا کے جو اس کتاب میں جا بجا
 دبیج ہیں ان سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور پولا نا کی تاسی کرنا چاہیئے۔ کسی انگریزی
 شمار خانہ خوب کہا ہے۔ بہترین طریقہ تفریف کا تاسی کرنا ہے۔

مولانا سیرسٹری کا گاندھناہیت محبت اور لیاقت سے انجام دیا لیکن بوجہ سچائی
 و صداقت کی صفائی کے جسکی زمانہ قدر نہیں کرتا سیرسٹری نے فروغ نہ پایا اور چند سال
 پیرسٹری کے کام دیکھے بعد انھوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ پیرسٹری کو ترک کر دے اور
 بہ آباد کے قریب ایک گاؤں میں جا کر رہیں اور وہاں سے کراسویٹ گلز اسکول
 الہ آباد دروڑ چلایا کریں پھر یہ ارادہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آخر شہر میں
 بننا پڑا جان ہیوت سابق لفٹ گورنر مالک متحدہ نے دریافت کیا آپ الہ آباد کی
 ججی قبول فرمائیں گے مولانا نے منظور کیا اور اپنی جنوری شہرہ کو جج ہائی کورٹ
 مقرب ہوئے اور نہایت محبت اور لیاقت اور خوش اخلاقی سے اپنے فرائض کو
 انجام دیا۔ مولانا کے برتاؤ اور مزاج میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آیا۔ مولانا جو پہلے تھے
 وہی رہے۔ میں نے ایک دن تراخا مولانا سے کہا کہ میں نے منصفوں خفیہ کے
 سکریٹری اور ڈسٹرک ججوں وغیرہ کو دیکھا ہے کہ رفتار سے گفتار سے آنکھوں سے
 سانس سے عداوت کا ذکر نہیں سنا ججی ٹپکتی ہے، اور تجتر و اہ مولانا آپ تو
 سیرت سے سادے مسلمان منکر مزاج جیسے تھے ویسے ہی ہائی کورٹ کی ججی
 میں بھی رہے مولانا نے تبسم فرما کے ارشاد فرمایا کہ اگر میں زار و سر پہنچا ہوں
 تو ایسے ہی رہوں گا مولانا نے بہت سے اچھے اور بعض لا جواب فیصلے دیکھے ہیں

سے اب زمانہ کا زار و سر میں بلکہ شہرہ کا جس نے ردے زمین کو لپکتی تھی شہرہ
 و قسطنطنیہ و تذل من شاء بید و الخیر انکب علی کل شیء قدیر

سکے جنکا ذکر باب چہارم میں کیا گیا اور جنکے اعادہ کی بیان ضرورت نہیں ہے۔
 مولانا نے چند رٹین قبل حج ہائیکورٹ ہوئے اور بعد ازاں کے سبب دیش ہوئے تھیں مگر
 یہ رٹین بھی سمیٹ لی اور اچھوٹی رٹیں نکال کر بھی لیا گیا ہے۔ مولانا کے حج ہونے سے
 پہلے یہ شرط ہو گئی تھی کہ حج ہائیکورٹ کو ساٹھ برس کی عمر میں پہنچنے سے ملحدہ
 ہونا لازمی ہے لہذا مولانا حج کے بعد سے ۲۵- جون ۱۹۱۲ء کو سبکدوش ہوئے
 اور لکھنؤ کے مسلم کلر اسکول کی بی و ڈال جناب رابعہ سر علی محمد خان صاحب تعلقات
 کو دیاد نے چھ سو روپیہ مایہ اور اسکول کے لیے مقرر فرمایا۔ مولانا ۲۴ ختم
 و لا کر پہلے بیسویں مسلمانوں کی رٹوں کے لیے وقت کر چلے تھے جو دستہ ریان انکو
 وقت کرنے میں پیش آئیں انکو ذکر باب پنجم میں کیا گیا ہے اس اشاری مثال مندرجہ
 کے مسلمانوں میں تو نہیں ملے گی ہر مائینس بیگم جو پال نے ۱۲- اپریل ۱۹۱۵ء کو اسکول کا مائین فرمایا
 اور سو روپیہ مایہ اور غلط فرمائی تھی سبکدوش ہونے کے بعد دین میں مولانا
 کلر اسکول لکھنؤ کا کام کرتے تھے اور تصانیف میں مصروف رہتے تھے شام کو
 دو گے چند دوست، وٹے ملنے آئے تھے ویکے تک در زیاد سے زیادہ ساڑھے
 نو بجے شب تک نشست رہتی تھی لکھنؤ میں کنٹرل کے رباب امیر ترقی کے
 ذریعہ پر گفتگو کرتے تھے یا کسی شرعی مسئلہ کے نکات یا کسی حکیم کے قول کی
 پر کیا بیان بیان فرماتے تھے۔ مولانا اکثر نو بجے شب کے بعد آرام کرتے تھے
 دو سہ ہونے سے ملنے میں اونکو خاص مسرت حاصل ہوتی تھی جبکہ انکے رفقاء میں
 مکاتیب پر تمام لکھنؤ کے زمانے میں مولانا نے تصانیف جنکا یہ بیکار لگ سکا
 اور انکے باب ششم میں کیا گیا ہے یہاں صرف چند رسالوں کے نام لکھے جاتے
 ہیں انکے حضرت امام علی علیہ السلام بزبان اردو و دہلی تاریخ حضرت سیدہ علیہا
 اسلام بزبان اردو و دہلی حالات حضرت امام حسین علیہ السلام بزبان اردو

(۲) سچا عقیدہ، زبان اردو (۳) علم الاخلاق، زبان اردو (۴) علم الاخلاق، زبان فارسی
 جون سنہ ۱۹۰۹ء میں مولانا کے شکستہ واقع میو روڈ آلہ آباد میں ایک لاک گئی
 تمام سباب اور کتابیں جل گئیں۔ اور کتابوں کے جلنے کا جنہیں مولانا کے
 عمری خطوط جنکو بڑے بڑے عمری دان دیکر وجد کرتے تھے اور دیگر بیش بہا
 تصانیف تھیں مولانا کو عمر بھر قلق رہا۔ لیکن او بھون نے
 مثل اس شخص کے جسکو خدا کی ذات پر بھروسہ ہوا است درجہ کے حکیم کے جبر فرمایا
 اور حیرت شکایت زبان پر لب دل میں بھی نہ آیا۔ میں نے صرف دو شخصوں کو دنیا
 کی شامی نہیں پایا ایک خدا ترس لوگ جو اپنی زندگی اوسکے ذکر میں بسر کرتے ہیں
 دوسرے وہ شخص جو حکمت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں اور عملاً حکیم ہیں۔ میں یہ ذکر کر رہا تھا
 کہ یہ ان کی تصانیف ضائع ہو گئے صرف دو کتابیں مولانا کمال سکے ایک قرآن شریف
 اور ایک فقہ اللسان کا مسودہ۔ شدہ آگ کے ایسے بلند اور چھپٹے تھے کہ جان کا خوف
 رہتا لیکن مولانا نے مطلق پروا نہ کی اور اسی حالت میں یہ دونوں کتابیں نکال لائے
 مولانا کی پابندی فہوم و صلوٰۃ و زہد و تقویٰ کے حالات اور اوسکے مذہبی عقائد
 اور حیاتیہ مسائل کا بیان کسی قدر شرح و بسط سے کیا گیا ہے یہاں اسی قدر لکھنا کافی ہے
 کہ مولانا مسلمان شیعہ اثنا عشری تھے۔ تنگ خیالی کے عیب سے بالکل بہرہ رستے
 وہ محض سوچے کہ کوئی شخص ہندو یا عیسائی ہے اوس سے نفرت نہ کرتے تھے
 اگر وہ اچھا آدمی ہے تو اوسکی قدر کرتے تھے فقط مذہب کے اختلاف کے سبب سے
 وہ کسی کو برا نہیں سمجھتے تھے نیک آدمی ہو کسی مذہب و ملت کا یا کسی طبقہ کا ہو۔
 او نکادان تعصب کے دھبہ سے پاک و صاف تھا او بھون نے اپنی ذہنی و فکری
 فہرست اپنے ہاتھ سے لکھی ہے جو اس کتاب میں درج ہے اس فہرست میں ہندو
 عیسائی و سنی شیعہ سب ہیں۔

مذہب کے ذکر نے ایک عجیب واقعہ یاد دلایا۔ اگست ۱۹۱۵ء کو مولانا نے جب وہ کوئٹہ ملک بلوچستان میں تشریف فرما تھے بھکوا ایک خط انگریزی میں لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے: "شب گذشتہ میں نے دو سالہ بچے کو خواب میں دیکھا جس نے مندرجہ ذیل فارسی کا ایک شعر پڑھا جس کو میں نے نہ کسی دیوان میں دیکھا نہ کسی سے سنا۔ وہ شعر یہ ہے۔

نمی دهد که جمال تو صاف تر یسبم

ز مرہ پاشش خدا یا غبار ہو تر

خیال دل آویز ہے مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں زبان کچھ ایسی: غاور نہیں انسان کی زندگی کا دستور عمل جو مولانا نے بنایا ہے اوسکی تشریف نہیں ہو سکتی وہ تمام نبی نوع انسان کے لیے کسی مذہب و ملت و ملک و قوم کے تخصیص نہیں ہے جو اوسکی پابندی کرے گا آدمی بن جائے گا میں اوسی نقل نہیں کرتا ہوں صرف حوالہ دینے پر اکتفا کرتا ہوں دیکھو صفحہ ۵۳۳ و ۵۳۴ و ۵۳۵ باب ششم مولانا کے ترجمہ کی تمکیم میں جس قدر امکان تھا کوشش کی گئی ہے لیکن یہ امر افسوس کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ جو خدمات بحیثیت فیلا آئر الہ آباد یونیورسٹی، پیر فیکلٹی آف آرٹس، پیرسنڈیکٹ، پیرسڈنٹ مولانا نے کیے وہ بھکوا نہ معلوم کیسے صرف ایک امر کی اطلاع ملی، ورنہ یہ ہے جو طالب علم فارسی پڑھتے تھے انکو عربی پڑھنا لازمی تھا مولانا کی کئی سال کی کوشش کا نتیجہ ہوا کہ فارسی عربی سے الگ کر دیے گئے۔ طالب کو بہت دقت پڑتی تھی جس قدر عربی پڑھانی جاتی تو وہ بالکل سیکے ہوئے تھے اس سے عربی کچھ بھی نہ آتی تھی تاہم کمال وقت ضائع ہوتا تھا۔ اب بہت بڑا احسان مولانا نے طالب علموں پر کیا ہے۔ صرف یہی ایک احسان مولانا کا نہیں ہے دنیا پر ان کے علم و فضل و کمال و اوصاف و قہر و کرم کے

سید است و نہ در اسرار چاہیست نہ کا شخص نہ ، کیمانہ سنا پہلو او میں پر خرومان
سید اولیٰ دلی جدائی سے رخ پوچھ رہا ہے

اور غیب کے ذکر پر ہم فخر و باز کر سکتے ہیں
 اور غیب کے ذکر سے بے نیاز و ملال ہو جاتا ہے

وہاں کے تمام اعتقاد غلطی و ضلالت پر مبنی ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسان کا دل خالقِ کمال کی طرف متوجہ رہے۔ اگر وہ اپنے دل کو دنیا کی چیزوں میں مشغول کر دے تو اس کی زندگی بیکار ہو جائے گی۔

یہاں ہر نامور شخصیت اپنے زمانہ میں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے وہ ادنیٰ لوگوں میں
نہیں جیسا کہ مشرق و مبادیات کے سناٹے عقیدہ روزگار پر نہایت جلی قلم سے لکھا ہوا ہے اور
بنیاد و محسوس و عالم پر شریعت ہے۔

مکمل فوٹو سٹریم یا انظر میں
کے اشعار میں ٹھیک ہے ناظرین کی خدمت میں پیش
کرتا ہوں اور بخدمت ہوتا ہوں۔

پہاڑی اور انکی مستقل سہی محبت کا
 اگر لکھتا قلم سے میرے نقشہ انکی الفت کا
 پتہ دیتا ہوتا بیشک اسے اسلامی شہنشاہت کا
 بہت کم تھے بجا شہر ہے انکی جامعیت کا
 وہ شایع تھا اہم سچیدہ احکام جمہوریت کا
 کس سانی سے خلن کرتا تھا وہ تہلاؤ کاوت کا
 یہ دونوں حفظ تھے گویا یہ عالم تھا اذہانت کا
 سبب یہ ہے جدا جواز نکلتے ہے غبارت کا

کراست و ٹکڑے حامد فسانہ لکھا پاتی
 اضافہ کا ناموں میں مگر دنیا کے ہو جاتا
 کمال و علم و اوصاف ہندو کیا نہیں دیکھ
 ادیب و شاعر و فلسفی ایسے زمانے میں
 محدث بھی مفسر بھی قتل و حبس بھی
 قوانین مزاج کے مسائل مشکل و زنی
 ظلم و تعد و بیخ البلاء پر فداوں سے
 کل مہر و تمام مرخصی دو نو نکاح پر تو ہے

بہت کم متقی زادہ بنے یا ایسے دیکھتے ہیں
 علوم مشرقی و مغربی کا عالم کیت
 وہ سینہ کشیدہ ملی جسے برسوں پڑھا ایسا
 مورخ اور نجوم و کیمیا کا جاننے والا
 علوم اکثر فنون اکثر تھے اور اسکی ذات و حیل
 سواد خط میں کیسی پختی کیسی صفائی تھی
 پھر می گنگا علی مدبانک بیوٹ جاننے والا
 سوار اچھا معالج اسب کا تنوار کا ماہر
 نئی ترکیب دیکر کیا مرنے پھر تانتا کیا پخت
 پلاؤ و قورمہ پھلی کباب ایسے پکاتا تھا
 مرتبہ چٹیان آچار جلوسے لاجواب و سکے
 زبانیں وہ بہت سی جانتے تھے ملکوں کی
 قرمسی و ترکی جرمنی بھی جانتا تھا وہ
 فیسمان عرب کی تھی زبان گویا زبان وکی
 دری سرزدی و ہرانی و انگریزی و لٹین
 کہتا ہوئے ہزاروں صفحے لکھوں شہزادہ پرشہ
 انیس و پیر زادہ یا جسے شالٹ کہتے
 فطرتیہ و سحرین میں صاحب ملک ہا زندہ
 عالی مرتبت کا ایک بوجہ تھے دنیا میں
 دینی عبادت رکھنے والے کا سچا بہشت سچا

کہ چرچا علم کا ہر دم توفیق و تاحیات کا
 دلون ہوا تاک کہ ہے جسکی قابلیت کا
 کہ آفر کھینکے قدرت میں رنگ اسکی بیعت کا
 منجھ سمڈ اکثر مجموعہ گہ یا قابلیت کا
 سبائی و زمینیں سمجھنے بشر اس جامعیت کا
 لہاں متفق نہ چمکا دیا جو ہر کتابت کا
 بہادر و دہر لکھتا جو دیر سے شجاعت کا
 شکاری تل پیدا جسکا نشانہ تھا ویاہت کا
 متبحر طرفہ لذت کا فر شرف کس حدایت کا
 زبان پر ذائقہ اہل کتب اسکے فوانین کا
 بیاد ملنے میں شکی نفاست کا لداقت کا
 زبان و انورین آب شرمہ تھا ملی قابلیت کا
 مقصد کز ماہر سے فضل و نہایت کا
 بیان ملوں میں دیکر باہر سے کافت کافت کا
 و دسب کچھ ہر شام قاذر کیا اس جامعیت کا
 خدشہ کا کہ بن و سک کا خدشہ ہی تھا دیت کا
 یہ ب کا محفوظ تھے کیا پوپٹ و کی ذہانت کا
 اسی پر وقت کی سرما یا و کی تہ و تہ کا
 نہیں بنے تھے خامہ سے نقشہ و کی سیرت کا
 زبان پاک و پاکس تھے و کی صداقت کا

غرض کہ یہی بات وہ اپنے ہاتھ سے کہنے پر تانتا تھا۔ غرض سے پکار کس بہت سے تانتا تھا۔

و فایختہ مزاجی سماعت گوئی بہت بڑی بھی
 نظریات منکر خوش خاش منبس کچھ خندہ پیشانی
 فقیرانہ بسر کرتا تھا وہ دن زیست کے اپنی
 کبھی آرام کرتا بھی تو کھڑی چاہ پائی پر
 غذا میں دین وقت ابلی بدوئی ترکا یہ ان کٹر
 حکیم : عمل تھا عالم بالفعل تھا دل سے
 پچھا ہے ترجمہ افسوس لیکن ایسی حالتیں
 شہیت ہو سبق حاصل کرو اسکے سوانح سے

صداغ نیک بھی دینا خمیراوسکی طبیعت کا
 بیان ممکن نہیں و سکی مسانہت کا ظرافت کا
 مگر تھا شوق دل سے بندگان جنگی خدشات کا
 تلے سر کے وہی اک ہاتھ دھیان باجریکا
 دہی کچھ روٹیاں بھوسی کی یہ عالم قناعت کا
 وہ تھا پابند احکام الہی کا شریعت کا
 عدالت ہی صلاح کے بین کیا ہوں قناعت کا
 ادھر رہا ہی سہی ہے ترجمہ لیکن کرامت کا

باب اول

خانمائی حالات

ابن خلدون، تعلیم و اوائل عمر کی ترقی

قصبہ کنٹور ضلع بارہ بکی ملک اوڑھ میں ٹکسالی سیدون کا
ایک موسوی خاندان آباد ہے۔ مولانا سید کریم حسین

اسی خاندان کے ایک اعلیٰ رکن تھے ان کا سلسلہ نسب انھارکیش واسطون سے
نام موسی کاظم علیہ السلام تک منتهی ہوئے۔ اس خاندان کے اکثر ارکان
علم و فضل پر فائز ہوئے۔ یہ کہنا کافی ہو گا کہ شریعت مرقدی شریعت نبوی
ہی اسی دریا کے دو موتی تھے جیسے موسیٰ و خضر یہاں سے۔

سید کریمت حسین بن سید شراج حسین بن سید محمد قلی بن سید محمد بن
الحرث بالله سید کریم بن سید شراج حسین بن سید محمد قلی بن سید محمد بن

محمد معروف بن سید بلال بن سید محمد معروف بن سید مداین سید حسین المعروف به سید شیخ بن سید
حسین بن سید معصوم بن سید علی بن سید کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صالح بن سید
بن سید شهاب الدین ابوالمنظر حسین الملقب بهداسادات المعروف به سید علاء الدین
علی جزگ بن سید محمد معروف به سید غفر الدین بن سید شرف الدین ابوطالب معروف

سید اشرف بن سید اظہار محمد تقی بہمدی معروف بہ سید محروق بن حمزہ بن سید بن
 ابو محمد بن حسین بن بہمدی بن ابو طالب بن علی بن حمزہ بن ابوالقاسم حمزہ بن امام ابو
 امیر اکبر حکیم حضرت موسیٰ الکاظم علیہ السلام

شہنشاہی سلسلہ سید کرامت حسین صاحب کونینیاں کسی نامی خاندان سے تھی

سید کرامت حسین صاحب کے دادا مفتی محمد قلیخان روز و شب
 چھ ماہ کا ذکر پانچویں ماہ ذیقعدہ ۱۱۸۸ ہجری میں بمقام کنتور پیدا ہوئے
 اسی ماہ کی ۲۲ تاریخ کو نواب شجاع الدولہ بہادر نے انتقال کیا تھا مفتی صاحب
 اپنے زمانہ کے چھ پر عالم تھے کتب درسیہ نہایت کثرت سے اپنے
 حشر کے فضل سے پڑھ کر علوم دینیہ جناب مولانا سید ولد ارطیس صاحب غفرانہ
 سے پڑھے اور اپنے عہد میں بے نظیر عالم ہوئے۔

صاحب مذکور اعلیٰ بدق محقق فاضل بوذنی سید جلیل لمعی مولوی سید محمد بن
 محمد بن صاحب کنتوری مشہور السید محمد قلی کریم تازہ مقرر کہ
 فضل و کمالات و مناظر میدان المناظر و مباحثات
 بود تصانیف انیفاش بر تفرش مذہب حق را دلیست ساطع و بر ہائست قاطع
 اکثر تہذیب و سیر و افکار و مطالعہ خود پر آوردہ نہایت ذکی الطبع و حدید الذہن بود
 مولانا مفتی السید محمد قلیخان از اکابر متکلمین علمت امام
 واجلہ علمائے اعلام و اساطین مناظرین شہنام
 جد و جہد و کد و کد اور اعلام و اساطین مناظرین شہنام
 و حمایت دین و ملت کا انور علی شاہ حق الطور براسنہ
 بخور مذکور و نوادر تحقیقات و مناقب تہذیبات و

تمام صفات و معالی کرامات آن رفیع الدرجات در صفات مولفانیت متاعنوں
مفرقوم و مسئلو و صیت فضل و کمال آن محیی طریقہ آل در شمش خدات احاطہ نموده
در سائر علوم دینی و انوار فنون تصنیفی خاصہ ذرفن تفسیر و علم کلام بنیظیر و امام ہمام بود

صدر دیوانی عدالت کے عہد میں میرٹھ میں مدت تک

ملازمیت

صدر امین رہے۔ سرکاری ملازمیت سے جتنا وقت بچتا تھا

وہ بعد فراغ ضروریات زندگی سب کا سب علم کلام کی تصنیف اور تازمین کلام

(۱) تقریب الافہام و تفسیر آیات الاحکام در علم تفسیر

تصنیفات

(۲) رسالہ عدالت علویہ در بیان احکام قضا و افتا متضمن شرائط

قاضی و مفتی۔

(۳) مصابیح الافہام جواب باب یا زوہم تحفہ

(۴) رسالہ نفاق شیخین

(۵) رسالہ تطہیر المومنین

(۶) رسالہ اجوبہ فاخرہ

حضرت جناب مفتی صاحب کا زہد و تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا ایک بار

بضرورت طہارت کسی تالاب پر تشریف لے گئے تھے اور ایک جنبہ پتھر کی چادر کا

کوشہ ہوا سے اڑ کر مفتی صاحب کی اونگلی سے چھو گیا مفتی صاحب نے تمام شب

استغفار میں بسر کی۔ اس لیے کہ نامحرم پر نظر پڑنے پانکی کے پشہ راہ میں بند

کر دیتے تھے۔

مفتی صاحب نے ۹ محرم سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں انتقال کیا

سارح انتقال

اور امام باڑہ غفر انہاب کے شرعی حنفہ میں جو چھٹی ہے

دوسرے مدفون ہوئے۔

یتاب مفتی میر محمد عباس صاحب شہ شری علیہ السلام مقامہ نے ایک تاریخ
وفات عزیزی مرید اور ایک فارسی مین فرمائی۔ یہ دونوں تاریخیں بح مزاج پر کثرت
وہ تاریخیں یہ ہیں

ادید ذکر محل قلی ورحلہ	وانی بپراخی کافخہ الصہوسا
هوالمہا جرباً للکھنؤملفتہ	وکان سسکھہ اناہوی کذوسا
کانه هو نور الہدی وحين	سناہلا لا بکنور قیل کن طیرا
وفي بطانة مولی الزمان مجتہد	الوری محلی الطہر کان مذکور
لقد تفقه فی الدین قادیان وکذا	وکان مستشیر بالکلام فخری
بان جاذبة الحق بالیراعکما	توی المجرۃ نیرہ تفقت نوراً
جزاک ربک عن اهل دینہ خیرا	وکان سعیک عند اللہ مشکور
مضی وخلق ولدانہ اولی فضل	لذاک عاش حمیداً ومات مغفور
وحين یبخی صلی علیہ وسلم	کان فضلهما فی اکافہ مشہور
حیل وحبیب فد اشیرا ورحی	خادمایہما السبع صار منصور
ومن یثم شدا مثلک ہم یدہ الیہما	یشم اذا اعتبرا وکافور
لذا العقبی فی دوعبہ وجالطہم	وفی القیمہ فیہم یكون محسور
مضی تاسع شہر شد الا عاشرة	رحیل خامس ال العاشرة
مصاہبہ بمصاہب الحیین مقرون	وانہ لتلقی الحیین مسرور
طفاؤ الامت لتاریخ دیوم رحلہ	الموتہ ہوا قیال دیوم عاشور

قطرۃ المہج در فارسی

چون غافل مفتی پسندیدہ خصال در بلدہ لکھنؤ رسید اگر کنتور در ماتم او سپہرزد جامہ بہ نیل با مجتہد عصر کہ ہمنام فی است زین اہ نوان گفت کہ تقویٰ و ورع	گند شست ز عالم و بیزدالن پوچست پس تخت مغربو بخت بہرست زنگ رخ لالہ در گلستان شکست سرشتہ اختصاصی دوش در دست فریاد کشید در غراشین شست
---	--

بزم قہر و انوشہ شد تار بخش

این قبر مقدس بچہ قلی است

مفتی صاحب کی اولادین جناب مفتی محمد قلی خان اعلیٰ اللہ مقامہ
کے تین بیٹے تھے جناب مولانا سید سراج

حسین صاحب و جناب مولانا سید اعجاز حسین صاحب و جناب شمس الحسن
مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ فردوس سحاب اور تین بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی لا ولد
ثوت ہوئیں۔ دوسری بیٹی زوجہ مولانا حکیم سید غلام حسین صاحب قبلہ عبد مہ
کتور می جنکے بطن سے دو فرزند تھے جناب مولوی سید تصدق حسین صاحب مولوی
سید محمد علی صاحب مرحوم تیسری بیٹی جو اپنے حقیقی مامون زاد بھائی سید
خورشید حسن صاحب رئیس کتور کے ساتھ ملوئیں ہوئیں جنکے بطن سے دو فرزند
سید علی نقی صاحب و سید محمد زکی صاحب پیدا ہوئے۔

سید کریمت حسین صاحب کے اس نظر سے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جناب
مولانا سید کریمت حسین صاحب کے
والد ناجد کے حالات

پہن میں کیسی صحبت تھی کس آغوش میں پیے اور کس قسم کی اخلاقی بو و بون میں
دم لیکر بڑھے اور کھلے پھولے اور نکلے والد ماجد جناب مولانا سید سراج حسین
اور ان کے دونوں چچا صاحبوں کے مختصر حالات لکھنا خالی، زائد ہ نہ ہوگا۔

سید سراج حسین صاحب علوم عقلیہ میں غالباً اپنے عہد میں یگانہ تھے زیادہ عمر
میں انگریزی قوت مطالعہ سے حاصل کی تھی۔ اور علوم ریاضیہ میں کمال بہرہ
پہنچایا تھا۔ علم جریات و کلیات جو نہایت دقیق علم ہے اس کے مسائل کا ترجمہ
انگریزی کتابوں سے اردو فارسی میں اور سنی آسانی سے کرتے تھے جیسے کوئی
اپنی زبان میں خط لکھتا ہے۔ انھوں نے بعد فراغ تحصیل علوم سرکاری ملازمت
اختیار کی الا متذلل پھر دیوان انجمنی بوندیل کھنڈ، آخر میں کامدار ریاست
چڑکھاری رہے۔ مولوی سید سراج حسین صاحب نے سرکاری ملازمت
نہایت دیانت داری اور راست بازی سے کی اور اپنی زندگی عیسائیوں کے
ساتھ بسر کی۔

ششوی مولوی روم اور فقیرون سے اونکا خاص دلچسپی تھی۔ ان کے سب
حقیقی دوستوں پر ان کے کمال حکیمانہ و تصورات کا ایسا سکھ جاتا تھا جیسا اعلیٰ
درجہ کے دیوان کا سکھ سچے معتمدون پر ہوتا ہے۔ ان کے باپ کی قیمتی کوشش
بکھڑا محلہ گولا گنج میں تھی جو زمانہ قدر میں مسافر کر دی گئی۔ مولوی اعجاز حسین
صاحب مرحوم نے بہ سہرمت انکو اسکے گراسے جاسنے کی خبر دی جسکے جواب میں
سید سراج حسین صاحب نے یہ لکھا "خوب شد اسباب خود بینی شکست"
سید سراج حسین صاحب کی زوجہ مقام چڑکھاری میں مرض الموت میں مبتلا
ہوئیں اور سید سراج حسین صاحب مرحوم ان کے دیکھنے کو زمانہ خانہ میں تشریف
لے گئے۔ ان کے بعد مرحوم صاحب یاس کی باتیں کہیں تو فرمایا "چوتھ بھی

آئین مودی صاحب مرحوم کے مسکن کی یہ قطع تھی کہ صرف ایک جنوب مدینہ
 اچھتہ دالان تھا جس میں ایک کوٹھری تھی اور کوٹھری پر چھوٹی مٹی کی گھیر مل
 انگریزوں میں پیش سے بچنے کو سامنے ٹاٹ کے پر سے ڈالے جلتے تھے۔
 صبح کو ورزش اور شام کو پیادہ ہوا خوری کا معمول تھا۔ چار یا قہوہ الشرائین نوش
 کرتے تھے۔ لذیذ کھانوں کا شوق نہ تھا۔ سرسبز مٹی پر بھی کافی ہوتے تھے۔
 ان کے سین میں صاحب لکھنؤ میں ریڈیٹ تھے جب انہوں نے لکھنؤ کا انتظام
 بہت اتر پایا تو وہاں سے وزیر سے کہا کہ مولوی سید سراج حسین مدینہ
 کے لئے لکھنؤ کو وہ دیانت و کفایت سے انتظام کر دینگے۔ مولوی صاحب اس تقریب
 سے لکھنؤ گئے۔ سردی کا موسم تھا مارکین کی دوپٹا ڈھکے ہوئے وزیر کی ملاقات
 کو پیادہ تشریف لے گئے۔ لکھنؤ میں شالی، موال، دو قنالہ، قبا، شملہ وغیرہ
 کا رواج تھا اور پیادہ چلنا معیوب تھا۔ وزیر اور حاضرین نے بار بار لکھنؤ
 کو اس دیہاتی لباس میں دیکھا تو ان کے نفس و کمال و دیانت دزد و قتلے کی
 ذرا بھی پرواہ نہ کی اور ریڈیٹ صاحب کو جواب دیدیا کہ ہم اس شخص
 کو رکھنا پسند نہیں کرتے۔

مولوی سید سراج حسین صاحب نے خیرات کا یہ طریقہ اختیار
 کیا تھا کہ بیماروں کو اپنے پاس سے دوا اور غذا دیتے تھے۔ اور خود ان کا علاج
 کرتے تھے۔

مولوی سید سراج حسین صاحب مرحوم کی قناعت کا بڑا ثبوت یہ ہے
 کہ جب حضور ہمارے لیج رتن شاہ صاحب والی چمکھاری نے ان سے
 واسطہ اپنے مقبرہ صاحبوں کے دریافت کیا کہ وہ کیا تنخواہ قبول کر لینگے تو جواب دیا
 کہ تین سو روپیہ ماہانہ کافی ہوگا۔ جب ہمارے قناعت کے اصرار ہوئے تو کہہ رہے

تو اتفاق قبول نہ کیا۔

مولوی صاحب اوسی تین سوہن تمام مصارف کرتے تھے اور جیسار یا ستون
تین سواری وغیرہ لینے کا دستور ہوتا ہے اسکو پسند نہ فرماتے تھے۔

مولوی سراج حسین صاحب چرکھاری میں دفعتاً مبتلا سے ہیضہ ہو گیا
اور جب انکو یہ یقین ہو گیا کہ ہیضہ ہوا ہے تو فریب دوسبے رات کے مفتی
سید انور علی صاحب کے جو مولوی سید عثمان حسین صاحب
اور سید کریم حسین صاحب کے استاد تھے فرمایا "مفتی صاحب یقینی
ہیضہ ہوا۔ بچو نکو لکھو پھیر دینا"

اسکے بعد ذوال ہجرت زندہ رہے۔ ہوش و حواس بجا رہے مگر کوئی بات نہیں کی
یہ لو ان اتنا صاحب منظم ریاست خیانت کو آئے اور مولوی صاحب کے دوستوں
نے بہت اصرار کیا کہ بچوں کے بابت ان سے کچھ کہیں مگر نہ کہنا تھا نہ کہا۔ مرنے
سے چند منٹ پہلے ایک فقیر منٹل ٹھا کر آیا اور اس نے چلا کر کہا۔ مولوی جی
اپنے گرو کا نام لادو تو فرمایا یا علیؑ

مولوی سید سراج حسین صاحب نے اگست ۱۸۶۵ء میں بمقام
چرکھاری انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

انکی طرز زندگی کا یہ اثر اہل چرکھاری پر تھا کہ انکی قبر کو پوجنے لگے۔ بیمار شفا پانے کے
لیے وہاں جا کر منت مانتے تھے۔ ایک بار ایک معتبر شخص انکی قبر پر فاتحہ پڑھنے
آئے تو اُن کا زمانہ تھا دیکھا کہ ایک ہندو پتیل کی لٹیا میں پانی لایا قبر پر چھڑکا اور کہا
مولوی بابا مرے جاتے ہیں پانی برساؤ۔ اتفاق سے اوسی دن پانی برسا۔

مولوی کریم حسین کے بڑے چچا کا ذکر جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب عالم
رحمہ اللہ نے حلیہ تصانیف عمدہ میں تحریر فرمایا ہے

شریفانہ پکڑی اور دوست پرستی میں سید نشان تھے۔
زمانہ خورشید شمسہ عین وہ کنتوزمین تھے ورجناب سلطان علیا عبید محمد صاحب
اعلیٰ شد مقامہ لکھنؤ میں تھے جناب ساطین القلماء نے مولوی صاحب کو لکھا
یہی پہل قبل حلول الاجل

مولوی صاحب فرما لکھنؤ روانہ ہو گئے حالانکہ راہ پر خطر اور اندیشہ تاک تھی۔
چنانچہ خیرزدن اور دوستوں نے بہت کچھ تجویز کیا کہ نہ جاؤ مگر نہ مانا۔
مولوی سید اعجاز حسین صاحب نے سلسلہ ہجری میں بمقام لکھنؤ حلت ثانی
اور ابامہ بارہ غفر انساب میں پچاسک کے سامنے اندرونی شہر میں حلیہ انجمن
ہوئے۔ جناب مرحوم کی وفات کے قطعات تاریخ حسب ذیل ہیں۔

مستقر من جوار الرحمة	حلال اعجاز الحسین الیوم فی
شم اخفوا و لا بد اس الظلمة	یا لہ من نور عر شان بدا
دین حق من وقوع الخلیفہ	ایہ یا ویلاہ سما قد دھا
ازخوہا غاب بدد اکامہ	طنخہ عیاء حلت بالوری

قطبہ تاریخ از نقشی سید اعجاز حسین صاحب منیر

قبور دین کعبہ ایمان و شرع	پاسے از دنیا برون نہادہ بیت
سیدی مولائے اعجاز حسین	جان بکرم ایزدی درد آد جہیت
مصرع تاج کشتہ سے منیر	کن دین جعفری افتادہ جہیت

سلسلہ ہجری

سلسلہ تاریخ جناب منیر میر محمد اس صاحب اسی وقت مقلدہ سے فرمائی ہے۔

سید کریم حسین صاحب

استاد اور چھوٹے بچوں کا ڈاکٹر

مولانا سید خاجہ حسین صاحب قبلہ فردوس صاحب

علوم عربیہ اور دینیات اور علم کلام میں کیتا

میں ایک ممتاز فرد تھے اور ہندوستان عرب اور عجم میں مشہور و معروف تھے
علم کلام میں اپنی تالیفات خود اپنی نظیر ہیں اور یہ کتابچہ انہیں کہ شروع اسلام
سے آج تک اس فن میں اس طرز کی تصنیف موجود نہیں ہے۔

مولوی صاحب علوم دینیہ خصوصاً علم کلام میں شیخ مفید اور سید مرتضیٰ کے ہم پل تھے

مولانا سید خاجہ حسین صاحب اعلیٰ القدر مقام کے متعلقات حیات زندگی جناب مرزا محمد باقر صاحب
عزیز لکھنوی کے مین ٹیبل بہت سے ضروری مقامات میں نظر انداز کیے صرف ایک دائرہ لکھا ہوا ہے
میں جب لندن سے تازہ تازہ آیا ہوا تھا تو اتفاقاً میں نے ایک دن دائرہ منڈوائی وراسیدین
جناب مولانا خاجہ حسین صاحب قبلہ کی خدمت میں بغرض حصول زیارت حاضر ہوئے دیکھتے ہی
میری دائرہ کی طرف بڑھایا اور ایک عجیب سیہ میں فرمایا کہ دائرہ منڈوائی دیکھو چنانچہ سیہ ایت
کا تصدیق ہے کہ اپنی دائرہ منڈوائی سے مجھے ایک محبت حاصل ہمیشہ کے لیے پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ
سب فیض بزرگ سے۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آیا کہ اسی دن شام کو میں جناب مولانا سید علی محمد صاحب تاج العلماء
علیہ ابد مقامہ کی خدمت میں بھی گیا اور اپنی کٹاری میں جناب موصوف کو سوار کر کے ہوا غوری
کے لیے چلا رہے تھے جناب ممدوح نے فرمایا کہ دائرہ منڈوائی کے حوالہ کیا فوائد میں میں نے غرض
یلا اس وقت فوائد تو ذہن میں نہیں تھے اگر ارشاد ہو تو مضمون بیان کروں یہ سنکر تبسم فرمایا اور خاتون
موسے جناب قبلہ دکنہ تاج العلماء کو علوم عقلیہ میں کمال مہارت تھی اس وجہ سے اپنے
ارشاد میں دائرہ عقاید فرمایا تھا۔

اور ان کا طرز زندگی بے حد ہی تھا جیسا کہ قرین ثبوتی اور ثبوتی کے بل پر بالی کا ہونا
تساوہ اول کمالات اور صفات اور اخلاق کی سعی مثال تھے جو مومن کامل کے
لیے اسلام کی کتابوں میں منضبط ہیں جو انکی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا اور سبکی
نظروں میں کوئی اور نسبت نہ سمجھتی تھی۔ مولانا سید کرامت حسین صاحب را کثر
کہتے تھے "میں نے عمر بھر میں کوئی آدمی مولوی حامد حسین صاحب کا ثبوت نہیں دیکھا
ایک بار ڈاکٹر توپین چند برسر صاحب سے جو مشہور و معروف ڈاکٹر لکھنؤ میں تھے
جناب فردوسا ب کا ذکر آیا فردوسا ب اوس وقت حیات تھے ڈاکٹر صاحب نے
جناب فردوسا ب کی تعریف میں ایک انگریزی فقرہ فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے
پاکبازی اور معصومیت کی سراپا تصویر ہیں۔

تمہید میں جان میں نے اپنی دوستی کا ذکر مولانا کرامت حسین صاحب سے
کیا ہے وہاں پشتینی کا لفظ لکھا ہے جس کا یہ مفہوم ہے کہ میرے دادا صاحب
کو شرف تلمذ مولانا کے دادا سے حاصل ہوا میرے والد ماجد مولانا کے والد
ماجد کے شاگرد تھے اور تیسری پشت کی ملاقات اور دوستی انہوں سے اور مولانا
سے تھی۔ ملاقات شاگردی سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی بعض خصوصیات قابل
ذکر ہیں۔ میں نے مولانا کے جد امجد کو نہیں دیکھا نہ مولانا کے والد ماجد کو نہ ان کے
برسر چچا صاحب کو مگر انگلستان سے واپس آنے کے بعد جب میں لکھنؤ میں
یکثرت بیر شروپ والی کوٹھی میں مقیم ہوا تو یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آیت اللہ میرانا
حامد حسین صاحب قبلہ فردوسا ب اپنی پاک اور مقدس زندگی کے آخری
دو تین سال بیماری اور گوشہ نشینی میں بسر فرما رہے تھے عامۃ الناس کا
کیا ذکر خواں پر بھی باسٹنٹ ہے محد و دے چند دروازہ بند تھا۔ امیر و غریب
شریف و وضع عالم و جاہل اپنے اور اپنے گلے سب ہی بولتے تھے۔

عجیب سے محروم ہو گئے تھے میرا شمار غلامانِ دین تھا نہ واپس نہ اہل
 سال میں نہ باعتبار سن و سال بڑا کوئی تھیں ایک نو جوان جو سرِ شیعہ پاکستان
 سے لکھنؤ میں تیار ہوا وہ خود جانے جناب فردوس گاہ کے دالین میری بابت
 کیا خیال ہو گیا تھا کہ وہ جناب مجھ سے تھے اکثر شریف لایا کرتے تھے میں اگر
 کوٹھی میں نہ ہوتا تھا تو باغ میں یا کسی رکاواد سے تھے اور تھوڑی دیر نہ ہوتا تھا کہ
 جناب فردوس گاہ کی تشریف آوری کا جہدہ فرما کر باز بجھو ہے اثر بیان
 یہ تھے تقریر و تقریر سے باہر ہے۔ اس عزت افزائی کا وہی لوگ کچھ نڈازہ
 کر سکتے ہیں جو وقت ہیں کہ جناب فردوس گاہ کبیر تشریف نہیں لیا کرتے تھے
 مولانا کے انتقال سے جو خاص اثر انکے مخصوص میں پر ہوا اس کا بیان ناممکن ہے
 چنانچہ میں نے اسی زمانہ میں ایک مضمون تحریر کیا تھا اور وہ مضمون اخبار
 ایڈولٹ لکھنؤ مطبوعہ ۶ نومبر ۱۹۸۵ء میں چھپا تھا۔ اس مضمون کا ترجمہ
 یہاں پیش کرتا ہوں۔

تم نہایت ہی سچ و سادہ کے ساتھ جناب شمس العلماء مولانا سید حامد حسین صاحب
 قبلہ کی وفات حسرت آیات کو شائع کرتے ہیں جو ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو واقع ہوئی
 جناب مرحوم کی علالت کا سلسلہ گزشتہ ۶ سال سے جاری تھا لیکن انھوں نے
 شرائد مرض کے مشکلات ملکوتی صبر و استقلال سے برداشت کیے۔

بہرحال انکی طویلانی علالت انکی شرافت مزاجی پر کوئی اثر نہ ڈال سکی اور انکی
 زندہ دلی کو ذرا برابر بھی کم نہ کر سکی سی طرح وہ انکی روشن دماغی اور غیر معمولی
 وقت رکھنے والے حافظہ کو بھی کوئی نقصان نہ پہونچا سکی ورنہ انکے خیالات
 انکی ذہنی اور کتنا سے زمانہ خدا داد کمالات میں سرد ہو سکتی کہ جناب مرحوم
 مشکل سے اس قابل تھے کہ وہ بیک وقت چند قدم بھی چل سکیں لیکن

اس حالت میں کبھی بستر پر پڑے پڑے وہ اپنی کتابوں کی تصنیفات میں اس قدر محنت شاقہ برداشت فرماتے تھے کہ بہت سے تندرست و توانا مصنفین بھی اتنی محنت کرنے کی حیثیت مشکل سے کریں گے یہ منظر نہایت دل کو دکھائی دے گا تھا کہ وہ داہتا ہاتھ تھک جائیں گی وجہ سے اپنے بائیں ہاتھ سے بھی بلا ناغہ اس کام کی انجام دہی کرتے تھے۔

علم کلام میں روئے زمین کے تمام مصنفوں میں اسے بڑھ کر تو کیا انکے برابر بھی کوئی نہیں پایا جاتا۔ انھوں نے اپنے بعد ایک نہایت ہی بیش قیمت اور گران بہا ذخیرہ اپنی تصنیفات کا چھوڑا ہے جو انکے نام کو ایک مدت دراز تک روشن رکھے گا اور بے شمار آئندہ نسلیں مرح و شاکر بنیں اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھیں گی۔

اس امر کا نہایت تاسف ہے کہ جناب مرحوم کی تصنیفات کا بہت سارے غیر مطبوعہ ہے اور بہت سی تصانیف ایسی ہیں کہ خبر نظر ثانی کرنیکی بھی نوبت نہیں آتی لیکن بہر طرح سے امید ہے کہ جناب مرحوم کے بڑے صاحبزادے جناب مورناسید ناسر حسین صاحب قبلہ جو کہ ماشاء اللہ ابھی نوجوان ہیں اور جن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جناب مولانا سید عابد حسین صاحب قبلہ زندہ ہیں اس بڑے کام کو پورا کریں گے جو کہ ناتمام رہ گیا ہے۔

اس عظیم ترین حادثہ سے جو صدمہ عموماً تمامی ہندوستان کو اور خاص طور سے انکے اہل خاندان کو برداشت کرنا پڑا۔ ہم انکے خاندان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

جناب مولانا سید سراج حسین صاحب اعلیٰ الشہ شامہ کے تین بیٹے تھے۔ ان کے بیٹے جناب مولوی سید عنایت حسین صاحب۔ منجملے جناب مولانا

سید کرامت حسین صاحب۔ چھوٹے جناب مولوی رعایت حسین صاحب۔
جناب سید عنایت حسین صاحب عمدہ پائے جلیلہ پر ریاست چترکھاری
میں ممتاز رہے۔ اور جناب مولوی رعایت حسین صاحب بھی اسی ریاست
میں مہتمم خزانہ اور مجسٹریٹ درجہ اول رہے۔ دونوں بھائیوں نے نہایت
امانت و دیانت و محنت سے کام کیا اور ہمارا چہرہ چترکھاری بہت عزت و
توقیر فرماتے تھے۔ جناب مولوی سید رعایت حسین صاحب ابھی زندہ ہیں۔
خداوند تعالیٰ انکو صحیح و سلامت رکھے آمین ثم آمین بحق محمد و آلہ الامجاد

سید کرامت حسین صاحب

بچپن کے حالات

بچپن کے حالات کم معلوم ہوئے ہیں جو بچپن میں وہ انھیں سے معلوم ہوئے ہیں
بچپن کے حالات بزرگوں کو معلوم ہوتے ہیں عرصہ ہوا کہ کرامت حسین صاحب
بزرگوں کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بڑے بھائی مولوی سید عنایت حسین صاحب نے
اکتوبر ۱۸۸۹ء مطابق ۱۲۰۲ھ خجندی میں انتقال فرمایا
اور اگر مولوی عنایت حسین صاحب اب تک زندہ بھی ہوتے تو بھی سید
کرامت حسین کے بچپن کے زیادہ حالات اون سے نہ معلوم ہو سکتے کہ وہ صرف
دو ڈھائی برس سید کرامت حسین صاحب سے بڑے تھے۔

پانچ برس کی عمر سے پہلے کے دو ایک واقعات سید کرامت حسین صاحب
دیا دے رہے۔

۱۔ شفقتی منش سید احمد حسین صاحب مرحوم انھیں یہ طرائق اس مصرعے سے مادہ وفات نکالے

ع بخوان دوبارہ منش ہر بار برکش آہ

پانچواں فصاحت

جب مولانا صاحب پیدا ہوئے تو آپ انکی والدہ بیمار تھیں
دودھ خشک تھا کوئی دایہ نہ ملی اس لیے مولانا صاحب کی
پرورش گائے کے دودھ سے ہوئی معمولی سی بچہ کو کمزور اور نحیف بچہ
تو ماما چاہیے مگر مولانا صاحب تو مند تو انا اور شہ زور ہوئے کیونکہ نادروہ میں ہونا
حاصل نہ پایا۔

پہلا واقعہ جو انکو عمر بھر یاد رہا یہ تھا کہ سب سے پہلے عین گرمیوں کے زمانہ میں عرو
قصاب سے پہلے انکی کھلائی انکو صحن میں لائی کھٹولے پر بٹھایا وہ بیمار اور
خواب تھے چڑھ رہے تھے کھلائی سے اشارہ نہیں بتا رہے تھے کہ دودھ میں شکر ملائے
دفعہ باورچی خانہ کی طرف سے شور ہوا اور ایک ماما چھٹی ہوئی بھائی بچے نے
پوچھا کیا ہو کھلائی سے کہا کہ ماما باورچی خانہ سے نکل رہی تھی کہ اسکے سر پر سانپ
گرا اور وہ غل مچا کر بھاگی یہ سنکر بچہ کی توجہ بالکل دوسری جانب چلی گئی چڑھانا نائل
ہو گیا اور اوسے دودھ جو کھلائی پلانا چاہتی تھی نی لیا۔ باورچی خانہ میں
چوٹھا جل رہا تھا بچہ کی دایہ ایک پیرھی پر بیٹھی کھانا پکھنے کی لگائی کر رہی
تھی اور ماما غل مچاتی ہوئی بھاگی یہ واقعہ دنیا کے سب سے پہلے واقعہ نہیں ہو
سکے جنہوں نے بچہ پر ایسا اثر کیا کہ تمام عمر یاد رہے۔

سید کرامت حسین صاحب کا مکتب ہونے پر دس بارہ دن تک

مکتب

انکی یہ حالت تھی کہ جب تک دایہ مکتب میں بیٹھی رہے وہ پڑھتے
تھے اور دایہ اوٹھ کر گئی اور یہ چیخ مار کر اسکی پیچھے دوڑے۔

بچپن سے دو باتوں کی بڑا ہم نشین کا اثر ہے کہ کرامت حسین صاحب کی ایک

واقعہ بھی یاد رہا کہ کیا تھا کہ مارچ یا اپریل سترہ سو تین میں ان کو سبق یاد دیا گیا تھا اور
 نے حسب معمول چار بجے چٹی نہ دی پانچ بجے شام کے قریب کراچی میں
 نے روٹا شروع کیا اور اس اثنا میں انکو طوطوں کی آواز سنائی دی ملاں اور
 آواز کے باہم ہونے کا یہ گہرا اثر ہوا کہ عمر بھر جب شام کو طوطوں کے پیر کے
 کی آواز کان میں آتی تو وہ ضرور پیر ملاں محسوس ہوتی تھی۔ چیزوں کے باہم
 ہونے سے سید کراچی میں پر ایسا قوی اثر ہوتا تھا کہ اگر بعد میں ایک چیز
 واقع ہو تو دوسری اسد رہے یاد آتی تھی کہ فی الحال یاد دہونے کے رتبہ کو
 پہنچ جاتی تھی۔

پھر کھارمی میں اکثر پیر کے دخت پانچویں قریب ہوتے ہیں اونکی بدبو اور پیر
 کے پھوون کی خوشبو چونکہ ساتھ ساتھ محسوس ہوتی رہی اور بدبو خوشبو
 غالب ہوتی رہی اس باہم ہونے کا یہ اثر ہوا کہ سید کراچی میں کو پیر کے
 پھول میں کو کیسے ہی پاک جگہ میں ہوں مگر پیر بدبو محسوس ہوتی اور اونکی
 تمام خوشبو کہ ان پھوون کی خوشبو محسوس کریں کامیاب نہوتی۔
 سترہ سو تین تک تو یہی یقین رہا کہ پیر کی پھول بدبو ہوتے ہیں مگر سنہ مذکور
 میں ان کے ایک دوست نے انکو یاد کرایا کہ وہ خوشبو پیر ہوتے ہیں

واقعات ۱۸۵۷ء

سترہ سو تین کے غدار میں وہ ریاست چڑھائی

کے قلعہ میں محصور تھے موضع استہار میں

ریاست کا ایک دست ہاتھی بندھا تھا اور باغی اوسکو کھولنا چاہتے تھے

انہ جملے کرتا تھا۔ سید کراچی میں صاحب اسی جی ایک تماشا بھڑکے قلعہ پر

ستہ سو تین تھے یہ بات کہ غدار کوئی آفت نہ بیایا اس سے خوف کرنا چاہیے

اونکی سمجھ سے باہر تھی جب بلوچیوں کی گولیاں قلعہ پر آکر گرتی تھیں تو وہ

اوستے اونٹھانے کو دوڑتے تھے اور وہ یہ کاشور و گل انپر ذرا بھی تاثر نہ کرتا تھا
ایک صاحب جو قلعہ پر ایک مورچہ کی نگرانی پر تھے بہت زخمی ہو گئے
تھے اور مولوی سید سراج حسین صاحب مرحوم اُن کے دیکھنے کو گئے
سید کرامت حسین صاحب بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ گئے وہ صاحب
پار پائی پر زخمی لیٹے درو سے کراہتے تھے۔ لیکن سید کرامت حسین صاحب
کو یہ سیر تماشا سامانہ ہوتا تھا اور اسوجہ سے نہ تو ہمدردی کا احساس
ہوتا تھا نہ اونکی دردناک آواز سے متاثر ہوتے تھے۔ جب باغی چلے گئے
اور سید کرامت حسین صاحب اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ قلعہ سے
اوتر کر شہر چرکھاری کے اوسی گھر میں آئے جس میں قلعہ پر گئے تھے
تو اونہوں نے دیکھا کہ ڈھوڑ ہی میں پندرہ بیس من گرم راکھ جمع ہے
اوستے اندر آگ کی چنگاریاں بھی ہیں پوچھا کہ یہ کیا ہے تو کسی نے کہا
کہ یہاں آل جمع تھی باغیوں نے جلادی یہ اوسی کی راکھ اور چنگاریاں ہیں
مولانا سید کرامت حسین صاحب کو بچپن میں بچپسی
مولانا کے بچپن کجفہ۔ گھیری۔ پٹنگ اور بیڑ کا بہت شوق تھا
کے شوق بعض اوقات بچپسی میں تمام شب جمعہ اور روز
جمعہ گزر جاتا تھا۔ کجفہ کی سخت مزاحمت تھی ایک گھر میں ایک کتب
میں ایک اٹیل میں ایک عید گاہ میں چمپا رکھا رہتا تھا اور ایک ب
دو کھیلنے والے ساتھی اور مل جاتے تھے وہیں کھیلنا شروع ہو جاتا تھا
جب مولوی سید عنایت حسین صاحب کی شہر الہین بیڑ باندھی اور وہاں
ہونے لگی تب ان دونوں مشغول نہیں بھی کرامت حسین صاحب نے تاک
برگیا جمعہ کو بعد ظہر داستان ہوتی تھی اور گرسی اتفاق سے کوئی جمعہ
ملنے لگا تب کہ درخت ہوتا ہے اوسکی لکڑی جمع آئی۔

ناغہ جاتا تھا تو شام کو اکثر کسی سامع کو بایا کر گھر پر سن لیتے تھے تاکہ سلسلہ
تہ ٹوٹ جائے

جب فروری ۱۸۶۵ء میں رسالہ تیر الزواجر پڑھا اور
لہو و لعب

چھوڑ دیا۔ بات جب وہ راجکار کالج میں نوکری سے اور فلسفہ وغیرہ علوم عقلیہ
کو حاصل کیا تب لہو و لعب کا مفہوم انکی رائے
لہو و لعب کا مفہوم

میں بدل گیا اور شینس کرکیٹ وغیرہ
آزادی کھیلنے لگے۔ پسہ کھیاون کو جنسے تندرستی کو فائدہ پہونچے یا دماغ کو
سکون ہونا جائز ہونے کے بجائے سہ و مند کہنے لگے۔ لہو و لعب کے صحیح
معنی اونکے نزدیک وہ ارادی افعال تھے جنسے کسی قسم کا نفع نہوا اور
وقت و طاقت را لگان یا مضرت یا مشیت سے صرف ہونے

ستمبر یا اکتوبر ۱۸۷۵ء میں مولوی سراج حسین
چچن مین مرثیہ کا شوق

صاحب مرحوم کی ترغیب سے سید
گرامت حسین صاحب کو اس مرثیہ جب غازیان فوج خدا نام کر گئے۔
کی نقل کرانے کا شوق ہوا خود نقل نہ کر سکتے تھے۔ ایک عمر رہنے جو بیوی
تھا کہا کہ میں پانچ بند روزانہ نقل کر دوں گا بشرطیکہ دو پیسہ سے بتا سے تم
انجو دیا کرو۔ جب مکتب سے گیا رہ بجے دن کے فرصت ملتی تب گرامت حسین
صاحب گھر میں آتے اپنی والدہ سے دو پیسہ لیکر بتا سے منگاتے اور انہوں
مرثیہ پانچ بند لکھا کر اور انکو پڑھ کر یاد کرتے تھے اور اسکا مطلب استاد
بغیر دسے پوچھ کر سمجھ لیتے تھے۔ چند دن میں وہ مرثیہ پورا نقل ہو گیا اور
سید گرامت حسین صاحب نے اسے بہت سے بند زبانی یاد کر لیے

جب وہ مرثیہ تمام ہو گیا اور بہت سا جھنڈا او سکا سید کرامت حسین پڑا ہوا دیکھی ہو گیا تب انھوں نے ایک بار ایک سوز خوان سے شاید اخیر ۱۸۵۷ء میں فرمایش کی کہ سکا پہلا بند سوز میں پڑھ دیجیے اور بہت سی خوشامد کی سوز خوان صاحب نے جو زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے رنگ میں پڑھا۔ جب غازیان فوج خدا نام کر گئے۔

پچپن میں صحیح المذاقی | غازیان کو غازیان پڑھا تو سید کرامت حسین صاحب کھلا کر ہنستے ہنستے بوٹ گئے

اور سوز خوان صاحب بہت غصہ ہوئے مرثیہ پاتھ سے پھینک دیا کہ عجیب بے تمیز لڑکا ہے میں تو مرثیہ پڑھتا ہوں یہ ہنستا ہے سید کرامت حسین صاحب نے مرثیہ اٹھا لیا اور گھر کے اندر بھاگ گئے ہنستے جا رہے تھے جو پوچھتا تھا کیا ہے تو کہتے تھے سوز خوان نے غازیان کو غازیان پڑھا اور ہنسنے لگتے تھے۔

سید کرامت حسین صاحب | سید کرامت حسین صاحب کی اولاد

کی وفات ۱۸۵۹ء میں بہت ام | چرکھاری ہوئی جب وہ سکرات

کی حالت میں تھیں تو بعض عود تون کے کہنے سے سید کرامت حسین صاحب ان کے سر پرانے بیٹھے اور قرآن مجید کھول کر سورہ یسین پڑھا یہ اس وقت کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ والدہ جان بلب ہیں اور قرآن مجید سکرات کی سختی بچانے کو پڑھوایا جاتا ہے۔ سید کرامت حسین کی والدہ نے جب انتقال کیا تھیں کوئی اور رشتہ دار عورت نہ تھی۔ ان کے والد ماتہ محبت کا اظہار کرتے تھے اسوجہ سے کرامت حسین کو پچپن میں

والدین یا بزرگوں کی محبت کا لطف بالکل نہ ملا انکی والدہ دیر میں مراصل میں
 مبتلا تھیں اور منکوبہ مریدہ کا لاشیں ہو گیا تھا اپنے انتقال سے چند دن پہلے
 بعد زوال ایک سپرد پائی پر چھٹی تھیں دو خادمہ اس تھیں اور دو عورتیں ہمسایہ
 کی بھی تھیں کرامت حسین شہیدت ہوئے آئے اور مان کے قریب بیٹھ گئے۔
 مان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ہمسایہ کی عورتوں نے پوچھا آپ
 کیوں روتی ہیں فرمایا میرے بعد اس بچہ کی کون خبر لیگا۔ کرامت حسین نے
 اسکا اثر کچھ نہوا اور وہ نہ سمجھے کہ یہ بات انکی والدہ نے لیون فرمائی مان کے
 تصور کے ساتھ نہ انکو مان کے پیار کا تصور ہوتا تھا نہ اسکا کہ مان نے اونکو
 پالا ہے باپ کے تصور کے ساتھ محبت پدری ذہن میں نہ آتی تھی اُنکے
 بچپن میں غم و غصہ اور رعب کا خیال ضرور آجاتا تھا۔ بچپن
 میں بھی غیرت کا جوش کرامت حسین میں غالب تھا
 اسی وجہ سے وہ اپنے باپ سے نہ کھانے کی چیز بھی مانگتے تھے نہ کپڑے جب
 اور بھائیوں کی طلب پر چیزیں ملتی تھیں تب انکو بھی بھائیوں کے طفیل میں
 مل جاتی تھیں ایک بار کا ذکر ہے کہ کرامت حسین سے انکے والد مرحوم نے
 غصہ ہو کر فرمایا کہ دن بھر کھانے میں لگا رہتا ہے پڑھتا نہیں ہے کرامت حسین
 کو تاب نہ رہی اور کہا کہ آپ کے گھر میں پہنچے کیا جو ہم کھاتے ہیں یہ ہمارے
 ڈرنے اور رونے لگے۔ کرامت حسین کے اکثر چپ رہنے اور رو پیہ سپاہ
 کھانا وغیرہ کبھی نہ مانگنے لباس کے پھٹے اور میلہ رہنے سے ان کے والد مرحوم
 کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ وہ مجنون ہے اور ایسا ہی اپنے دوستوں سے کرامت
 حسین صاحب کے سامنے کھ بھی دیتے تھے۔

سبب نہ عین حجب کہ مرحوم مفتی سید انور علی صاحب جو کرامت حسین کے

معلم تھے رخصت ہو کر وطن تشریف لے گئے اور چند ماہ خود مولوی سید سراج
الدین صاحب مرحوم کو اقلیدس اور جبر و مقابلہ وغیرہ کرامت حسین کو پڑھانا
پڑا تب مجنون ہونے کا خیال نہ اٹل ہوا اور اپنے دوستوں سے فرمایا کہ میں تو
اس لڑکے کو مجنون سمجھتا تھا مگر وہ مجنون نہیں ہے۔

سید کرامت حسین نے اقلیدس عربی میں پڑھی تھی مقالہ اول کی پانچویں
شکل سید انور علی صاحب مرحوم نے زبانی لکھے سامنے بے حرفون کے
بیان کی اسکے بعد پوچھا سمجھ گئے، کرامت حسین نے کہا جی ہاں، کہا اچھا
کہ سمجھ گئے ہو تو بلا استخراج ساقین ثابت کرو کہ قاعدہ کے اوپر کے زاویہ برابر
ہوتے ہیں۔ سید کرامت حسین نے تھوڑی دیر غور کر کے ثابت کر دیا استاد
کو حیرت ہوئی۔ جوان ہو کر سید کرامت حسین کو ریاضی کی طرف وہ میل نہ رہا
جوان کے بڑے بھائی مولوی سید عنایت حسین صاحب کو تھا غالباً وجہ
یہ ہوئی کہ وہ بہت نازک طبع و ذکی آں تھے بچپن میں انپر ریاضی حاصل
کرنے میں جبر کیا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ انکی دلی رغبت زائل ہو گئی۔

جناب مولانا سید حامد حسین صاحب اعلیٰ الشہ مقامہ ۱۸۶۵ء سے قبل
چتر گڑھی تشریف لے گئے تھے انھوں نے ایک بار سید کرامت حسین
کے معلم سے کہا کہ اگر یہ سبق یاد نہ کرے تو خوب مارا کرو یہ بات سید
کرامت حسین کو ایسی وحشت ہوئی کہ کبھی سامنے جانا پسند نہ کیا یہ
وحشت اس وقت مبدل بہ عقیدت و موانست ہوئی جب حج سے واپس
آئے بعد علم سے عشق ہوا

پانچ برس سے پندرہ برس تک کے اثناء پانچ برس کی عمر سے پندرہ
برس کی عمر تک

سید کرامت حسین میں کرنی خاص ادب کسی خاص اچھی یا بُری خلقی صفت
 ان کے سوا اثر ادا حیا کے نمایان طور پر نمودار نہ تھے۔ حیوانی سفاہت خوب
 روشن تھی لیکن کو دین بہت ہی لگتا تھا کھیلنے میں کیا جدت کی بھولیوں سے
 کیا کھیل کھیلے خود مولوی بنے یا مجتہد یا واعظ یا بار شریح یا باورچی یا رکابدار
 یا درزی یا میرنچہ کش ان سب پر خوشی کا پردہ پڑا ہوا ہے لیکن مولوی
 سید رعایت حسین صاحب جو سید کرامت حسین کے چھوٹے بھائی ہیں وہ
 بہت اہل پائنتے ہیں اور ان کے کلمہ پر ایک گھرے گھاؤ کا نشان ہے۔ برہن
 و رکھاؤ کے نشان کا پتہ چلانے سے معلوم ہوا کہ سید کرامت حسین صاحب
 کے بڑے بھائی مولوی سید عنایت حسین صاحب کی گیسٹری لگی تھی اونکو
 گیسٹری کا شوق تھا اور سید کرامت حسین کو بھی گیسٹری کھیلنے میں اتنا کھٹا
 بہت عمدہ عمدہ گیسٹریاں بناتے تھے اور پتنگ بھی بناتے اور اڑاتے تھے۔
 جو چیز کھاتے تھے بہت کثرت سے کھاتے تھے ایک بار تین سیر بھر کھا گئے
 بارہ گیتھے ایک دفعہ کھا گئے پندرہ کھیرے متوسط قد کے ایک بار کھا گئے
 آدھ سیر چار آدھ سیر بھونے چنے دونوں ملا کر چٹ کر گئے اور پانی پرستے
 میں دو ٹھنڈے دوڑتے پھرے اور اسی بات پر بہت زیادہ ہنسنا یا روٹھ جانا
 اور غصہ ہو کر۔ ونا عادت میں تھا میند بھی بلا کی تھی شرارت کی طرف
 مزاج مائل نہ تھا مگر ساتھی ہوں تو فریک ہو جاتے تھے ۶۵ء سے ۱۸۷۰ء
 کے بھولیوں میں انکو اپنی بھاوج مولوی سید عنایت حسین صاحب مرحوم
 کی زوجہ سے عزیزانہ انس شروع ہوا اور رفتہ رفتہ ایسی عزت اور محبت کرنے
 لگے جیسے کوئی لائق بھائی اپنی حقیقی ہیں سے برتاؤ کرتا ہے اور عمر بھر
 ساتھ رہے۔ اب جو دینی کے پھل کو کھاتے ہیں۔

ادب اور خدمت کرتے تھے اور انکی بھانج بھی مثل اپنے بھائیوں کے
و نکو چاہتی تھیں۔

ساؤسے محبت مولانا سید کرامت حسین صاحب کو اپنے اساتذہ
میں جناب مرحوم حافظ سید انور علی صاحب سے

بھی خاص انس تھا جب سید کرامت حسین اپنے چچاؤں کے ساتھ سفر حج
میں بمبئی پہنچے اور وہاں سامان سفر جمع کرنے لگے جناب مرحوم
مفتی سید انور علی صاحب کا خط جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب کے
نام پہنچا کہ میں نے جناب مرحوم مولوی سید سراج حسین صاحب کی وصیت
کے مطابق سید عنایت حسین صاحب وغیرہ کو لکھتو پہنچا دیا اب میں اپنے
وطن جاتا ہوں مولوی صاحب مرحوم نے یہ خط سید کرامت حسین صاحب
کو دکھایا انکی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے چچا صاحب نے چچا
کے روتے ہوئے عرض کیا اب مفتی صاحب کی زیارت نصیب نہو گی وہ اپنے
شریعتی ہیں اسی محبت کی وجہ سے مفتی صاحب مرحوم کی نصیحت کا کرامت
حسین صاحب پر بڑا اثر ہوتا تھا۔ اگست ۱۹۶۵ء میں جب مولوی سید
سراج حسین صاحب مرحوم نے انتقال فرمایا تب سید کرامت حسین صاحب
نے یہ التزام کیا کہ روزانہ صبح کو قرآن شریف لیکر اپنے والد کی قبر پر جاتے
تھے اور ایک پارہ پڑھ آتے تھے پانچ سات دن تو مفتی صاحب مرحوم
نے کچھ زمین کہا اسکے بعد ایک دن فرمایا کہ میان روزانہ قبر پر جانا ہوتا ہے
میں گھر میں قرآن شریف پڑھ کر ثواب بخش دیا کرو سید کرامت حسین صاحب
نے بطیب خاطر اس ہدایت کو قبول کر لیا۔ جناب مفتی صاحب مرحوم کو
بھی ایک خاص شفقت سید کرامت حسین صاحب پر تھی ۱۹۶۵ء میں سید

کرامت حسین گوربارین تھے اور جناب مفتی صاحب مرحوم اپنے وطن بھون
سے چہر کھادی آئے اور وہاں سے سعوت سفر گوارا فرما کر گوربار کے
تین دن قیام کرنا کر واپس چلے گئے اور فرمانے لگے کہ عمر اخیر ہے اور موت
قریب ہے اس لیے جی چاہا کہ مرتے سے پہلے پھر تم کو ایک بار دیکھ لوں اور یہاں
نک آنے کا مقصود سوا تمھارے دیکھنے کے کچھ نہ تھا جناب سید انور علی صاحب
وطن واپس گئے اور تھوڑے ہی دن کے بعد خط آیا کہ انھوں نے انتقال
فرمایا۔ سید کرامت حسین صاحب نے عمر بھر جب اپنے استاد سید انور علی صاحب
مرحوم کو یاد کیا تب مفتی صاحب مرحوم کے ذکر کے ضمن میں ایک مضحکہ و قصہ
بھی یاد کیا جو پیش آیا تھا اور وہ سید کرامت حسین کو عمر بھر یاد رہا۔

ایک مضحکہ کا واقعہ | ۱۸۶۲ء تا ۱۸۶۳ء میں رمضان کا زمانہ تھا
سید کرامت حسین باوجود ممانعت کے روزہ

رکھ لیتے تھے اور عصر کے وقت اپنے بڑے بھائی سید عنایت حسین صاحب
کے ساتھ تالاب پر جاتے تھے وہاں دیر تک بر غبت نہایا کرتے تھے بہت
سی چھوٹی چھوٹی پھلیاں لوتے ہیں پھر لاتے تھے ایک دن شام کو تالاب
سے نہا کر آئے تو پھا پھلیوں سے بھرا تھا اور اوپر سے خوب صاف تھا آہن
پانی بھی تھا۔ جناب مفتی سید انور علی صاحب قبل رحمتہ اندر وضو فرما چکے تھے
تو نظر تھے کہ افطار کا وقت آئے تو روزہ کھولیں اور نماز مغرب پڑھیں جناب
مرحوم سید علی حسین صاحب جناب مولوی سید عنایت حسین صاحب
مرحوم ہنس کے خسر بھی تشریف فرما تھے کہ جناب مفتی صاحب قبلہ کے ساتھ
نماز جماعت پڑھیں گے اور وقت سید عنایت حسین صاحب سید عباس
حسین صاحب اور سید کرامت حسین صاحب بھی موجود تھے۔ افطار کا

وقت آیا اور جناب سید انور علی صاحب مرحوم نے وہی لوٹا جو سید علایت حسین صاحب چھوٹی پھیلیوں سے بھرا لائے تھے اللہم لکھ صحت و علی لذائق و فطرت الخ فرما کر اٹھایا اور ٹوٹی منہ سے لگا کر چایا کہ ایک گھونٹ پانی نوش فرمائیں پانی کے ساتھ ایک چھوٹی پھلی بھی منہ میں چلی گئی اور جناب مرحوم نے منہ مطرب ہو کر لوٹا جلدی سے زمین پر رکھ دیا اسی کے ساتھ پانی کو اس ڈب سے کہ کیا بلا منہ میں گئی اوگل دیا سید کر امت حسین صاحب نے تماشا دیکھا لگاتے ہوئے وہاں سے بھاگے اور زمانہ مکالمین منہی کے مارے پلنگ پر لیٹے لگے انکی بھاوج صاحبہ نے پوچھا کہ کیا ہوا اوستو پھلی اوگل دینے کا وجہ بیان کیا اور منہ سے لگے بھاوج صاحبہ بھی منہ میں اور مدتوں یہ حالت رہی کہ اقطار کا وقت ہوا زور سے اللہم لکھ صحت کہا اور پانی منہ سے مفتی سید انور علی صاحب مرحوم کی نقل کر کے اوگل دیا۔ اور دیر تک کھلکھاتے رہے یہ دقت سر جناب مولانا کو خوب یاد تھا اور اسکو جب کبھی بیان کرتے تھے تو ضرور تبسم فرماتے تھے۔

اگست ۱۸۶۵ء تک سید کر امت حسین صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر معلمون سے مکتب میں عربی پڑھی اور ابتدائی کتب میں فارسی پڑھتے شکر خد بھی فارسی حاصل کی چودھویں سال تفسیر صافی ہندی مقامات حریری شریز اقلیدس حسینی و جبر و مقابلہ اردو پڑھتے تھے اور قوت حافظہ سے یاد کر لیتے تھے جمعہ کے دن بعد از ان خلیفہ نوی سید سراج حسین صاحب سید کر امت حسین کو بلا کر اصول طبیعیات مناسبی انگریزی پڑھ کر اسکا ترجمہ بتلاتے تھے اور کرمت حسین کو اونکے سامنے حاضر رہنا ایک وبال جان معلوم ہوتا تھا۔

ایک دن ۱۸۶۵ء میں جب سید کرامت حسین صرف کی ایک کتاب اپنے
 استاد سے پڑھ رہے تھے جناب مرحوم سید سراج حسین صاحب تشریف
 لائے کسی طور سے لام یوم کی گردان پیش آئی اور جناب مولوی سید
 سراج حسین صاحب نے پوچھا اچھا بتاؤ قرآن شریف میں اتنی فیہ کہاں ہے
 سید کرامت حسین نے تھوڑی دیر چپ رہ کر چٹا بالغیب بے اس کے کہ انکو
 ذرہ بھر بھی یاد ہو کہ یا کہ سورہ یوسف میں ہے اور جناب مولوی سید سراج
 حسین صاحب اور استاد دونوں بہت ہی خوش ہوئے۔

سید کرامت حسین کو نمازیوں سکھائی گئی کہ ترجمۃ الصلوٰۃ
 پڑھائی گئی اور سہین کی دعائیں یاد کرائی گئیں اور جب
 یاد ہو گئیں تب ایک دن استاد نے مغرب کے وقت
 جب کہ سید سراج حسین صاحب بھی تشریف فرما تھے کہا کہ نیت کر کے نماز
 پڑھو اور استاد نگران رہے کہ ٹھیک پڑھتے ہیں یا نہیں سید کرامت حسین
 نے ٹھیک نماز پڑھی اور ان کے والد مرحوم استاد کے بہت ہی ثنا خوان ہوئے
 سید کرامت حسین نے اوائل ۱۸۶۵ء میں اپنے باپ سے انگریزی شروع
 کی تھی مگر ان کے انتقال کی وجہ سے مدتوں چھوٹی رہی۔

فروری ۱۸۶۵ء میں جناب مرحوم مولوی سید سراج حسین صاحب اپنے
 بھائی سید اعجاز حسین صاحب کی عیادت کو لکھنؤ گئے وہ مدت سے نواسہ
 میں مبتلا تھے سید کرامت حسین ساتھ تھے جناب آیۃ اللہ مولانا سید
 حامد حسین صاحب قبلہ سے سید سراج حسین صاحب نے سید کرامت حسین
 کی لا پرواہی اور بے شوقی کا ذکر کیا منہ دو سگات سے صحیفہ کاملہ کی
 ایک دعا نکال کر سامنے رکھ دی اور کہا کہ اسکو پڑھو سید کرامت حسین نے

چند سطرین صحیح پر حسین اور معنے کے سب اوٹھوان کے فرمایا کہ اسکو بہت عباد تو ہے
معلوم نہیں آپ کیون ناخوش ہیں جناب فردوسا ب سید حامد حسین صاحب
قبیلہ کے فرمانے سے مولوی سید سراج حسین صاحب نے یہ کبریا حسین کو
پچھن کے روزہ کے

اجازت دی کہ اگر وہ روزہ رکھنا چاہتا ہے
تو رکھے اس سے پہلے چرکھاری میں جو روزہ
رکھے جاتے تھے وہ ختم ہونے لگے اور وہاں سحر کو دو دھ اور شکر اور شکر
ملتی تھی کرامت حسین یہ سمجھنے لگے تھے کہ سحر کو لذیذ اور شیرین غذا ملت
جز روزہ ہے لکھنؤ میں روزہ رکھا اور سحر کو شلجم کا باسی سالن اور ٹھنڈی
روٹی آئی تو بہت حیرت ہوئی اور دو چار نوالہ سے زیادہ نہ کھا سکے مگر کسی
سے شکایت نہ کی شام کو افطار کے وقت گھر میں آئے تو نہ افطار کو میوہ
نہ شیرینی نہ بھنگی چنے کی دال وغیرہ ملی اور دیکھا تو یہ دیکھا کہ جناب مرحوم
مولوی سید اعجاز حسین صاحب کھانا نوش فرما رہے ہیں اوٹھوان نے
بڑی شفقت سے کہا بیٹا آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھا لو سید کرامت حسین
ادب سے شریک ہوئے تو وہی شلجم کا سالن ہے اور روٹی۔ یہ حیرت
کئے کھائے مگر جو اذیت شلجم کھانے سے اس وقت ہوئی وہ ہمیشہ یاد رہی
یکسا ہفتہ کے بعد ایک دن آیۃ اللہ سید حامد حسین صاحب اعلیٰ الشہ مقام
نے جناب سید سراج حسین صاحب سے کہا کہ آج شام کو سید کرامت حسین کو میرا
جلانے دیکھے فرمایا بہتر سید کرامت حسین وہاں افطار کے وقت نہ گئے
انکی چھوٹی بچی سنے بہت ہی شفقت سے شیر نال۔ بالائی۔ شیرینی وغیرہ
کھانے میں دی اور مادرانہ محبت آمیز باتیں لیں اس پر بھی افسوس کیا
کہ ماں ہنسی میں فخر ہو گئی بچہ کیا جلانے کہ ماں کی محبت کیسی ہوتی ہے

مولوی سید سراج حسین صاحب کے لکھنو تشریف لیجائی کی وجہ سے سید
کرامت حسین کی منجھلی بھوپھی صاحبہ مکر مہ بھی کنتور سے لکھنو تشریف لائی
تین انکی بیٹیاں بھی اوتھے ساتھ تھیں ایک دن جب سید کرامت حسین
باہر سے گھر میں آ رہے تھے اپنی بھوپھی کو ایک چار پائی پر بیٹھے دیکھا اور سلام
کیا بھوپھی صاحبہ نے بلا کر پاس بٹھالیا اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرنے
لیکن سید کرامت حسین کو زندگی میں یہ پہلا مرتبہ تھا جب انکو احساس
ہوا کہ مان کی الفت کا کیا لطف ہوتا ہے اور جو انش انکو اپنی بھوپھی صاحبہ
سے تھا وہ تڑپا لہر نہ گیا۔

مولانا سید سراج حسین صاحب نے
بچپن میں احساس
شکر گزاری
صاحب کے گھر میں کہیں کر گئیں ادھر ادھر پریشان پھرتے تھے اور
اپنے باپ کے خوف سے چشم پر آب تھے اس حالت میں منجھلی بھوپھی
نے دیکھا اور پوچھا کہ کیا ہے کرامت حسین نے خوف زدہ ہو کر کہا کہ کنبیان
تین ملتیں "میان" (یعنی باپ) مارینگے انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا
کہ بیٹا ڈھونڈ دے اون صاحب زادی نے تلاش کر دین اس ہمدردی
کا اثر سید کرامت حسین پر کا نقش فی اکبر ہو گیا اور انھیں صاحب زادی سے اپنی تمام
بچپنی زاد بہنوں میں سے خاص انش ہو گیا۔

لکھنو کا مشن کا
قیام لکھنو کے زمانہ میں روزہ افطار کرنے کے
بعد ایک دن سید کرامت حسین گھر میں آئے
انکی منجھلی بھی صاحبہ باورچی خانہ میں تشریف فرما
استعمال اقبال پارہ

حسین بلازلین کو کھانا باسنے کا انتظام فرما رہی تھیں فارسی خوب جانتی تھیں
 و بہت خوش تقریر تھیں زبان غدر کا ایک قصہ بیان فرماتے لگتے تو
 شہداء تقریر میں فرمایا دگاش ایسا ہوتا سید کرامت حسین نے کاشش
 کا استعمال پہلی بار بات چیت میں سنا اسکو بہت پسند کیا اور جانا کہ مسلانہ
 شریف یا محاورہ اردو میں فارسی کے سادہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔

جناب لوی سید صدق حسین صاحب سے بھی ابھی زمانہ میں ملاقات شروع
 ہوئی ثقہ طالب علموں کی سی وضع خوش بیانی سنجیدگی سید کرامت حسین
 کو اپنی بوندیل کھنڈی وحشت اور بے سلیقگی کے مقابلہ میں بہت پسند آئی

جب سید کرامت حسین صاحب ۱۸۶۵ء میں
 گناہ کبیرہ سے اپنے باپ کے ساتھ لکھنؤ میں تھے تو مولوی سید
 بچے کا علم عجاڑ حسین صاحب مرحوم کے گھر ملنے سے

کرامت حسین صاحب کی چچی نے انکو ایک رسالہ خیر الزواجر عن
 اقتراف الکبائر دیا کرامت حسین نے چچی سے اسکو اول سے آخر
 تک چند بار پڑھا اسکا یہ اثر ہوا کہ جب وہ چرکھاری واپس آئے تو اپنے
 ایک دوست سے کہا کہ اس رسالہ میں فلان فلان فعل کو گناہ کبیرہ لکھا
 ہے اور میں نے عہد کر لیا ہے کہ عمر بھر کوئی گناہ کبیرہ نہ کروں گا۔

سید کرامت حسین معصوم تو نہ تھے مگر یہ کہنا بالکل مبالغہ نہیں کہ عہد بھر
 اپنے عہد پر قائم اور استوار رہے۔

بچپن میں جب لکھنؤ سے چرکھاری واپس چلے تو کالی کے مقام
 پر خبر ملی کہ جناب مولوی سید عنایت حسین صاحب کھاری
 سے کہیں باہر چلے گئے جناب سید سراج حسین صاحب و

سخت تمیز ہوئی اوسی وقت شام کو کباروں کی ڈاک کا بندوبست
 کر کے چڑھادی روانہ ہوئے سید کرامت حسین سے کہا کہ میں جاتا ہوں
 تم منزل بمنزل چڑھادی آنا گھبراؤ گے تو نہیں کرامت حسین نے کہا کہ آپ
 شریف لے جائیں میں ہرگز نہ گھبراؤں گا ویسا ہی ہوا کہ گھبراے نہیں منزل
 بمنزل چڑھادی پہنچے گو بچپن تھا مگر دل میں جانتے تھے کہ وہی میرا قافلہ
 چڑھادی پہنچنے پر مولوی سید سراج حسین صاحب نے اپنے
 ملازموں سے جو کرامت حسین کے ساتھ کالپی سے آئے تھے پوچھا کہ راہ
 میں کرامت حسین نے کوئی شرارت تو نہیں کی یا گھبراے تو نہیں سب
 نے جواب دیا کہ نہیں۔

ایک بار سید کرامت حسین چڑھادی میں ان کے والد مرحوم نے ذکر
 کیا تھا کہ لندن میں علماء قانون کا ایک ایسا فرقہ ہے کہ تھوڑی دیر سے
 دینے کے عوض میں وہ ایک اثرائتی لے لیتے ہیں سید کرامت حسین نے
 اس قصہ کو اوسی حیرت سے سنا تھا جیسے دیو پری کے افسانہ کو سنتے ہیں
 اوس وقت پدر اور پسر دونوں کو کیا خبر تھی کہ پسر ایک دن خود اوسی فرقہ کا
 ممتاز سرد ہو گا۔ اور پانسو روپیہ اپنی ایک رائے دینے کا لگا۔

حج کی تیاری | چڑھادی آنے کے بعد سید کرامت حسین ایک
 دن اپنے باپ سے سبق پڑھ رہے تھے کہ اونے

پاس ایک خط ڈاک پر آیا اوس کو پڑھ کر سید کرامت حسین سے کہا
 لو تمہارے چچا کو کوٹھی کا روپیہ مل گیا اور حج کو جاسے ہیں ایک
 صاحب نور موجود تھے اوٹھوں سے اون کے باپ سید
 سراج حسین سے پوچھا کہ کیا کرامت حسین حج کو جائیگا اور کون

نے کہا یہ ابھی کیونکر جاسکتا ہے اگر میں مر جاؤں تو البتہ جاسیے، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ اس کے بعد ہی لانا سید سراج حسین صاحب نے اگرچہ ۱۸۶۵ء کو ہیضہ میں انتقال کیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس واقعہ کا پہلا اثر سید کرامت حسین پر یہ ہوا کہ انکو علم کا شوق شروع ہو گیا اس وقت تک سید کرامت حسین انسانی حاجتوں اور روپیہ کے استعمال سے اس درجہ نا بلند تھے کہ اپنے بڑے بھائی کے اصرار سے فقط بیس روپیہ اپنے ساتھ لیے زیادہ لینا قبول جاتا یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ جناب مولانا سید سراج حسین صاحب نے انتقال کیا تب مولوی سید عنایت حسین صاحب اور سید کرامت حسین صاحب نے تمیز و تکفین میت کی بحث پڑھتے تھے اور دونوں نے اپنے افتاد مولوی سید نور علی صاحب مرحوم کی مدد سے جامع الشرائط کفن و دفن کیا بالآخر اپنے والد ماجد کا جہلم کر کے اپنے چچا جناب سید اعجاز حسین جناب مولانا سید حامد حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کے ساتھ سید کرامت حسین صاحب حج اور زیارت عظیمات عالیات کے لئے اور ان سخیوں اور اذیتوں سے سابقہ پڑا جنکا نام بھی پہلے نہ سنا تھا حج کا سفر جب تک سفر حج شروع نہیں ہوا تھا اس وقت تک سید کرامت حسین کو بھوک کی اذیت کا احساس کبھی نہیں ہوا تھا اگرچہ ضرورت سے زیادہ کھانا ہر وقت رہتا تھا اور صراشتہا شروع ہوئی اور اسکی سیری کا سامان مہیا ہو گیا، بھولیوں میں بسے اگر کوئی کھیل کو دھچھوڑ کر گھر جانا چاہتا اور کہتا کہ بھوکا ہوں، تو کرامت حسین خیر سے پہچنتے تھے کہ بھوک کیسی ہوتی ہے سفر حج اور زیارت کے دورہ میں پندرہ ماہ بسر ہوئے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ ان پندرہ مہینوں میں بھوک کے پہچاننے کے دن غیر ہونے کے دنوں سے زیادہ ہوتے تھے۔ بادی ہذا پر

تو یہ جالری تھی کہ شب درو زمین صرف آدھ پاؤ چاول جو پانی کی کمی وجہ سے
بے دھوسے پکتے تھے کھائے جاتے تھے۔ ذکی اس اور نازک مزاج
ہونا اس سے زیادہ کھانہ کی اجازت نہ دیتا تھا گو بعد میں بھوک کمزوری کا
اثر دکھائی تھی اور بستر سے اٹھنا اگر ان ہوتا تھا جہاز کے اُس درجہ میں
جس میں اسباب بھرا جاتا ہے اور جس کو "شن" کہتے ہیں اُن کو جگہ ملی تھی
ہوا اور روشنی دونوں کی تھی وہاں جا کر سونا سندرستی کو تباہ کرتا تھا اور
اکثر لال سیکی حشرات بدن پر پھرتے تھے جن سے جانکاه اذیت ہوتی تھی
دخانی جہاز پر ایسے گرم مقام پر جگہ ملی تھی کہ تو شات جہاز کے تختوں کے
قیر سے لپٹ جاتی تھی۔

اندور سے کھنڈروہ تک اس وقت پہلی سفر کیا تھا اور نصف منزل سے
زیادہ پیادہ چلنا اور شب درو زمین صرف چار گھنٹہ سونا نصیب ہوتا تھا
سفر کی دشواریاں جس وقت گزر رہی تھیں اس وقت سید کرامت حسین
اسے بہت ہی متاثر ہوتے تھے اور اکثر تنہائی میں بستر خواب پر لیٹ کر
میں میں منٹ تک چپکے چپکے رویا کرتے تھے مگر کبھی کسی سے شکایت
نہ کرتے تھے صرف ایک بار مسقط میں جب بعض ہمراہیوں نے ایذا
کی وجہ سے جٹا مولوی سید اعجاز حسین صاحب اور مولانا سید حامد حسین صاحب
کا ساتھ چھوڑ دیا تب سید کرامت حسین نے اپنے چچا مولانا سید حامد حسین صاحب
اسی ان مقام پر چلے گئے کہ اب سختیاں نہیں تھیلی جاتیں اور مجھ کو بھی رخصت
دیدیں کہ چلا جاؤں جناب مرحوم نے نرمی اور شفقت سے دلاسا دیا اور
بعد اہو جلنے سے باز رکھا۔

اب اسے شباب میں سپے در سپے سختیوں اور عسرت کو بے موش زہر و

ہوئے کا سید کرامت حسین چنگا پر یہ اثر ہوا کہ غریب کوئی ایسی سختی پیش نہ آئی جس پر انہوں نے غلبہ حاصل نہ کیا ہوا اور ان سختیوں نے تمام اذیت عقلی اور اخلاقی کمابوں کے حاصل کرنے کی فولاد می بنیاد ڈال دی جو سید کرامت حسین نے بعد میں حاصل کیے۔

سفر حج کے اوقات فرعت میں سید کرامت حسین اپنے عم محترم سے ادب پڑھتے تھے۔ اور مباحث حج۔ حج میں جتنی دعائیں پڑھنا چاہیے وہ سب سید کرامت حسین کو اویسی طرح زبانی یاد تھیں جیسے نماز کی دعائیں۔ اور حج کے جتنے احکام تھے وہ بھی از بر تھے۔ اسی سفر میں سب سے پہلے سید کرامت حسین نے خط لکھنا شروع کیا قبل ازیں کبھی نہ لکھا تھا یہ حالت تھی کہ جناب مولوی سید سرخ حسین صاحب مرحوم اپنے بھائی کی عیادت سے فارغ ہو کر چماری تشریف لے گئے تب ان کے نام ایک خط مولوی سید اسد حسین صاحب کا آیا اور مرحوم نے وہ خط سید کرامت حسین کو دکھا کر کہا دیکھو تم کو شرم نہیں آتی کہ وہی بڑا جسکو تم نے لکھو میں دیکھا تھا کیا اچھا خط لکھتا ہے تم ایسا نہیں کر سکتے اسوقت تو سید کرامت حسین کو اک گونہ نجات ہوئی مگر تھوڑی دیر میں اثر جاتا رہا۔ جناب آیہ اللہ نے مولانا سید حامد حسین صاحب بلکہ بیٹی پونچنے سے پہلے کرامت حسین صاحب سے فرمایا کہ فلاں شخص کو فلاں مضمون کا خط فارسی میں لکھ دو سید کرامت حسین نے عرض کی کہ جسکو خط لکھنا نہیں آتا فرمایا کوشش تو کرو آئیں گے کیونکہ میں کرامت حسین صاحب نے لکھا اور املا کی غلطیوں سے پاک لکھا۔

یہ قرار داتھی کہ سید عنایت حسین صاحب کرامت حسین صاحب کو تالیف معین پور رور کے اسٹیشن پر اپنے چچاؤں کے ساتھ کر دیں گے۔ نون چچا کا بیور

سے رو رہا ہو کر اگر چلے گئے اور سید عثمانیت حسین صاحب کو خبر ہوئی تب
 کرامت حسین کا کو رو رہا میں چھوڑ کر دریافت طاس کے لیے لکھنؤ تشریف لیگے
 اتفاق سے وہاں کتابوں کا تاجر گزرا اور کرامت حسین نے اس سے انوار الی
 خریدی اور دو ہی تین دن میں اس کا بہت احسنہ خوب یاد کر لیا اس حلقہ
 سے فارسی میں خط لکھنے کی بابت جو ارشاد جناب آیت اللہ نے کیا تھا اس کی
 بجا آوری میں دقت کم ہوئی۔ سفر حج میں جتنی فرصت کا رو بار خدمت سے
 ملتی تھی اوس میں سید کرامت حسین نے اپنے چچا سے پڑھتے اور خود بھی مطالعہ
 کرتے تھے مگر فرط شوق کے پورا ہونے کو اتنا پڑھتا اور مطالعہ کرنا کافی نہ تھا
 اور تشنگی شوق افزا ہوتی جاتی تھی سفر حج سے واپس آتے ہوئے دہلی پہلو
 سے قریب مغرب گزرا ہوا مولوی سید اعجاز حسین صاحب مرحوم نے سید کرامت
 حسین کو آگے بھیج دیا کہ میرا عبد علی صاحب کا مکان دریافت کر لے اور اوسے
 کہے کہ ہماری شکر مرثیہ سے گزریگی ٹھہرنی کے نہیں اگر آپ ملنا چاہتے ہوں
 تو سردارہ مل لین کرامت حسین کا لباس اس وقت بہت میلاد اور بوسیدہ تھا
 جو تے ٹوٹے تھے لیکن بجا آوری فرماؤں میں عذر نہ کر سکے تلاش کرتے ہوئے
 میرا عبد علی صاحب کے مکان پر پہنچے دیکھا کہ دالان میں سپید فرش بچھاوی
 صدر میں صاف مستند بھی ہے مہین روشن ہیں بہت سے حضرات جمع ہیں
 کرامت حسین نے صحت انحال میں کھڑے ہو کر پیام پوچھا یا گرد آودہ پاؤں
 فرش پر لیجا ناگوارانہ ہوا وین جو تون کے پاس بیٹھ گئے کسی صاحب نے پوچھا
 تم کون ہو عرض کیا کہ نام و نسب سے کیا واسطہ جو پیام ہے وہ سن لیجیے اور
 مناسب جواب دینیجیے شکستہ حالت کے ساتھ مستند سے روئے حافظین
 کو گوئے تیر تیر ڈالائیس کی فکر ہوئی کہ یہ کون ہے اتنے میں ایک صاحب

جو سید کرامت حسینؑ کو اپنے باپ سے ہمراہ کھنڈو میں دیکھ چکے تھے تشریف لائے
اور انکو پہچان کر پوچھا "کیا کرامت حسین ہے" انھوں نے بہ ناچاڑی عرض
کیا "جی ہاں" میرے عاید علی صاحب نے اون سے پوچھا "کون کرامت حسین"
ون صاحب نے کہا "مولوی سراج حسین کا منجھڑا بیٹا" حاضرین نے کہا
"ستے نامور کافر زندا اور ایسا نالایق" سید کرامت حسینؑ نے اس بات کا اُن جھڑپ
کو کچھ جواب نہ دیا مگر اپنے دل میں اوسی وقت کہا کہ میں تو اتنا ہرگز نالایق نہیں
ہوں لباس البتہ اس وقت بہت ہی تمیلا اور بوسیدہ ہے جو میرے اختیار کیا ہری
بیر شرمیو جانے کے بعد اگر وہ میں سید کرامت حسینؑ ایک مقدمہ میں گئے اور
میرے عاید علی صاحب سے ملاقات ہوئی انکو یاد دلایا کہ یہ وہی نالایق ہے جس پر
جناب نے رحم فرما کر سترہ اعمین تاسف کیا تھا۔

اسی کے قریب قریب ایک اور واقعہ ہے کہ جب سید کرامت حسینؑ تیار گاہوں
میں ہیڈ مولوی ہونے کی امید واری میں پڑے تھے ہنوقت جناب سید سراج حسین
صاحب مرحوم کے ایک سچے دوست کے گھر میں وہاں جا کر ٹھہرے تھے
وہاں اتفاق سے ایک صاحب تشریف لائے جو مرحوم مولوی سید سراج
حسین صاحب کی انگریزی دانی اور کمالوں سے آگاہ تھے میزبان نے
عارف کرایا اور ان صاحب نے بہ تشریف لائے تھے سید کرامت حسینؑ
سے پوچھا کہ آپ انگریزی جانتے ہیں انھوں نے کہا تھوڑے دن سے شرف
کی سہیہ ادان صاحب نے کہا کہ آپ کے والد مرحوم کو تو انگریزی میں کمال تھا
خیر رہے کہ آپ نہیں جانتے تھے سید کرامت حسینؑ نے پوچھا کہ آپ کے والد
مرحوم کس عمر میں دیکھو تھا فرمایا اس وقت انکی عمر چالیس سال تھی قریب ہوگی
تو سید کرامت حسینؑ نے کہا کہ جب میری عمر چالیس سال کی ہوگی اُن وقت

آپ تشریف لائیں تو مجھ کو بھی انگریزی آتی ہوگی۔

یہ حکایتیں بہت دیتی ہیں کہ قوتِ اشترام پر سید کریمت حسین کو پورا بھر دیا تھا۔

علمائے کرام لکھو ^{لنفر حج میں طلب علم کا شوق زیادہ ہو جانے کے}
 یہ اثر ہوا کہ لکھو پونچتے ہی جناب متاثر ہو کر
 سید تقی صاحب اور جناب مولوی سید احمد علی صاحب

اور جناب مفتی میر عباس صاحب اور جناب مولانا سید حامد حسین صاحب
 اعلیٰ انداز سے پڑھنا شروع کر دیا۔ چند سبق جناب سید محمد صاحب علیہ الرحمہ
 سلطان العلماء سے بھی تیر کا پڑھے حیات و مذہب کے ضروریات کے سوا
 تمام وقت طلب علم ہی میں گزرتا تھا۔ سترہ اٹھارہ گھنٹہ روزانہ طلب علم
 میں مصروف رہتے تھے اسکے بعد بھی فرط شوق سے کسل نہ ہوتا تھا۔ یہ
 غالب آجاتی تھی نہ۔

مولانا سید حامد حسین صاحب کے حکم سے جناب مولوی سید احمد علی صاحب قبلہ
 کی خدمت میں سبق پڑھانے کی درخواست لیکر پہلے دن حانا خوب یاد دہشت
 بعد ظہر درس ہوتا تھا۔ مارکین کا انگریز کھانا پانچ بجائے زیر پائی دیہاتی صورت لکھنے
 کے علماء کے آداب سے نا بلند۔ وہاں پونچے چند مستعد طلباء علماء کابلاں
 پہنے زالوسے ادب تہ کیے تشریف فرما تھے جناب مرحوم مولوی سید احمد علی صاحب
 صدر نشین تھے شرح لمعہ کا درس ہو رہا تھا جناب درس ہو چکا تو سید کریمت حسین صاحب
 کی طرف توجہ فرما کر پوچھا آپ کون ہیں کیون آئے ہیں عرض کیا میں جناب چچا
 صاحب مولوی سید حامد حسین صاحب قبلہ نے جناب کی خدمت میں بھیجا ہے
 کہ اپنے سبق پڑھنے کی درخواست کر رہا ہوں فرمایا جداگانہ سبق پڑھانے کی ضرورت
 نہیں ہے اسی درس میں شریک ہونا چاہیے ہو تو ہو جاؤ سید کریمت حسین صاحب

سنے؟ یوں کیا ایک طالب علم نے بتا دیا کہ فلان مقام سے سبق پڑھا ایک
ہی زمانہ میں سید کرامت حسین صاحب کافیمبلی پڑھتے تھے اور شریں بلوچ بھی پڑھتے
اور اس بات سے گو نہ حیرت تھی۔

اور سیات سے فارغ ہو کر کرامت حسین صاحب ادب اور حدیث اور تفسیر اور
عائنی و بیان اور اصول فقہ اور استدلالی فقہ میں در آئے اور معلقات اور
بہت سے چیدہ اشعار و دیوان حماسہ کے اور معتد بہ حصہ نبج البلاغہ کا زبانی
ایا دیا تھا۔ نبج البلاغہ اور انکو اس درجہ پسند تھی کہ بعد قرآن کے تمام موجودہ
اعربی کتابوں پر او کی عبارت کو ترجیح دیتے تھے اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا
چرچا کرتے ہیں اور انکو ایسا مزہ آتا کہ نہ بہت سے دلکش مرفون کی طرف
ستے بے نیاز ہو جاتے تھے۔ نبج البلاغہ کو شروح کی ہر دہے استاد کے سامنے
بالاستیاب پڑھ چکے اور زبانی یاد کرنے کے بعد بھی اپنے استاد مولانا
سید حامد حسین صاحب مرحوم کے سامنے وہ اکثر اوشکے بعض مقامات بلند
آواز سے پڑھتے تھے اور استاد و شاگرد دونوں بوجہ کی حالت طاری ہوتی تھی
دنیا کی مذمت میں ایک عبارت نبج البلاغہ میں ہے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ
شاگرد نے وہ عبارت استاد کے سامنے آواز بلند پڑھی جب فقرہ "ما فحی فیثا"
پر پہنچے تو اونکی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور چند بار اس فقرہ کو
پڑھا استاد پر بھی ایک حالت خاص طاری ہو گئی یہ واقعہ غالباً سب سے پہلے
میں پیش آیا تھا مگر اسکا ایسا قومی اثر کرامت حسین صاحب پر ہو گیا تھا کہ آخر وقت تک
ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کل کی بات ہے آخر میں مولوی کرامت حسین صاحب کو علم
ادب نے اپنی طرف بالکل کھینچ لیا اور عمر بھر کی نشر لکھنے میں انھوں نے
وہ مرتبہ نہم پہنچایا کہ مولانا سید حامد حسین صاحب فردوس ساجیان کے استاد

نے اونکی بابت لکھا کہ "ہندوستان میں مثل اوستے عربی کوئی کم لکھ سکتا ہے
 سید کرامت حسین صاحب کے زمانہ تحصیل علم میں طلبہ عموماً کتب درسی نظامی
 پڑھتے تھے اور ان کے بعد شیعہ فقہ پڑھ لیتے تھے ادب حدیث اصول فقہ
 کا چرچا کم تھا اور ادب پڑھنا فضول ساگنا جاتا تھا کرامت حسین صاحب پر بھی اس
 مروجہ خیال کا اثر تھا اور انکو ادب کی جانب سے بے التفاتی تھی ایک
 دن کرامت حسین صاحب کتاب مرحوم مولوی سید احمد علی صاحب محمد آبادی سے
 شرح لمعہ کا سبق پڑھ کر گھر آئے دیکھا کہ ایک صاحب مولانا سید حامد حسین
 صاحب قبلہ سے دیوان حماسہ پڑھ رہے ہیں جناب مرحوم نے کرامت حسین صاحب
 سے کہا کہ تم بھی درس دیوان حماسہ میں شریک ہو جایا کرو کرامت حسین صاحب
 نے (جن پر مروجہ خیال کا اثر تھا) جواب دیا صرف و نحو مجھ کو آتی ہے قاموس
 میں تمام لغات کے معنی نکل سکتے ہیں ادب کی کتاب پڑھنے سے کیا حاصل
 جناب مرحوم نے دیوان حماسہ سامنے رکھ دیا اور کہا لو یہ شعر
 اھفی بقری سحبل چلن اجلبت علیسا الوکایا والعد والمباہل
 اور یہ قاموس ہے لغت دیکھ کر معنی کہہ دو کرامت حسین صاحب نے دیر تک ہر لفظ
 کے معنی تلاش کیے مگر شعر کے معنی نہ بتا سکے اور شرم کے اپنے عجز کا اقرار کیا
 دوسرے ہی دن سے دیوان متبقی وغیرہ کو شروع کر دیا اور علم ادب کے شوق
 نے تمام عمر پیچھا نہ چھوڑا مثال و اشعار عرب و احادیث کو سمجھنا تو خیر کسی
 چیز سے نہ کرامت حسین صاحب نے علم اللسان میں فقہ اللسان لکھی۔ جو عربی کی
 (علم اللسان) میں مینوٹ کتاب ہے علم اللسان پر اس کتاب
 سے لکھنے کے اسباب کا ذکر آئندہ ہوگا۔

شادی ۱۹۰۷ء
 سفر حج سے مراجعت کے ٹھوڑے ہی دنوں کے بعد
 سید کریمت حسین کی شادی جناب سلطان علی
 ذکر اولاد
 سید محمد صاحب کی پوتی اور جناب سید افریح صاحب
 کی بیٹی سے ہوئی جنکے بطن سے ایک دختر پیدا ہوئی مان و بیٹی دونوں
 نے سید کریمت حسین کی زندگی میں وفات پائی دوبارہ سید کریمت حسین
 سے نکاح نہ کیا حالانکہ بعض اوقات بعض دوستوں نے بہت اصرار کیا
 سید کریمت حسین نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ یہ ایسا تعلق ہے جو انسان کو
 بحر خاص الموتوں کے ایک باز سے زیادہ نہ کرنا چاہیے کریمت حسین کو علم کا ایسا
 شوق بر گیا تھا کہ جس شب انکی برات چلنے والی تھی اس شب کو بھی قبل
 سکے کہ وہ پانکی پر سوار ہوں شرح لمحہ کا مطالعہ کرتے رہے اور ادب کے
 سے قدر تو انکو ایسا عشق ہو گیا تھا کہ اکثر بجز ضروریات زیست و اداسے فراغ
 کے باقی تمام وقت اسی میں گذرتا تھا اور پڑھانے میں وقت بہ وقت کا ذرا
 خیال نہ ہوتا تھا کوئی نہ کوئی ادب کی کتاب ہر وقت مطالعہ میں رہتی تھی راہ
 میں بھی ہاتھ یا بغل میں اکثر کوئی کتاب رہتی تھی کھانا کھانے میں ہمہراہ لاش
 دیکھتے جاتے تھے اسی زمانہ شفقت میں ایک سال عید الفطر آئی جناب
 ادبی بحث
 امت ز العلماء سید تقی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے
 پیچھے نماز عید پڑھنے کو تحسین کی مسجد گئے جناب سید
 میر تقی علیہ الرحمہ کی دُور غرہ ہاتھ میں تھی مسجد میں نماز
 میں فوقیت
 بر بھی جناب ممتاز العلماء سے مصافحہ کیا اور چونکہ شاگردی کا انتساب خاص
 تھا اسلئے انکی دولت سراپر حاضر ہوئے درس کے کمرہ میں جا کر بیٹھ گئے ہر وقت
 تک کوئی اور صاحب وہاں نہ آئے تھے ٹھوڑی دیر بعد صبح اور عصر جمع ہونا

شروع ہوتا ہے حاضرین میں ایک صاحبِ ہوا اپنے کو فضلِ اسے حضرت محمدؐ سے
 جانتے تھے اور خلیفہ اور لوگ بھی فاضلِ ہند بناتے تھے موجود تھے سید
 کرامت حسینؑ کی طرف مخاطب ہو کر فرما سنا تھا میں رسدِ پاتھ بن کوئی کن ہے
 اونھوں نے جواب دیا کہ اگر عارضے فاضلِ جید نے دریافت فرمایا کہ اسکو
 سمجھ سکتے ہو دبی زبان سے عرض کی جی ہاں تبت کی کوشش کرتا ہوں
 جید نے فرمایا کہ اس میں ایک شعر ہے اتنی شربت و کنت غیر شرب و کنت
 کیا معنی ہیں سید کرامت حسین صاحبِ شہزادہ اور عرض کیا اتنی شربت و
 کنت غیر شرب و کنت شربت نہیں ہے اور معنی یہ ہیں کہ شاعر نے اپنے
 معشوق کو خواب میں دیکھا پھر اس سے خطاب کرتا ہے کہ تورات کو کہنا
 آئی حالانکہ شبِ روی تیری غوغائی فاضلِ دعا حبیر ہم ہوسے اور آج
 کہ شربتِ صحیح ہے شربتِ غلط ہے اور جناب مفتی میر عباس صاحبِ قندہار
 بھی شربتِ پڑھا ہے اور معنی یہ ہیں کہ تینے خوب شراب پی رہے حالانکہ زیاد
 شراب خوردی کی خونہ تھی۔ شربت کی غلط ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے
 کہ خواب میں جو نظر آتا ہے وہ غیر ذی روح ہوتا ہے اور غیر ذی روح
 کی طرف خطاب نہیں ہو سکتا کرامت حسین صاحب نے عرض کیا کہ سب متعلق شہزاد
 اتنی شربت و کنت غیر شرب و کنت و تقرب الاحسان غیر قریب
 ما تمنی یقظی فنتہ تعلیہ سے التوم غیر مسموم و محسوب
 اگر کان پر غور کیا جاوے تو کوئی شبہ نہیں رہتا کہ شربت ہے شربت
 نہیں ہے اور غیر ذی روح کی طرف کلام عرب میں خطاب مستعمل
 ہوتا ہے جاسے کہ وہ اشعار جناب عالی کی نظر سے گزرے ہونگے جن میں
 شاعر نے خواب کے قصہ کو بیان کرتا ہے۔

سید صاحب نے جیسے شربت میں تعلی کی جیسی جیبات مفتی صاحب علی
 مقامہ نو شربت نہیں شرب ایک گرسلا۔

هوای مع الکریم الیمافین مصعد	بجندیت و جہانی بہ مسکتہ مؤقی
عجبت لیسر اھا وانی قحاصت	الی و باب التبحر ذہنی مفاہق
المت فحیت ثم قامت توذعت	فلما تولت کادہ النفس ترہق

اس میں بھی تو محبوبہ کی طرف سے بات چیت ہے آئندہ اشعار میں اسی سے خطاب بھی ہے۔ جناب عالی نے تو جمعہ گذشتہ کو دعلے و دواع رمضان ضرو پڑھی ہوگی وہ بھی تو غیر ذی روح ہے اور مبصوم نے اس کی طرف خطاب فرمایا ہے۔ رہا یہ کہ مفتی میر عباس صاحب قبلہ نے بھی شربت فرمایا ہے اس کی بابت یہ عرض ہے کہ انکی رائے اور فصاحت معنی میں ذاتی لزوم نہیں ہے۔ فاضل جنید کو غیظ بھی آیا اور خجل بھی ہو گئے مگر تقریر آگے نہ چلی۔ سید کرامت حسین صاحب نے علم آئیے بعد تمام فقہ جناب آیتہ القدر مولانا سعید رام حسین صاحب کی خدمت میں عرض کیا فردوس کتاب نے فرمایا کہ پیری رائے درست ہے تھوڑی دور آگے چل کر جناب نید مرتضیٰ علیہ الرحمہ کے کلام سے خود عیان ہوتا ہے کہ شربت ہے شربت نہیں ہے۔

طالب علم کے زمانہ میں سید کرامت حسین صاحب کی استعداد اس طور سے بڑھتی تھی جیسے بارش میں دریا و منڈ تباہ ہے ماہ جنوری میں جتنی استعداد ہو فردوس میں اپنے ہم سبقوں کی بہ نسبت بہت زیادہ سمجھنے کی قوت پیدا کر لیتے تھے جناب آیتہ القدر سے سید کرامت حسین صاحب لالی فقہ پڑھتے تھے ایک صاحب ان کے ہم سبق تھے وہ بضرورت اپنے وطن کو تشریف لے گئے اور چند سات مہینے کے بعد واپس آئے اس وقت سید کرامت حسین صاحب لالی فقہ چھوڑ چکے تھے اور بیچ ابلاغہ کے پڑھنے میں بہت زیادہ مصروف تھے ہم سبق صاحب نے جناب آیتہ القدر سے استدلالی فقہ پڑھنے کی خواہش کی تاکہ

ارشاد کیا کہ مجھ کو اشغال تصنیف سے فرصت نہیں ہے تمہارا جی چاہے تو سید
 کرامت حسین سے پڑھ لیا کرو پاس ادب سے قبول تو کر لیا مگر وہیں سہتے
 کہ بھلا کیا پڑھا کر سیکھ لے لاؤ امتحان کمر کے جناب آیۃ اللہ سے کہہ دیں کہ وہ نہیں
 پڑھا سکتے مستند شیعہ کو پڑھنا شروع کیا اور کرامت حسین صاحب آسانی پڑھانے
 لگے چند سے ہم سبق صاحب کو یہ گمان رہا کہ کرامت حسین سبق کا مطالعہ
 کر لیتے اور دشواریاں اپنے چچا سے حل کر رکھتے اسوجہ سے پڑھا دیتے
 ہیں۔ بعد میں ایسے مواقع پیش آئے جنہیں ہم سبق صاحب کو وثاق یقین تھا کہ
 جو سبق وہ پڑھ رہے ہیں نہ اوسکا کبھی مطالعہ کرامت حسین صاحب نے کیا ہے
 اور نہ اوسکے مشکلات اپنے چچا سے حل کر لیے ہیں اور پھر بھی وہ بسہولت
 اس سبق کی دشواریاں متعلم کے اطمینان کے قابل بتا رہے ہیں تب انکو اعتبار
 ہوا کہ جناب آیۃ اللہ نے جو کرامت حسین صاحب سے پڑھنے کو کہا تھا صحیح تھا۔ اختیار
 آجیلنے کے بعد اونھوں نے خود اعتراف کیا کہ مجھ کو پھر دسانہ تھا کہ کرامت حسین صاحب
 پڑھا سکیں گے لیکن اب یقین ہو گیا کہ اونہیں پڑھانے کی پوری استعداد ہے
 چرکھاری میں مولوی سید سراج حسین صاحب مرحوم نے صرف دیکھا پڑھانے
 کے لیے سید کرامت حسین صاحب کو سطر ایک لکھنا مقرر کیا اور نہر بہت سختی کرتے
 تھے گوشمالی و طمانچہ وغیرہ جسمانی سزا اکثر دیتے تھے معلم صاحب اس زمانہ
 میں لکھنؤ تشریف لائے جب کرامت حسین کا شغف نہج البلاغہ کے ساتھ
 جوش پر تھا اور جناب آیۃ اللہ سے عرض کیا کہ کرامت حسین کو حکم دیجئے کہ وہ
 مجھ کو نہج البلاغہ پڑھا دیا کرے جناب آیۃ اللہ نے حکم دیا اور تھمیل ارشاد فرما کر
 نے اپنے گذشتہ استاد کو چند خطبے نہج البلاغہ کے پڑھائے۔
 جناب بیٹے کر تیار لکھنؤ تہجد امون گئے تب چند سے کرامت حسین صاحب کا یہ

شغل، پاکر آٹھ بجے دن کو کھانا کھا کر خیراتی مزدور کی مسجد میں جیسے اور
وہاں عصر تک سولہ صفحے نبج البلاغہ کے زبانی یاد کر۔ پھر گھر چلائے۔

جناب مولوی سید احمد علی صاحب قبلہ سے شہرت تلمذ تو کرامت حسین صاحب کا حال
ہی تھا مسائل فقہیہ پر جب گفتگو ہوتی تو وہ یہ خیال فرماتے کہ جو

کچھ یہ کہہ رہا ہے وہ اپنے چچا سے سن آیا ہے اپنی ذاتی استعداد و قوت سے
نہیں کتا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ جناب آیۃ اللہ تبدیل آب و ہوا کے لیے

یگرانوں واقع پنجاب میں جناب مرحوم مولوی سید شریف حسین صاحب کے یہاں
پہنچے تشریف لے گئے اوس زمانہ میں نجاست طعام اہل لکھا

کرامت حسین صاحب نے اس مسئلہ پر استدلالی رسالہ لکھا جناب مولوی سید احمد علی
صاحب مرحوم نے اسکو بہ توجہ عرف بہ عرف سنا بہت تعریف کی فرمایا چاہو

تو میں تمکو اجازہ اجتہاد لکھ دوں سید کرامت حسین صاحب عرض کیا کہ ”جناب
زحمت نہ فرمائیں مجکو انکی ہوش نہیں ۱۱۔

لاڈو خانم کے امام بارگاہ لکھنؤ میں چٹائی پر بیٹھے ہونے ایک بار کرامت حسین صاحب کی کسی
شاگرد کو ادب کی کوئی کتاب پڑھا رہے تھے اثنائے سبق میں جناب مفتی میر

عباس صاحب قبلہ کی عربی نثر کا ذکر آگیا جناب آیۃ اللہ نے فرمایا کہ وہ بڑے
کامل ہیں ہر عربی لفظ کے معنی بتانے میں شعر پڑھ دیتے ہیں یا آیت یا حدیث

یا مثل۔ پانچ ہی سات دن کے بعد محرم کا زمانہ آیا اور مولانا کرامت حسین صاحب
کنوڑ چلے گئے وہاں جاکر انھوں نے روزانہ سورہی شعرذیانی یاد کرنا شروع

کر دیے قرآن قریب کے تھا ہی بہت سنی حدیثیں اور امثال بھی ازبر تھے
نبج البلاغہ کا معتد بہ حقتہ بھی یاد تھا کنوڑ سے بیس یا بیس دن کے بعد لکھ

لکھ یہ مسجد کٹرہ ابوتراب خان عقیب مکان خان بہادر خلیفہ حسن خان صاحب واقع ہے اور جناب مفتی میر عباس
صاحب علی اللہ نقارہ اسی مسجد میں ماہ صیام میں وکھڑ فرماتے تھے۔

اور جناب آیۃ اللہ کے حضور میں شاکر و ذون کو ادب کی کتابیں پڑھانا شروع
 کیں ہر مشکل لفظ کے معنی بتانے میں آیۃ یا حدیث یا بیخ البلاغہ کا کوئی فقرہ یا
 مثل یا شعر پڑھنا شعار کر لیا۔ ایک طبیب جناب آیۃ اللہ فردوس آباد کے
 دل سے مقصد تھے ذہن حافظہ جلیسا چاہیے عطا نہ ہوا تھا شوق بہت تھا کسی
 زمانہ میں جناب مرحوم کے ہم سبق رہے تھے بعد میں سید کرامت حسین صاحب کے
 ہم سبق کافیہ میں ہوئے پھر میبذی میں بھی۔ بضرورت وطن تشریف لے گئے
 ایسے دن اور وقت واپس آئے کہ صدر ختم ہو گیا تھا اور جناب آیۃ اللہ سید
 کرامت حسین صاحب فرما رہے تھے کہ چند سبق شرح چینی کے بھی پڑھ لو تمکو
 اوسکا رنگ مٹلوم ہو جائے گا باقی چاہنا تو خود مطالعہ سے تمام کر لینا جناب
 طبیب صاحب نے فرمایا مولوی جی میں بھی پڑھو تگا۔ جناب آیۃ اللہ نے
 بے ساختہ فرمایا۔ تو کار زمین رانکو ساختی + کہ برآسمان نیز پر دختی
 یہ فرما کر بیٹے لگے جناب طبیب صاحب مسکرائے بھی اور خجل بھی ہوئے
 مگر خاموش ہو گئے دوسرے دن بعد زوال سبق کا وقت آیا سید تصدق
 حسین صاحب اور سید کرامت حسین اپنی اپنی کتابیں لیکر درس گاہ میں
 حاضر ہوئے جناب طبیب صاحب بھی آگئے سید کرامت حسین کی شامت
 جو آئی تو اونھوں نے عربی میں سید تصدق حسین صاحب سے۔ تو کار زمین
 رانکو ساختی، کا قصہ بیان کرنا شروع کیا طبیب صاحب یہ سکوت سنتے ہی
 جناب جناب آیۃ اللہ تشریف لائے تو طبیب صاحب نے آزدہ ہو کر شکایت
 اذنی مولوی جی یہ ذرا سا چھو کر عربی میں میری خدمت دوسروں سے
 ہے اور نہایت بے ادب ہے جناب آیۃ اللہ نے سید کرامت حسین کو
 رشتہ کی اور نہ دھڑلے سے عاجزی سے عفو تصور چاہا۔ تب جناب

شہید صاحب کا غمگینہ فرو ہوا۔ ایک دن مولوی سید تصدق حسین صاحب
 سید کرامت حسین صاحب اور چند دیگر طلاب حاضرین تفسیر مجمع البیان میں آیہ شریفہ
 ان اللہ قفا فوقھا کی معنی اور تفسیر بیان فرما رہے ہیں کہ حاضرین میں سے ایک
 طالب علم نے عرض کیا کہ قفا فوقھا سے مراد ہے اوس سے بڑا جیسے ہاتھی سے
 کہنا تھا کہ تمام طلاب نے بے اختیار زور سے قہقہہ لگایا اور جناب آیہ اللہ
 بھی ہنسنے لگے طالب علم صاحب جو مغلوب الغضب تھے اور رونے لڑنے
 کو آمادہ ہو گئے مولوی سید تصدق حسین صاحب کی پرمزاح تقریر نے غمگینہ
 کو منسوخ کر دیا فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا سید کرامت حسین صاحب باادب
 کی تکمیل کرتے تھے یا اپنے استاد مولانا سید حامد حسین صاحب اعلیٰ شہداء کو انکی
 تسانیف میں مدد دیتے تھے یا نہایت الصرا اور اپنے استاد کے حکم سے
 خواص طلباء کو پڑھاتے تھے سید کرامت حسین صاحب نے تفسیر مجمع البیان
 نبج البدائع۔ معانی۔ خمسہ۔ متنبی۔ شمس بازغہ۔ صدر۔ شرح چغمنی۔
 مفتاح سکاکی۔ قوانین الاصول۔ مستند الشیخہ وغیرہ کو پڑھایا تھا پڑھانے
 سے جو پڑھاتے اس پر حیرت ہو جاتی۔ یہ خود بخود نہایت سمجھانے کے آسان
 پڑھانے کا طریقہ تھا | سید کرامت حسین کے انتقال سے چند سال پہلے میں انکو
 قانون اور عربی پڑھانے دیکھا ہے بہت ہی
 خوب پڑھاتے تھے بیان نہایت صاف اور سلجھا ہوا ہر بات طالب علم کے
 ذہن نشین ہو جاتی تھی اگر طالب علم کوئی اعتراض کرتا تو غمگینہ کجا تیوری برتنا
 کیسا آواز بھی مطلق نہ بدلتی تھی شفقت و نرمی سے جواب دیتے بغیر گھاس
 ہونے بغیر اقرار کیے ہوتے کہ میں سمجھ گیا طالب علم کو نہ چھوڑتے تھے سلسلہ وہ کہ

سبحان اللہ عبارت سہل بڑے بڑے لفظوں سے میرا منطبق وہ کہ ہر اس
 نہ بے موزنا کی تقریر میری۔ اسے میں تحریر سے بھی زیادہ صاف اور سہل
 ہوتی تھی گفتگو میں اکثر متشددین بیان فرماتے تھے۔

خود مولانا سید حامد حسین صاحب اعلیٰ القادری نے انکی نسبت ۱۸ رمضان ۱۲۹۲ھ
 کو سند میں لکھا ہے "میں باطنیان لکھتا ہوں کہ وہ بہتر اور اشخاص سے کتبہ
 درسیہ متعارفہ کا درس دے سکتے ہیں اور عبارت عربی اور فارسی خوب لکھ سکتے
 ہیں خصوصاً اونکی سی عربی عبارت کوئی کم لکھ سکتا ہے۔"

نواب عواد الملک	نواب عواد الملک سید حسین صاحب بلگرامی
کی اس کے دریاں	نے سند مرقوم ۲۳ مارچ ۱۲۹۲ھ میں
عربی دانی	بدین خلاصہ تحریر فرمایا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے
	سید کرامت حسین صاحب اس خاندان میں ہے
	جو علوم میں ہمیشہ سابق رہا ہے اسکا مبلغ

علم عربی بہت اونچے درجہ کا ہے علوم و زبان عربی میں اونسنے وہ ملکہ
 پیدا کیا ہے جو ہندی مسلمانوں اور مولویوں میں اکثر نہیں پایا جاتا۔
 اونکا فارسی علم بھی ایسا ہی وسیع ہے یہ نہایت افسوسناک بات ہے
 کہ سید کرامت حسین کھوڑی انگریزی نہیں جانتا سید کرامت حسین کے
 سیرت کی بابت میں بخوبی کم لکھ سکتا ہوں کہ اب تک جتنے نوجوان مسلمان میری
 نظر سے گزرے ہیں ان سب میں وہ سب سے بہتر قابل مثال نوجوان ہے

طلب علم میں سختیان	علوم کی تحصیل و تکمیل میں سید کرامت حسین
اور کل مصائب	نے بہت سی سختیان اٹھائیں مہینوں
	سوائے دال روٹی کے اور کچھ کھانا نہ ملتا تھا

سال بھر سے زیادہ ایک صندوق پر سوے سپر پائون نہ پھیلے تھے پڑھتے پڑھتے جب نیند غالب ہوتی تھی تب اوسی صندوق میں کتب پائون کو بست کر کے اوسپر سو رہتے تھے اور کڑوٹ کی ضرورت ہوتی تھی تو بیٹھ جاتے تھے اور دوسری کڑوٹ سوتے تھے۔

طلب علم کے زمانہ میں جناب آیت اللہ سید کرامت حسین کا اور انکی عیال کا انکسفر فرماتے تھے زمینداری کنتور وغیرہ کا انتظام بھی اوتھیں کے سپرد کر دیا تھا سید کرامت حسین کو تو تجربہ نہ تھا خود غرضوں نے مشورہ دیا کہ تان زمینداری کا مقدمہ فلان شخص پر دائر کرنا چاہیے کامیابی ہوگی اور بہت فائدہ ہوگا سید کرامت حسین نے اپنے چاہے اجازت لیکر نالش کر دی اور راستی سے جتنی سعی کرنا چاہی کی لیکن جو تدبیریں اس زمانہ میں مقدمہ جیتنے میں اکثر ناکریر ہوتی ہیں انکو خلافت دیانت جانکر نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۰۰ روپیہ ضائع ہوا تمام محنت رائگان ہوئی اور سید کرامت حسین کو اپنے خداداد فیصلہ آخر شکر بہت صدمہ ہوا جب انھوں نے تو بہت دل افسردہ تھے جناب آیت اللہ کو انکے ملال اور قلق کی خبر ہوئی کرامت حسین صاحب کو طلب نہیں فرمایا بلکہ جان وہ تھے وہیں حضرت آیت اللہ دیوان حافظ لیکر تشریف لائے کرامت حسین کا تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ فرمایا بیٹھو میں نے سنا ہے کہ تم کو مقدمہ ہار جائے گا ملال ہے اسے میان مقدمہ کیا اور اسکا ہارنا کیا ہرگز ملال نہ ہو خوب خوش ہو اور ذوق شوق سے دیوان حافظ پڑھو وہ کہتا ہے ہنگام تنگ دستی دریں کوں مستی کین کمیائے ہستی قارون کند گرداں جناب فردوس آباد مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ کے ہند کے اثر سے ملال تو جاتا رہا لیکن دیوان حافظ کا شوق دامن گیر ہو گیا اور تمام عمر سندھ

اوسکے بعد جب کبھی بخدا اسباب فراہم ہوتے تھے تو قرآن کریم یا بیخ البلاغہ یا دیوان
 حافظ سے مدد لیتے تھے یہاں تک کہ ۱۳۹۱ھ میں شیخ مازدان صلح کوئٹہ بلوچستان
 میں بھی دیوان حافظ ساتھ تھا جب سید کرامت حسین صاحب بخاری کو جاتے تھے
 اور کام سے تھک جاتے تھے تب حافظ کی غزلوں سے آرام پاتے تھے انکو
 حافظ کا معتد بہ قصہ بانی یاد تھا سید کرامت حسین صاحب فال کے بالکل معتقد تھے
 تھے سین دیوان حافظ لسان القیوب مشہور ہے اور تفننا وہ بھی کہتی تھیں
 فال دیکھتے تھے چچی ہاے کورٹ کے موقع پر سب سے پہلے فال دیکھی تو یہ
 غزل نکلی سے روز ہجران و شب فرقت یا آخر شد دم این فال گذشت
 آخر و کار آخر شد فال نکلنے کے وقت تو سید کرامت حسین صاحب نے اسکو
 محض اتفاق جانا مگر جمع ہونے کے بعد اپنے بعض اجباب سے اس فال کا
 ذکر کیا اور انکی عقیدت کو بڑھا دیا۔ ایک بار عید الفطر آئی کرامت حسین صاحب نے
 اس صاف لباس تھا ایک پانی پدارتھی کرامت حسین صاحب نے اپنے ہاتھ سے اوسکا پا جامہ بہت ار
 سیا اور عید کے دن اوسکو بعد غسل پہنکر تازہ تیار کر کے شریک ہوئے اس
 فقر و تنگدستی کے بعد بھی اوسکے دل بہت دنیا اور لذات دنیا کی پیہر حقیقت
 نہ تھی کبھی اوسکے دل میں اوسکی نمنا نہ ہوئی تھی اپنے چچا علامہ سید حامد صاحب
 اعلیٰ اللہ مقامہ کی طرز میں کوئٹہ بنانا اور اوسی طور سے غلبہ کرنا چاہتے تھے
 دنیا و مافیہا سے لگاؤ ہی نہ تھا رات دن اسے علم کے کوئی پر چاہی نہ تھا
 کہ سب معاش کی فکر اوسکے نزدیک حشر گزار تھی خدا کے مشکف ہوتا
 ہوتے کا پیرا الیغیر تھا۔ سید کرامت حسین صاحب نے اپنے باپ کے ترکہ میں سے
 تین ہزار روپیہ لیا تھا۔ ایک شخص نے اُنکو دھوکہ دیا کہ اگر تم یہ سب روپیہ
 بیوہ پر دو تو میں تمہارے کروں اور تمکو ہمیشہ تیس روپیہ موار دینا کر دے

سید کرامت حسین صاحب نے سب روپیہ اوسکو دیدیا اور یہ یقین کر لیا کہ وہ ہمیشہ
 تیس روپیہ ماہوار دیگا جو اونکی بسر اوقات کو کافی ہوگا۔ اور وہ طلب دنیا
 سے آزاد ہو کر علم دین میں زندگی بسر کر دیں گے۔ جناب مولانا سید حامد حسین
 صاحب قبلہ اور باقی عزیزوں اور دوستوں نے بہت کہا کہ تم نے دھوکا کھایا
 ہے روپیہ پھر لو ورنہ پھپھتاؤ گے کرامت حسین صاحب نے یہی جواب دیا کہ میں تو
 دے چکا اب اپنے اقرار سے منحرف نہ ہونگا چاہے جو ہو آخر کار وہی ہوا جو
 اقارب و احباب کہتے تھے تھوڑے دن میں وہ روپیہ اس شخص نے خورد
 برد کیا اور کرامت حسین صاحب سخت تنگ دستی میں گرفتار ہو گئے لوگ یہ گمان
 کرنے لگے کہ کرامت حسین صاحب اوسکے صدمہ سے ہلاک ہو جائینگے لیکن اونکا
 گمان صحیح نہواروپیہ تلف ہو جانے سے عسرت کی یہ حالت پہونچی کہ رمضان
 مبارک میں بھی صرف کو دون کی روٹی کبھی کبھی اوبسکے ساتھ شلم کے پتوں
 کی بھوجیا ملتی تھی اوس حالت میں بھی ایک مہمان مردانے مکان میں تھا اور
 خود کرامت حسین صاحب اوسکے واسطے لاتے تھے نواب عماد الملک سید حسین
 بلگرامی کرامت حسین صاحب پر بہت مہربان تھے اونھوں نے ایک دن کرامت
 حسین صاحب سے کہا کہ کاکوری میں ایک مدرسہ ہے، ماہانہ کی خالی ہے اگر تم
 چاہو تو میں تمکو مقرر کرادوں سید کرامت حسین صاحب نے اپنے عم محترم علامہ مولانا
 سید حامد حسین صاحب اعلیٰ الشہ مقامہ سے پوچھنے
 کے بعد انکار کر دیا یہ بات بھی یہاں ذکر کے قابل
 ملازم سے انکار کہ جب سید کرامت حسین ہائی کورٹ کے جج
 ہوئے اور انکو پتہ لگا کہ نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی نے جو
 اوسوقت انڈیا کونسل میں تھے اونکے لیے سخی فرمائی تھی تو کرامت حسین صاحب

نے ٹھکریہ لکھا اور خط میں عرض کیا کہ اپنے اونسی شاگرد کو جس نے آپ کے فرمان سے
سے سے انکی ٹھکری نہ کی تھی ہائیکورٹ کی بھی دلا دی،
مولوی سید عنایت حسین صاحب مرحوم نے چرکھارہی سے لکھا کہ یہاں سسر دست
نظامت خالی ہے سو روپیہ ماہانہ تنخواہ ہے چلے آؤ تو میں تمکو نوکر رکھا دوں
سید کرامت حسین صاحب نے کئے اور جواب دیا کہ اگر میں نوکر می کرنے آؤں تو تمہیں علم
اور تہذیب نفس کیسے ہو۔

ادب کے ساتھ شوق تو ہو ہی چکا تھا منتخب انشا را بن قدامہ کا ایک نسخہ
سید کرامت حسین صاحب کے ایک استاد کے پاس آیا اور انھوں نے بہت چاہا کہ
دیکھنے اور حفظ کرنے کو لے لے مگر استادوں میں اس وقت کتابوں کا نہ دینا پڑھا
گنا جاتا تھا اس لیے استاد نے نہ دیا اور اپنے لیے ایک نقل کران بعد نفستل
کرانے کے کتاب کو پارسل میں بند کیا اور مالک کتاب کے پاس ڈاک میں
روانہ کرے کو خادم کو دیا سید کرامت حسین صاحب نے خادم سے پارسل لے لیا
اسکو کھولا اور دس بارہ طالب علموں کو جمع کر کے رات بھر میں اسکی نقل
کرائی اور اس مختلف خط کے نقل کو اسل سے دو بجے دن تک ایک مسجد
میں بیکر مقابلہ کیا اور بعد مقابلہ پارسل بند کر کے روانہ کر دیا اور بہت سا
حصہ زبانیاں یاد کر لیا اس طور سے نقل کرنا اخلاقا قازیانہ تھا مگر فرط شوق
کے بدلے میں اکثر اخلاقی قوت دب جاتی ہے وہ مختلف الخط نقل مدتوں
نہایت قدر سے سید کرامت حسین صاحب کے کتب خانہ میں رہی جب سال ۱۹۱۶ء میں بمقام
لہ آباد کرامت حسین صاحب کو طبی علی تب وہ نسخہ بھی چل گیا اور اس کے تلف
ہونے کا سدہ کرامت حسین صاحب کو بقیہ عمر رہا۔

سرگن لکھنؤ ۱۹۱۶ء میں ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ سید

کرامت حسین صاحب لکھنؤ اور اپنے عم محترم کی خدمت سے جدا ہونے پر
 مجبور ہوئے۔ ان اشغال سے جدا ہونا جنکو کرامت حسین صاحب زندگانی
 جانتے تھے بہت شاق تھا بالکل ایسا جانتے تھے کہ پشت سننے دوزخ کو
 جلتے ہیں اگر کوئی دوست سمجھاتا تھا کہ آخر کیوں جاتے ہو تو کبھی یہ اثر ہوتا تھا
 کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں ایک بار تو غشی کی سی حالت
 طاری ہو گئی۔ سید کرامت حسین صاحب نے اپنے عم محترم سے ایک دن عرض کیا
 کہ اگر فلان امر خاص پیش آیا تو میں خدمت میں نہ رہوں گا اتفاق سے وہی
 بات پیش آئی اور کرامت حسین صاحب نے کہہ دیا کہ اب میں نہ رہوں گا۔ جناب مرحوم
 مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ اور دیگر حضرات نے نوبہ تک یہی کوشش
 جاری رکھی کہ کسی طرح کرامت حسین صاحب لکھنؤ سے جدا نہ ہوں اور جتنے موانع راہ میں
 ڈالنا ممکن تھے سب ڈالے مگر سید کرامت حسین صاحب نے وہی کیا جو کہا تھا اونکو
 جنت و نار کا عین یقین تھا۔ ایک دن ایک دوست سمجھانے لگے اور کہا کہ
 دیکھو اگر لکھنؤ چھوڑو گے تو گنہ گار ہو گے۔ سید کرامت حسین صاحب نے جواب دیا کہ
 میں تو جو کچھ چکا ہوں وہی کر ڈنگا۔ اگر خداوند عالم حضرت جبریل کو میرے
 پاس بھیجے اور وہ اگر دکھا دیں کہ آتش جہنم شعلہ زن ہے اور تم نے لکھنؤ سے
 باہر قدم نکالا اور جہنم میں گرے تو بھی عرض کر ڈنگا کہ آتش دوزخ میں گرنا
 قبول ہے لکھنؤ میں رہنا قبول نہیں۔ سید کرامت حسین صاحب
 کے عم محترم نے انکو حکم دیا کہ خیر اگر جاتے ہو تو دیہات مشترک کو تقسیم کرتے
 جاؤ اور کرامت حسین صاحب نے جیسے ہوسکا تعمیل کر دی اثنا تقسیم دیہات میں
 سید کرامت حسین صاحب کا گذر ایسی جگہ ہے ہوا جہان شکر کا کوٹھو تھا اور اس
 کا بکڑا ب بنائی جاتی تھی شکر بننے میں بہت سی نجاستوں کی آمیزش

ہوئی نظر آئی اور اسکا اثر یہ ہوا کہ آٹھ سال کم و بیش کرامت حسین صلی اللہ علیہ وسلم نے
شکر نہ کھائی۔

اپنے چچا کا حکم بحال نہ کرنے کو سید کرامت حسین صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکہ دیہات مشترکہ
کو باہم تقسیم کرالیں۔ اس زمانہ میں انکو شاہنامہ فردوسی کا شوق حد
اعتدال سے زیادہ ہو گیا کثر دن ایسے گزرتے تھے کہ نماز صبح کے بعد سے
نودس بجے رات تک سید علی نقی صاحب کنتوری سید تصدق حسین صاحب اور
سید کرامت حسین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہنسنے اور سننے میں گزار دیتے تھے موبوی
سید تصدق حسین صاحب بہت خوش انگہانی سے پڑھتے تھے سید کرامت حسین
خوش آواز نہ تھے مگر خوش سے وہ بھی دیر تک پڑھتے تھے سید علی نقی صاحب
صرف سنا کرتے تھے اوسکے دن رات پڑھنے اور سننے کا یہ اثر ہوا کہ خطوط
میں اوسکے محاورات اور الفاظ استعمال ہونے لگے۔

آٹھ نو ماہ کی سخت کشاکش کے بعد سید کرامت حسین صاحب لکھنؤ
سے اواخر ذی الحجہ ۱۲۸۵ مطابق سن ۱۸۶۸ء میں جدا ہوئے۔

کرامت حسین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ضد پورا کرنے کو جدا تو ہوئے لیکن جو عظمت
اور عقیدت اپنے چچا جناب مولانا سید حامد حسین صاحب قیلا علی الشرمقا
کی اوسکے دل میں راسخ ہو گئی تھی اوس میں ذرا فرق نہیں آیا خود اپنے
چچا سے ہمیشہ ہی کہا اور دیگر اصحاب سے بھی برابر اس امر کا پیچہ در
سے اعتراف کیا کہ جو کچھ مجھ کو حاصل ہوا وہ مولانا سید حامد حسین صاحب کی
ولت ہے جناب فردوس آباد علامہ سید حامد حسین صاحب علی الشرمقا
کی وفات کے بعد بھی انکی بیوہ اور اولاد کے ساتھ کرامت حسین صاحب
کا وہی مخلصانہ برتاؤ رہا جو مرید خاص کا اپنے مرشد کے پس ماندوں کے

ساتھ ہونا چاہیے ایک عدالتی مقدمہ میں کرامت حسین چچا اپنی چچی کی طرف سے
 ساٹی تھے اور فریق مقابل چچی کے عزیز تھے وہ ایک بار کرامت حسین چچا سے
 ملے اور کہا کہ اب تو مولانا سید حامد حسین صاحب دنیا میں نہیں ہیں تم میرے
 مقابلہ میں ادنیٰ بیوہ کی طرف داری کیوں کرتے ہو سید کرامت حسین چچا نے جواب
 دیا کہ جناب مرحوم کا بندہ احسان ہوں اور چچی کی خدمت اخلاقاً واجب
 جانتا ہوں آپ تو کیا ہیں اگر والد مرحوم زندہ ہوتے اور انہیں اور چچا صاحب
 مرحوم میں مخالفت ہوتی تو میں باپ کے مقابلہ میں چچا کا ساتھ دیتا اور اس
 حد تک کہ اسلام اجازت دیتا۔

سید کرامت حسین چچا نے اپنے چچا کو الھم الرؤف بل اللہ اللہ اللہ
 لکھتے تھے اور یہ صرف لفظ ہی نہ تھا بلکہ معنائوں کو بھی اذعان تھا اور ایسا ہی
 محسوس کرتے تھے جناب فردوس تاب کو بھی کرامت حسین چچا سے قلبی محبت تھی
 یہ محبت بھلتی جا ہونے کی نہ تھی کیونکہ وہ الحب شد وبالفضل شد کے سچے
 عامل تھے جسکی بابتہ انکو یقین ہو جائے کہ امور دین میں انکا مددگار ہے
 وہ انکا حقیقی محبوب تھا اور جسکی بابتہ معلوم ہو کہ اوسکو دین سے علاقہ
 نہیں وہ انکا دشمن۔ کرامت حسین چچا کی بابتہ انکو یقین تھا کہ وہ بدل انکے دعو
 میں اسلیے اوپر فریفتہ تھے۔

کرامت حسین چچا کے لکھنؤ سے چلے جانے کے بعد جناب فردوس تاب نے ستر
 شک انکو خط نہ لکھا تب کرامت حسین چچا نے ایک خط میں لکھا کہ میں اپنی بابتہ
 رکھنے کو لکھنؤ سے الگ ہوا مگر آپکی جو عقیدت و عظمت دل میں تھی وہ سب
 یہ کیا بات ہے کہ آپ خط نہیں لکھتے جواب لکھا وہ میں بدین خلاصہ فرمایا
 درگمان ممبر یہ کہ نامہ بہ شما نوشتن نمی خواہم و تئیکہ قصد نوشتن می کنم

از یاد شما جائے می رود کہ میں را انڈیا بھی شناسم۔

کرامت حسینؑ لکھنؤ سے جانے کے بعد راج کمار کلج میں بیٹھ مولوی ہو سکے اور سال بھر نوکری کرنے کے بعد ایک ماہ کی رخصت لے کر لکھنؤ آئے جناب فردوسآب کی خدمت میں حاضر ہوئے دس کے دس بجے ہوئے وہ تصنیف میں مصروف تھے کرامت حسینؑ سلام کر کے کھڑی چار پائی پر بیٹھ گئے فرمایا ”تم آگئے“ عرض کیا ”جی ہاں“ حاضر ہوا جناب فردوسآب اپنی جگہ سے اٹھئے اس طرف تشریف لے گئے جدھر کرامت حسین صاحب کی پشت تھی کرامت حسینؑ نے خیال کیا کہ کسی الماری میں سے کتاب لیتے گئے ہیں دو تین دقیقہ کے بعد پشت کی طرف سے آکر کرامت حسینؑ کے گلے میں ہاتھیں ڈال دیں اور باواز بلند روئے لگے کرامت حسینؑ نے مضطرب ہو کر عرض کیا کہ مجھ ناچیز کے لیے یہ اضطراب یہ سنتے ہی باہر نکلے گا سے جدا کر لیں اور اپنے مقام پر تشریف لے آئے سید کرامت حسینؑ اکثر کہا کرتے تھے اور اونھوں نے فردوسآب کو کبھی کسی شخص کے ساتھ ایسی الفت کرتے نہیں دیکھا جو سب سے بڑا صدر رہا و پیر گذرا وہ جناب مرحوم مولوی سید اعجاز حسین صاحب کا انتقال تھا یہ اثر اوپر ضرور ہوا تھا کہ نقش کو دیکھتے ہی تھوڑی دیر چلکر ایک پلنگ پر بیٹھ گئے اور کہا کہ عمامہ میری کمر میں باندھ دو مگر گریہ و بکا نہیں کیا۔

کرامت حسینؑ سے جو لپٹ کر روئے لگے تھے وہ دنیاوی صحبت کا اثر نہ تھا بلکہ دروین نے انکو پیاب کر دیا تھا یہ خیاں آگیا تھا کہ اسے بیمار دکا پھر گیا ورنہ کرامت حسینؑ کی کیا ہستی تھی جسکے لیے آیت اللہ علامہ حامد حسین صاحب نے باواز بلند روئے سید کرامت حسینؑ کی ایک زمانہ میں یہ حالت

تھی کہ حضرات مجتہدین اور جناب مفتی میر عباس صاحب علی ہند بمقامہ دیوبند لوی سید
 احمد علی صاحب رحمہم علم میں اپنے چچا سید حامد حسین صاحب دیوبند کو بہت کثرت سے لکھتے تھے اکثر
 ایسا ہوتا تھا کہ جناب ممتاز العلماء رشید تقی صاحب دیوبند لوی احمد علی صاحب
 قبلہ کے یہاں سے سبق پڑھ کر آتے تو جناب فردوس صاحب پوچھتے کہ سبق میں
 کوئی دشواری تو نہیں رہ گئی اگر ہو تو لاؤ میں بتا دوں ادب کی وجہ سے
 کتاب سامنے لیجاتے مگر دل میں گمان کرتے کہ جب ایسے ایسے بڑے کامل
 نہ سمجھا سکے تو یہ کیا بتا سینگے اور جو صحیح مطلب آیۃ اللہ بتا دیتے تو بھی باور نہ ہوتا
 کہ یہ صحیح ہے لیکن جب سید کرامت حسین صاحب کو خود مستدرت
 مقابلہ اور قوت فیصلہ آئی تب وہ اپنے استاد جناب آیۃ اللہ کے علم کی
 کما حقہ قدر کرنے لگے۔

باب دوم

تحصیل انگریزی و ملازمت

تحصیل انگریزی | سید کرامت حسین چھاپنے بڑے بھائی مولوی سید
عنایت حسین صاحب کے پاس چرکھاری ہو چکے

و ملازمت | رفتہ رفتہ اونہیں یہ خیال پیدا کیا گیا کہ طلب معاش

میں کوشش ضروری ہے اور نوکری کرنا چاہیے مولوی صاحب بامیسہ
ملازمت اپنے باپ کے ایک دوست ڈاکٹر استراتن صاحب پولیٹیکل کینیٹ
یونیورسٹی ملے ڈاکٹر استراتن صاحب سے جب مولوی سید عنایت حسین
صاحب مروجہ مہنے کرامت حسین چھاپنے کے علم و کمال کی بہت صفت کی تب ڈاکٹر

صاحب نے کرامت حسین صاحب سے پوچھا کہ چرکھاری سے مکہ کس طرف
ہے وہ پانچون وقت کی نماز روزانہ پڑھتے تھے حج کر آئے تھے بحوث قبلہ
استدلالی کتب فقہ میں پڑھا چکے تھے مگر جغرافیہ سے اثنابے بہرہ تھے کہ یہ
نہ کہہ سکے کہ مکہ چرکھاری سے مغرب میں ہے اسکے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا
کہ جو کچھ تھے حاصل کیا وہ بجاے خود نہایت قابل قدر ہے مگر دنیا میں رہنا

چاہتے ہو تو علوم دنیا اور انگریزی حاصل کرو سید کریمت حسین صاحب نے کہا کہ
انگریزی پڑھ لینا تو سہل ہے مگر اس وقت طلب معاش کی فکر ہے اگر لوں
اسے نجات ملے تو انگریزی پڑھ لوں ڈاکٹر صاحب نے کہا اچھا تم انگریزی
تو پڑھو تم ایک مدرسہ بوندیل کھنڈ کے راجاؤن کے لڑکوں کے لیے جاری
کرنا چاہتے ہیں اوس میں تم کو جگہ دینگے جناب مولوی کاظم حسین صاحب مدظلہ
جناب مولانا سید کریمت حسین صاحب کے پراسنے دوست مج کو تحریر
فرماتے ہیں "مولوی صاحب (سید کریمت حسین صاحب) نے ماسٹر آف انش
صاحب کلارک ایجنسی سے انگریزی پڑھنا شروع کر دی اپنے والد ماجد
کے بننے والوں میں سے میر وزارت حسین صاحب دہلی ریاست ٹیکم گڑھ کے
بنگالہ میں قیام کیا۔ صرف ایک قدیم ملازم حاجی امام خان بن کے ساتھ تھے
ان کے بھائی نے چاہا کہ غور اوچند ملازم ساتھ رہیں لیکن انھوں نے منظر کیا
دورانہ دوسو لفظ تک انگریزی کے یاد کر لیتے تھے تو بے عرصہ میں شدید ہو گئی ڈاکٹر
اسرائیل صاحب بہادر سندھ قوم اکتوبر ۱۸۵۵ء میں بدین خلاصہ ترجمہ
فرماتے ہیں "میں باور کرتا ہوں کہ سید کریمت حسین کا عمرانی وقار سی مبلغ علم
غیر معمولی اور پراعلیٰ پایہ کا ہے جو جانتے ہیں وہ شہادت اس بات کی دیتے
ہیں میں اوسکو دو سال سے دیکھتا ہوں اور مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے وہ
پورا حلیم اور خوش کردار اور علم درست ہے میرے کہنے سے اوسنے علوم جدید
کی جانب توجہ شروع کی ہے"

پیشہ پرمانند صاحب ہیڈ ماسٹر اجمکار کالج بوندیل کھنڈ سندھ قوم نومبر ۱۸۵۹ء
میں ندائے ترجمہ فرماتے ہیں "مولوی سید کریمت حسین نے مجھ سے چند
انگریزی پڑھی چونکہ نہایت ذہین اور محنتی ہیں اچھے تھوڑی سی مدت میں

خوب بہار تہا انگریزی میں پیدا کر لی اب وہ بہر انگریزی کتاب ہی آسانی
 سے پڑھ سکتے ہیں جیسے ہندی اپنی اسے علوم جدیدہ کی جانب انکو بہت ہی
 رغبت ہے جنہیں سے بعض ہیں وہ ترقی کر رہے ہیں وہ صحیح کچھ صحیح بعض
 صحیح الاخلاق ہیں جو صفات اور دون میں کم مجتمع پاسے جاتے ہیں۔ جناب
 مولوی کاظم حسین صاحب قیلہ مدظلہ تحریر فرماتے ہیں "سید کرامت
 حسین صاحب نے چندے چہر کھاری میں رہ کر حیدر آباد کن کا قصد کیا
 ایک بلی سوادہ کے لیے خریدی اور روانہ حیدر آباد ہوئے۔ چھ ماہی پہنچے
 ڈاکٹر ستراتن صاحب بہادر سے رخصت ہونے گئے اور انھوں نے بہرہ صہرا
 سے روکا کہ اب کل کھلتے والا ہے آپ حیدر آباد نہ جائیں یہ راضی نہ ہوتے
 تھے مگر انکی مرسیانہ فمائش سے مجبور ہو کر ٹھہر گئے میں نے بھی کہ وہ سے حشر
 پہنچ گیا تھا اوائل اگست ۱۸۷۸ء میں کلج کا قتلح ہوا جان مندرجہ
 بہادر پرنسپل اور ایک بنگالی ہیڈ ماسٹر اور مولوی کرامت حسین صاحب
 بشاہرہ صہرا ہوا یہ ہیڈ مولوی مقرر رہے اور محکوم سید مولوی کی جگہ
 دیگئی میں راضی نہ تھا کیونکہ محکوم مولوی کی جگہ وہیے کو صاحب بہادر
 نے طلب کیا تھا۔ محکوم ریاست کے دورہ واپس جانا پسند تھا لیکن صاحب
 بہادر نے بہت تشفی دی کہ وہ جگہ آپ کو بہت جلد دیا دیگی محکوم مجبور
 قبول کر لیا پڑا اگر محکوم مولوی کرامت حسین صاحب سے ملکر ہلی ہی ملاقات
 میں ایسا لطف حاصل ہوا کہ محکوم وہاں رہ جانے سے جو کدورت تھی پیدا
 یہ راحت ہو گئی میں انکی صحبت کو بہت غنیمت سمجھا اور وہ بھی مجھ سے بہت
 زمانے کے بقول شاعر

سب کا نہ آشنا شود در تمام عمر و کس کہ آشناست بیک دین آشناست

نیرافرست کا اکثر وقت اونچین کے پاس رہنے میں اکثر سرت پہونے لگا
 دیات میں آپ کا کمال معلوم کر کے مجھ کو شوق ہوا کہ چند اونچی کتابیں
 سن فن کی اون سے پڑھوں چنانچہ غنیمت بہت جلد سبق شروع کر دیا
 اور سبتہ متعلقہ و حماسہ و تاریخ یعنی اور مقامات حریری و نوح البلاغہ و مقامات
 بدیعی وغیرہ بالا استیعاب اور کچھ حصہ تفسیر کشاف کا سبق پڑھا اور عبارت
 عربی لکھنے کی بھی مشق کی چنانچہ ایک انگریزی کتاب اسپس فیلز کا ترجمہ
 عربی میں کر ڈالا اور یہ التزام کیا کہ اسکے ہر حکایت کے نازل (نتیجہ) کی
 جگہ عربی مثل یا شعر بہم پہونچاتا تھا مولوی صاحب اصلاح دیتے تھے اول
 جب اوسکی تکمیل ہو چکی تو بعد وح نے اوسپر دیباچہ تحریر فرمایا۔

کالج میں آکر مولوی صاحب (کرامت حسین) نے مسٹر ڈیوڈ صاحب ایم
 اے ہیڈ ماسٹر سے جو بہت جلد بنگالی ہیڈ ماسٹر کی جگہ مقرر ہو گئے تھے انگریزی
 پڑھنا شروع کی اور اونس کے بعد جب پنڈٹ پرمانند مینی اے ہیڈ ماسٹر مقرر
 ہوئے اور یہ بہت بڑے لائق شخص تھے ان سے مولوی صاحب نے
 انگریزی پڑھ کر بہت جلد عمدہ لیاقت حاصل کر لی اونچی اونچی کتابیں پیش
 نظر رہنے لگیں اور ہر وقت ٹنڈل پور کی اسٹینس وغیرہ نامی حکماء کے نظریات
 پر بحث ہونے لگی۔

ڈاکٹر اسٹرن صاحب کی نصیحت کے بعد کچھ دن تو سید کرامت حسین کو
 ایسا وقت ملا کہ وہ ہمہ تن زبان انگریزی کی تحصیل میں مشغول ہو سکے
 لیکن ۵ جون ۱۸۸۷ء سے وہ راجکمار کالج پورہیل کھنڈ میں ہیڈ مولوی مقرر
 ہو گئے اور اب دن کا بہت بڑا حصہ یعنی دس بجے سے چار بجے تک
 ملازمہ کے فرائض ادا کرنے میں صرف ہونے لگا۔ ڈاکٹر اسٹرن صاحب

سید کرامت حسین صاحب کو اہیڈ مولوی مقرر کیا تو فرمایا کہ تم چالیس روپیہ ماہانہ
 ملے گا کرامت حسین صاحب نے جواب دیا کہ میں پچاس سے کم نہ لوں گا تھوڑی دیر بعد
 ڈاکٹر سٹراٹن صاحب نے تامل کیا اور کہا کہ ہیڈ ٹیڈت بھی پچاس ملے گا
 جب کرامت حسین صاحب نے کسی طرح پچاس سے کم قبول نہ کیا تب ڈاکٹر سٹراٹن
 صاحب نے پچاس ماہوار دینا قبول کر لیا۔ نماز صبح کے بعد سے ہر دن
 تک سید کرامت حسین صاحب کو انگریزی کتب بینی کا التزام تھا اور دنیا کی
 کوئی لذت نہ تھی کہ جو تکمیل علم سے زیادہ مرغوب ہو سکتا تھا مطابق سائنس
 میں لکھنؤ سے جدا ہونے کا گواہی مقصود طلب معاش تھا اور اسکے لیے
 سید کرامت حسین صاحب نے ملازمت اختیار کر لی تاہم سچی علم دوستی نے اونکا
 ساتھ نہ چھوڑا ڈاکٹر سٹراٹن صاحب کی نصیحت سے انگریزی سیکھی
 تھوڑے ہی زمانہ میں جب قوت مطالعہ پیدا ہو گئی تب اونھوں نے
 ابتدائی کتابیں طبیعات کسٹری تشریح علم عمل اعضا علم حیوانات علم نباتات
 کو اس لیے پڑھا کہ حکیم اسپنسر کے نظام حکمت کو پڑھیں جس نے سید کرامت حسین صاحب
 کو بالکل محو کر لیا اسپنسر کی رائے اور مقولے سید کرامت حسین صاحب
 کا جزو ذاتی ہو گئے اوس حکیم کے فلسفہ کو بار بار لایا استیعاب پڑھا اور اسکے
 بتائے ہوئے طرز خیال اور طریق عمل کو اپنے لیے نمونہ بنایا مقابلہ کرنے کی
 نیت سے سید کرامت حسین صاحب نے مل اڈیشن وغیرہ کی کتابیں بھی مطالعہ
 کیں کبلی اور وارڈ اور ٹنڈل کو پڑھا مگر اسپنسر کو سب پر آخر وقت تک
 ترجیح دیتے رہے تیس برس روزانہ اسپنسر کا مطالعہ کیا جس دن شہداء
 ہائیکورٹ کی بھی شرف کی اسی دن سے اسپنسر کا مطالعہ اس خیال
 سے چھوڑ دیا کہ فراغ منصبی میں قصور نہ ہو اور دن رات جتنا وقت ملا

زبان فیصلہ لکھانے کی مشق میں بہت کیا۔

اسپینر کی فلسفہ کی طرف میلان کا شروع یوں ہوا کہ جنس سید
کرامت حسین صاحب راجپار کالج میں ہیڈ مولوی تھے تب جناب
چوبے پرمانند صاحب جنگی بابتہ سید کرامت حسین صاحب کا قول تھا کہ اسے زیادہ
تین آدمی اپنے آپ کو بھر میں نہیں دیکھا، ہیڈ ماسٹر ہو کر تشریف لائے
سید کرامت حسین صاحب نے ان سے انگریزی پڑھی جیسا اوپر ذکر
ہو چکا ہے جب انھوں نے کہا کہ اب تم اس قابل ہو کہ مجھ سے پڑھنے
کی ضرورت نہیں تب ایک دن سید کرامت حسین صاحب نے
اسے کہا کہ علوم جدیدہ میں سے کسی میں تو کمال ضرور پیدا کرنا چاہیے۔
تبیعات کیمیا علم اکیو، نبات علم الطب وغیرہ میں تو آلات اور تجربوں کی
ضرورت ہے۔ آپ کی اور میری نہ ایسی عمر ہے نہ حالت کہ آلات اور
تجربوں تک دس برس ہو اس لیے منطق و فلسفہ میں تکیں کی کوشش
کرین دونوں نے اس رائے پر اتفاق کیا اور کتب خانہ سے مل صاحب
کی منطق نکال کر مطالعہ شروع کیا اور سکوٹھوڑے دن پڑھا تھا کہ ایک بار راد
میں جناب چوبے صاحب نے سید کرامت حسین صاحب سے فرمایا کہ
ایک حکیم اسپینر ہے اسکے فلسفہ کا نظام دس جلدیں ہے میں نے اسکو
اگر مکے کتب خانہ میں دیکھا ہے اس کا نظام بہت عمدہ ہے اسکو پڑھنا چاہیے
سید کرامت حسین صاحب نے کہا بہتر اسکی پہلی جلد (فرسٹ پرنسپلز)
سنکائی گئی اور مطالعہ کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ اسکے پڑھنے کی
استعداد حاصل کرنے کو ٹھوڑی سی طبیعت میں نہیں ہی علم الحیوۃ
علم النفس جاننا لازمی ہے تب ان علوم میں سے اولیٰ کتاب حاصل کرنا شروع

کے شوق کا یہ حال تھا کہ پرمانند صاحب اور کرامت حسین صاحب دونوں ایک بار بمبئی کی جلتی دو پھرین مردے کی پڑیاں تلاش کرنے مگھٹ میں گئے جن کے دیکھنے کی علم تشریح میں ضرورت تھی اور ایک ڈاکٹر صاحب سے ملاقات صرف اس لیے پیدا کی کہ جب وہ مردہ چیرین تو ان کے سامنے چیرین چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ایسا ہی کیا۔ بہر حال مقدمات فلسفہ پسند کو پڑھا پھر دسوں جلدوں کو اول سے آخر تک چند بار پڑھا اور اسی کے گناہین دُوب گئے۔

اوس زمانہ میں یہ شوق ہوا کہ سودمند سائل پر ہر کیشنبہ کو تقریرین ہوا کرین شنبہ کے دن مدرسہ کے کام سے واپس آکر یہ پتھر کہ آئندہ کیشنبہ کو سید کرامت حسین صاحب خون کے دورے کو بیان کرین یہ بات طے ہونے پر سید کرامت حسین صاحب مغرب سے پہلے اپنے گھر گئے کھانا کھایا مغربین کی نماز پڑھی فزیالوجی علم حیوانات کی ایک کتاب بیسوط میں خون کے دورے کی بحث کو پڑھا اور سکو خوب یاد کیا دو بجے رات تک اوس میں منہمک رہے دوسرے دن اقوار کو جناب مولوی کاظم حسین صاحب کے دیوانخانہ میں اوسکو ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب اردو میں بیان کیا۔

ہر بجے دن کے بعد سے مدرسہ جلنے کی تیاری کرتے تھے اور ہمیشہ ٹھیک وقت پر پہنچ جاتے تھے جتنے دن مدرسہ میں رہے اوس میں صرف ایک دن پانچ یا چھ منٹ کی دیر ہوئی مدرسہ سے آنے کے بعد شام تک ہوا خوری اور روز علی میں صرف کرتے تھے جناب مولوی کاظم حسین صاحب قبلہ مدظلہ کو تحریر فرماتے ہیں : مولوی کرامت حسین صاحب کو دربار شہر کا

شوق تھا اور میں بھی اوسکا عادی تھا روزانہ بالالتزام میں اور وہ ڈنڈہ مکدر
 نیزم ایک ساتھ بلایا کرتے تھے اور شام کی ہوا خوری میں بھی میں ہمیشہ
 اونکے ساتھ رہتا تھا۔ میری وجہ سے انکو بندوق اور شکار کا بھی شوق پیدا
 ہو گیا تھا اور بخون نے بہت جلد اس میں بھی ایسی مشاقتی بہم پہونچائی کہ شکار
 حیرت تھی بدتون کی مشق سے جو بات میں حاصل کی تھی تھوڑے ہی
 دنوں میں وہ بخون نے وہ کمال حاصل کر لیا کہ مجھ سے آگے بڑھ گئے، اور ش
 کے بعد نیسے رات تک عموماً اپنے تین خاص دوستوں کی صحبت تھی جنہیں
 سے دو ہندو تھے ایک مسلمان علی یا تفریحی باتوں میں بسر کرتے تھے ان
 تینوں صاحبوں کے نام یہ ہیں جناب چوہے پرمانند صاحب جناب منشی روشن
 لال صاحب جناب مولوی کاظم حسین صاحب اہل دنیا کے معمولی تفریحوں اور
 جلسوں سے بہت ہی بچے تھے پر نپل صاحب راجکمار کالج نے زمان ملازمت
 میں اکتوبر ۱۹۵۷ء میں بدین خلاصہ ترجمہ لکھا ہے وہ مولوی سید کریم حسین
 صاحب اس مدرسہ کا ہیڈ مولوی ہے اور اس حیثیت سے بہت ہی ناقل
 اور قابل اور محنتی ہے میں اوسکے کام سے بہت وجوہ خوش ہوں سر دست
 تھوڑی انگریزی جانتا ہے لیکن چونکہ یہ بہت محنتی طالب علم آئیے ایک
 ہی دو سال میں معقول دستگاہیں کر لیا، اس امید میں کہ آئندہ کوئی
 بہتر نوکری ملے سید کریم حسین صاحب بالالتزام ہفتہ میں ایک بار
 ڈاکٹر اشرفی صاحب کے سلام کو جلاتے تھے کچھ کہتے تھے ایک دن
 ڈاکٹر صاحب موصوف حاتم طائی کا قصہ فارسی میں صبیح شدہ ملا ہے اور
 کہا کہ اسکو صحیح کرو صاحب کا مقصود یہ تھا کہ جو غلط نامہ آفرین لکھا ہے اسکو
 میرا فتنی جہان جہان غلطی ہے درست کر دیجئے کریم حسین صاحب نے

دو چار مقام سے اسکو دیکھا اور معلوم کیا کہ فارسی عبارت بہت غلط ہے
 اور حیاں کیا کہ صاحب چاہتے ہیں کہ جہان جہان عبارت میں صرشت و نحو
 یا محاورہ کی غلطی ہو وہ درست کیجاؤں سے عرض کیا کہ کتبک صحیح کر دوں فرمایا
 کل دیجانا سید کرامت حسین صاحب اس کتاب کو گھر لے کے اور پورے سا
 پڑھت کر کے تمام غلطیاں نہین انکو صحیح کیا میں چار جزو میں لکھا دو سرے
 دن سے گئے ڈاکٹر صاحب نے بحیرت پوچھا یہ قلمی اجزا کیا ہیں جواب دیا کہ میں
 حضور کے ارشاد کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ اس کتاب میں جتنی غلطیاں محاورہ
 وغیرہ کی ہوں وہ سب صحیح کر دوں اسلیے جدا گانہ جہان جہان غلطی ہے وہ
 لکھدی ہے اور اسکے بدلے جو صحیح ہونا چاہیے وہ لکھدی ہے صاحب فرمایا میرا
 صرف یہ مطلب تھا کہ غلط نامہ کے موافق صحیح کر دو خیر اب تیرے مشق
 کی سہ ہے تو ہمارے میر منشی کو دکھا لو اور جب وہ قبول کر لے تو ہم اس کتاب
 کو راجکار کلج کے لیے طبع کرا دیں گے۔

میر منشی صاحب کا یہ تہمت تھی کہ فارسی دنی کاغز تھا بوندیل کھنڈ میں
 اہل علم کا قحط کتا کراہت حسین صاحب سے آگاہ نہ گئے بہت سے
 مقامات کو جہان کرامت حسین صاحب نے صحیح کیا تھا انکو شہسہ ہوا
 فارسی کتابوں سے شد دکھانا وغیرہ کافی نہوا کرامت حسین صاحب کو
 سخت اتر د ہوا کہ کیا کرنا چاہیے بعض اجاب کی مشورت سے یہ بلے
 اقرار پائی کہ صاحب بہادر کی خدمت میں صاف عرض کر دینا چاہیے کہ
 میر منشی کو فارسی نہیں آتی نہ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا
 اگر جناب کو میری رائے قبول نہیں ہے تو اختیار ہے جو چاہے کیجیے
 سب کرامت حسین صاحب نے جا کر ایسا ہی صاف کہدیا سارے

موصوف نے فرمایا کہ دو تین مثالیں ایسی بتاؤ جنکو تم صحیح کہتے ہو اور ہمارے
میرنشی غلط کہتے ہیں اور ہمارے سامنے صحت کی سند پیش کرو تا کہ ہم خود
بھی سمجھ سکیں کہ حق کیا ہے صاحب بہادر کے سامنے سید کرامت حسین
صاحب نے چند ایسی مثالیں پیش کیں جو وہ سمجھ سکیں اور ہمیں سے ایک
یا دو دفعہ اس کتاب میں قطع الطریقان لکھا تھا سید کرامت حسین
صاحب کہتے تھے کہ یا قاطعان طریق ہو یا قطع الطریق قطع خود جمع پھر
طریق کو بطور فارسی طریقان جمع کرنا بے سود ہے پھر اوپر لام تعریف کیا
صاحب بہادر القاموس نکال لائے اور اپنا اطمینان کر لیا کہ کریمت حسین
صاحب کی رائے درست ہے اجازت دیجی کہ ہمارے میرنشی کے
یاس جانکی حاجت نہیں جیسا تم نے درست کیا ہے ویسا ہی طبع کرادو
اسکے بعد حاتم طائی فارسی حسب صحیح کرامت حسین صاحب طبع ہو گئی
واقعی وہ کتاب بہت آسان ہے اور مبتدیوں کے لیے مناسب ہے
اوس سے بھی زیادہ سلیس فارسی میں حکایات سلیس سید کرامت حسین
صاحب نے لکھی اور وہ بھی نیا قانون میں طبع ہوئی دونوں کتابیں بعد میں
رہور میں طبع ہوئیں۔

جناب مولوی کاظم حسین صاحب مجھ کو تحریر فرماتے ہیں "فارسی وہ اچھی
چلتی تھی اور عالمانہ عبارت لکھتے ہیں خوب دستگاہ تھی تاہم بعض اساتذہ
کے کلام میں مثلاً کلیات فارسی مرزا غالب دہلوی و دیوان علی حزمین
وغیرہ میں کہیں کہیں دشواری پیش آجاتی تھی چند ہی روز سے کے بنا کر وہ میں
وکی سخن بھی بہت بڑھ گئی۔ یہ ذکر سلسلہ کا ہے۔"

مولوی سید کرامت حسین صاحب کو جہان اور چند کتابوں کی عزنی عبارت

بہت پسند تھی اور حسین مجتہدی علیہ الرحمہ کی کشفات بھی تھی طلب علم کے زمانہ
 میں اتنی فریبیت نہ ملی کہ اسکو جی بھر کر مطالعہ کرتے جب راجہ کالج نیا گاون
 میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے تب اونھوں نے عہدہ کو کلکتہ کی طبع شدہ کشفات
 منگائی اور سہ ماہی کی بڑے دن کی تعطیل میں بڑے سویرے اٹھکارتے
 میں ایک درخت کے سایہ میں دن بھر بیٹھے رہتے اور بجز ضروریات نہایت
 و عبادت واجب کے دن بھر سوا کشفات کے مطالعہ کے کچھ نہ کرتے تھے
 بارہ یا تیرہ دن میں دونوں جلدوں کو بالاستیغاب پڑھا جابجا اسپر شائع
 وہ نسخہ اب جناب مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی
 خلف جناب فردوس جناب مولانا سید ناہا حسین صاحب اعلیٰ الشہ
 مقامہ کے کتب خانہ میں ہے۔ اس کے حاشیہ پر بہت سی عبارتیں ہیں منجملہ
 اوشکے دو نقل کیجاتی ہیں۔ فلما اضللت ما حولہ ذهب اللہ بنورہد
 وترککم فی ظلمات کایبصرون صفحہ ۴۴۔ کشفات عن حقائق التنزیل
 مطبوعہ تالعات مطبع الیسی الواقع فی مدینہ کلکتہ ۱۳۵۶ ھ ۶ پر یہ
 حاشیہ لکھا ہے۔

کشفات پر حاشیہ

اقول لادیب ان هذا التمثیل بحال المشفقین
 من تقدیرہم رجلا الی الاسلام و تاخیرہم

لآخری الی الکفر و خوفہم و خشیتہم و تذلیلہم
 و رجاکہم و قنوتہم و میلہم تارۃ الی الاسلام و آخری الی
 الکفر بحال من اضللت النار ما حولہ من محمدات
 فبقی متحیرا قزعاً مرعوباً لا یدری ایسا کله السبیل
 او تلسعہ الحیتہ اتم یغافضہ القاتل او یهلکہ العدو

ترجمہ

یشک آیہ مذکورہ میں تمثیل ہے اُن منافقین کے حال کی جیسی حالت یہ ہے کہ کبھی وہ اسلام کی طرف ایک قدم بڑھاتے تھے اور کبھی اس سے ہٹ کر پیچھے ہٹ کر کفر کی طرف اور اُن کے دل میں خوف و ہراس اور رجا اور مایوسی تھی اور حالت انکی مذہب تھی کبھی وہ اسلام کی خواہش رکھتے تھے اور کبھی کفر کی ایسے منافقین کو خداوند عالم نے اس شخص کے حال سے تشبیہ دی ہے جسے اپنے گھر میں آگ روشن کر رکھی ہے اور وہ آگ جب بجھ جاتی ہے تو حیران و پریشان اور خوف زدہ رہ جاتا ہے اُسے نہیں معلوم کہ اب کونسی آفت میں گرفتار ہوگا کیا اسکو درد سے بچاؤ کھائیکے یا ساتپ کاٹ کھائے گا یا کوئی قاتل جو اسکی تال میں لگا رہتا ہے ناگاہ آکر مار ڈالیگا یا اسکو دشمن ہلاک کر ڈالیگا۔

اوکھیب من السماء فیہ ظلمات و وعد و برق صفحہ ۶۸ کشاف پر یہ حاشیہ تحریر کیا ہے۔

بھن امن معجرات البلاد غنہ تمثیل حال المنافق المتروک بین الکفر و الاسلام الذی یخاف علی نفسه و اولاده و امواله من اهل الکفر صرۃ و من المسلمین اخری و الذی یرجو النجاة من الخوف اند ینوید باظہار الاسلام و ابصار الکفر ثم یعلم ان القسوط منها بعد م اخلاصہ و الذی یا من صرۃ من العقوبات الاخریہ فیہ ینبغ علیہ صیب فی لیل مظلم و احاطت بہ ظلمات بعضہ فوق بعض و اخر غتہ ال و اعد و البوارق یرجو تارة الخیوة و یخاف تارة الخیوة

الموت تمہیں متناہی فی البدوئہ۔

ترجمہ

یہ آپ کا مبارکہ پداخت کے معجزات سے ہے اور اوسمین اوس منافق کی تشیل سے ہے جسکو کفر و اسلام میں ترو دے یعنی یکسوئی نہیں ہے اور وہ ایسا ہے کہ اسکو کبھی اسکا خیال ہوتا ہے میرے نفس اور اولاد اور مال کو کفار تباہ کر ڈالینگے اور کبھی ہی خیال مسلمانوں کی طرف سے ہوتا ہے کہ شاید مسلمان لوگ بھی ایسا نہ کر پٹھین اور اوس شخص کی تشیل ہو تو امید بھی رکھتا ہے کہ اوسکو دنیا کی خوفناک چیزین سے نجات ہو جاتی اس اسلام کے ظاہر کرنے سے اور کفر کے باطل کرنے سے اور پھر اسکے بعد اسکو مایوسی ہو جاتی ہے اوسکی وجہ یہ ہے کہ اوس کو اس اسلام کے بارے میں اخلاص نہیں ہے اور اس شخص کی جو کسی اپنے کردار مبتذیب سے اخروی عذاب سے امن میں آجاتا ہے لیکن پھر اس امن کو یاس سے بدل ڈالتا ہے پس خداوند عالم نے ایسے لوگوں کی مثال اس شخص سے دی ہے جسپر اندھیری رات میں بیٹھ پرشے اور ایسی تاریکیاں جو کچھ بہت ہوں اوسکو گھیرے ہوئے ہوں اور اس رات میں اسکو بجلی کی چمک اور رعد کی کڑک ڈرا رہی ہو۔ پس ایسا شخص کہیں اپنی حیات کی امید رکھے اور کبھی موت سے ڈرے یہ شبہ تمہارے پداخت کو پہونچی ہوئی ہے

اسمیر شہنشاہ عین ایک شہینہ فروش آیا اور رونق بازار کے لیے سید کر امت حسین صاحب سے کہا کہ آپ راجکار کالج میں ہیڈ مولوی ہیں راجون اور سر دارون سکول بچوں کو پڑھاتے ہیں جب دوسرا دنیا کا قانون میں آئیے آئیے اپنے دربار میں بلا دیئے اور بہت نازیا ہو گا کہ آپ بلا دوشالہ دربار میں جائیں

ایک کراچی صاحب جو ان بچے سا اسی سال بہت عمرت سے بھری بھی
 نیکی کا ظاہری نریب و زینت سے جیسا کہ چاہیے مستغنی نہ ہو چکے تھے ایک
 سفید ووشالہ سیاہ حاشیہ دار پسند کیا اس کی قیمت اسی روپیہ ٹھہری
 یہ صاحب نے کہا کہ میں یہ دو شالہ لینا چاہتا ہوں مگر قیمت ادا کرنے
 روپیہ نہیں ہے اگر دو ماہ کے وعدے پر دے جاؤ تو لیون لشمینہ فروش رہی
 ہو گیا اور سید کرامت حسین صاحب نے دو شالہ لے لیا اس وقت ان کے پاس
 صرف ایک خادم ملازم تھا پچاس روپیہ ماہوار پاتے تھے بیس روپیہ میں
 دو مہینے بڑی عمرت سے سوکھی روٹی اور چنے کھا کر بسر کیے اور دو ماہ کے وعدہ
 پر پشمینہ فروش کو اسی روپیہ دیدیے۔

بفتہ وار پولٹیکل ایجنٹ صاحب کی خدمت میں تو حاضر ہوا ہی کرتے تھے
 وہی اثنا بین میرنشی کا عہدہ خالی ہوا اور وقت ایک دن عرض کیا کہ مجھ کو اپنے محلہ
 میں میرنشی کر دیجیے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ تم نے دفتر میں کبھی کوئی کام نہیں
 کیا ہے دفعہ اثنا بڑا عہدہ کیسے چاہتے ہو سید کرامت حسین صاحب نے عرض کیا
 جب آپ سامری یہ جواب دیتا ہے تو آئندہ پولٹیکل ایجنٹ کیا کے گا حضور
 تقریر کے تو یہ مضمون کہ میں تمام عمر ہیڈ مولوئی ہی رہوں یہ کہنا صاحب
 اثر کر گیا فرمایا کہ ہم تم کو امتیاز میرنشی کرینگے لیکن اگر تم سے کام نہو سکے
 رہم تمکو مدد سے میں واپس کرین تو برا نہ مانتا سید کرامت حسین صاحب نے
 کہا کہ ہرگز نہیں فرمایا اچھا تم ابھی ہمارے سامنے ہی بات اپنے بات سے کہہ
 سید کرامت حسین صاحب نے وہیں مضمون بالا کا اقرار نامہ لکھ دیا صاحب نے
 نے سکو اپنی جیب میں رکھ لیا اور اسی دن کچھ میں جا کر روکا دیا کہ ہمارے
 عمر کی خدمت میں میرنشی کو سید کرامت حسین کو میرنشی مقرر کیا

اور اس طرح تین برس مدرسہ میں میر منشی مقرر ہوئے
 مقررہ کے بعد سول سرجن سے صحت کی سند حاصل کرنا ضرور ہوا ایجنسی کے
 اسسٹنٹ سرجن صاحب کو بلا کر پولیٹیکل ایجنٹ صاحب بہادر نے حکم
 دیا کہ سول سرجن صاحب کے پاس لیجاؤ اور صحت کی سند دلو اور وہاں پر
 صاحب نے بہت سے امتحان اور معائنہ کے بعد لکھا کہ سوا دل کے باقی
 تمام اعضا تندرست ہیں دل کمزور ہے یہ شخص سرکاری ملازمت کے
 قابل نہیں جب یہ سند صاحب پولیٹیکل ایجنٹ بہادر کے سامنے پیش
 ہوئی تو حسب عادت فرمایا "ٹٹ"، کچھ پروا نہیں اس سند کو کھیک دو
 جسدن سید کرامت حسین میر منشی ہوئے اور سدن انھوں نے سوچا کہ
 سرکاری نوکری کیونکر کرنا چاہیے یہ تو طبیعت تھا کہ پوری دیانت اور جانفشانی
 سے کریں گے اس کے علاوہ یہ بھی طے کیا کہ طریق عمل ایسا ہونا چاہیے کہ کام اول
 زیر دست اور عامہ ناس سید کرامت حسین صاحب کے کام کو دیکھ کر
 انصاف سے خود کہیں کہ وہ کیسا کام کرتے ہیں انکو بیان و اظہار کی حاجت
 نہ رہے یہ دستور العمل بنایا، کن یاد لاتکن لسانا، جس کے لفظی معنی یہ ہیں
 کہ بات ہو زبان نہ ہو یعنی کر کے دکھا دو زبان سے نہ کہو ابتدا میں تو سرکاری
 ملازمت ہی میں اس پر عمل کیا اور عادت ہونے کے بعد تمام کاموں اور معاملوں
 میں وہ خود ہی جہلیت ہو گیا۔

ایک مدرسہ کا میر منشی ہونا طبعاً اہل و فکر کو ناپسند آیا اور ملازمت کے پہلے
 ہی دن جب عرفیہ لکٹینن تہ ایک سائمن نے ایک راعنی ایک ایسے
 معاملہ کی نسبت پیش کی جو سب سے پہلے رہا تھا اور جس میں ہزاروں کاغذات
 شامل تھے اوپر صاحب پولیٹیکل ایجنٹ نے یہ حکم لکھا دیا کہ مشان کے ساتھ

پیش ہو جب کرامت حسین صاحب نے وہ عرضی دفتر میں مثل کے لیے بھیجی
وہ حافظہ دفتر صاحب نے جدید میر منشی کی نابالائی کی ثابت کرنے کو مثل کی بھیجی
وہ کر مثل بھیجی کرامت حسین صاحب صرف اتنا سمجھ سکتے تھے کہ احکام
بہ ترتیب زمانی ہونا چاہئیں اس کا یہ کی بنا پر اوکھون نے خود تمام مثل کو
مرتب کیا اور سمجھا اور اس کام میں نا تجربہ کاری کی وجہ سے انکو چھ بجے شام
سے تین بجے رات تک گزرا لیکن دوسرے دن جب وہ پوری میں گئے تب
وہ اس قابل تھے کہ مختصر اندرونی حالات صاحب پولیٹیکل ایجنٹ سے بیان
رکے وہیں عرضی پر حکم لے سکے

سید کرامت حسین صاحب جس دن میر منشی بوسہ اوسدن دفتر کی کسی حد اطلاع
سے آشنا تک نہ تھے اظہار پر روانہ روز تا مچہ مذکورہ وغیرہ الفاظ کے
یہ یونانی کے الفاظ تھے لیکن اپنی محنت و دیانت اور قابلیت سے میر منشی
کے عہدے کو ایسی رونق دیدی کہ جواب تک بوندیل کھنڈ میں یادگار ہے
صاحب پولیٹیکل ایجنٹ بہادر کو اپنا معتمد کر لیا وہ اپنی چٹھی بنام سکریٹری
افسٹ گورنر مالاک مغربی و شمالی مرقوم ۲۶ اکتوبر ۱۸۸۷ء میں بدین خلاصہ
ترجمہ فرماتے ہیں "میں نے سید کرامت حسین اور اس کے خاندان کے حالات مبیط
سے لکھے ہیں اس لیے کہ وہ نہایت ہی مستحق اور متدین نوجوان ہے اور مجھ کو کمال
یقین ہے کہ جو عہدہ اس کو دیا جائے وہ اس کے لیے فرائض منصبی بدیانت
ادا کرنے کی وجہ سے زیادہ ہوگا" جناب مولوی کاظم حسین صاحب مدظلہ
تحریر فرماتے ہیں "عہدہ میر منشی اس وقت بہت مفرازا و با وقعت سمجھا جاتا
تھا گویا ریاستہائے متعلقہ کا مرجع خاص تھا اس عہدے والے بہت گرانیا
ہو کر بہ کدوش ہوا کرتے تھے مگر مولوی کرامت حسین صاحب کی شان ہی

کچھ اور بھی اونھوں نے نہایت سیرانی اور محنت اور اعلیٰ درجہ کی دیانت سے
 اس کام کو انجام دیا۔ حاکم اور محکوم اور متعلقین ان سے نہایت رضا مند رہے
 چونکہ انگریزی میں حقوقی شدہ ہو گئی تھی اور بعض کتابوں میں انگلستان
 کی دولت و علم و تہذیب و شایستگی کا حال سید کرامت حسین صاحب نے
 پڑھ لیا تھا اسوجہ سے ایک دن ڈاکٹر اسٹراٹن صاحب نے کہا کہ مجھے بڑی حیرت
 ہوتی ہے کہ میں لندن جا کر کسب علوم نہیں کر سکتا آپ کوئی ایسی تدبیر
 فرما سکتے ہیں کہ میں جاؤں اور تحصیل علم کروں؟ صاحب موصوف نے حیرت
 کی نگاہ سے سید کرامت حسین صاحب کو دیکھا اور مسکرا کر کہا، ”وہ تم چاہتا ہے کہ
 چاند پر چڑھ جاوے۔“

سید کرامت حسین صاحب چاند پر بلکہ سورج پر چڑھ گئے۔

میرٹھی ہونے کے ساتھ ہی آٹھ دن کے بعد سید کرامت حسین صاحب
 یہ خبر ملی کہ محلہ والے تمام صفات کو تو اب تسلیم کرتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ
 افسوس خط مویا نہ ہے خوشخط نہیں اس بات کے سننے پر سید کرامت حسین
 صاحب نے ڈیڑھ ماہ تک جتنا وقت ملا وہ شب و روز خوشخط لکھنے کی مشق
 میں صرف کیا اور جنھوں نے انکو ہاتھ سنبھال کر لکھتے دیکھا وہ معترف ہوئے
 کہ وہ کی بقدر ضرورت پوری ہو گئی اسی موقع پر جو خط کے متعلق لکھ دیا تو بہتر ہوگا
 سید کرامت حسین صاحب کا خط پختہ تھا اور بہ آسانی پڑھا جاتا تھا وہ اس خط
 کو دیکھا کہ جو پڑھانہ جائے یا وقت سے پڑھا جائے ناراض ہوتے تھے۔

غصہ میں، اوجھلے انگریزی اور اردو خط کا نمونہ ہے۔

وہ ڈاؤنٹن سن سے لکھنا پسند فرماتے تھے اور اکثر اسی سے لکھتے تھے کہ ڈوب
 دینے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اسکو وہ ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے اور

خیالات کی۔ دانی میں بھی ایک قسم کی رکاوٹ تھی۔ کھنڈے میں بمقابلہ باؤنٹن
سے بڑا ہوتی ہے کہ بار بار ڈوب لینا پڑتا ہے۔

کرامت حسین بہت جلد لکھتے تھے اکثر اس قدر جلد کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ نقل کر رہے
ہیں۔ الفاظ یا عبارت میں رد و بدل بہت کم کرتے تھے اور اسکی ضرورت
بھی نہ ہوتی تھی۔ بقول ایک انگریزی شاعر کے جو لکھ دیا وہ لکھ دیا۔

ڈاکٹر ستراتن صاحب بہادر دل میں نہایت بخیم اور رقیق القلب تھے مگر باطن
سے کام لینے کو انھوں نے اپنا ظاہری طریقہ یہ رکھا تھا کہ بہت ساعل مچاتے تھے
اور کبھی زبان سے بڑے لفظ بھی کہتے تھے مقرر ہونے کے کچھ دن بعد یہ
کرامت حسین صاحب مدوح کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ آج بہت
ہی عجیب گزارش کرنے آیا ہوں جہاں تک امکان ہے دیانت اور مستعدی
سے اپنا کام کرونگا مگر آدمی ہوں غلطی ممکن ہے اگر کبھی کوئی قصور ہو تو جلدی نہ کریں
تقریرات ہند میں قانوناً مقرر ہیں اور میں سے حضور جسکے لائق سمجھیں وہ نہ امجاو
دین مگر بد زبان نہ فرماوین اسلیے کہ اسوقت معلوم نہیں میں اپنے اختیار میں ہوں
یا نہ رہوں فرمایا "جاؤ لڑکا جاؤ" دنیا کے کاموں میں فقط نیکو اور ایماندار ہونا
کافی نہیں ہے بلکہ ہوشیار بھی اور محنت سے خوب کام کرنا چاہیے۔

ایجنسی بونڈیل کھنڈ میں میرنشی ہونے کے عہد میں رید کرامت حسین صاحب
نے کبھی کسی ریاست سے ڈایون کے ساتھ نذرانہ کار و پیہ نہیں لیا ہمیشہ
حکام کو اوپر لپکا بھروسہ رہا علاوہ فرائض منصبی کے دو نمایان کام ان کے
پیر دہوے اور دونوں کو نہایت قابلیت اور دیانت سے انجام دیا جاگیر گروہار
کے رئیس فوت ہو چکے تھے انتظام برائے نام جاگیر دار کی بیوہ کے سپرد تھا
اگر بعض اہلکار اپنے اپنے مطالب کے موافق جو چاہتے تھے کرتے تھے ایجنسی کو

اویسے ہوئے مصائب اور رشتہ داران جاگیر کے مسلسل غریبوں سے اذیت تھی
اور بیوہ بچی کے پر آمادہ نہ تھی صاحب پولیٹیکل ایجنٹ یونڈیل کنڈل نے
وہاں کے حالات جانچنے اور رپورٹ کرنے کے لیے سید کرامت حسین
کو منظور می جناب صاحب ایجنٹ گورنر جنرل سسٹنٹ انڈیا مقرر کیا سید
کرامت حسین صاحب نے وہاں کے سب معاملات کو سنبھال لیا اور بیوہ کو وہاں
کے متبھی نامزد کرنے پر آمادہ کر کے درخواست دلائی اور دونوں کا کارڈ
جاگیر حضور میں صاحب پولیٹیکل ایجنٹ بہادر یونڈیل کنڈل کے پیش کر دیا اور دو
میں سے ایک کا متبھی ہونا گورنمنٹ آف انڈیا سے منظور ہو گیا۔

جاگیر بری اور زمینداران بری میں چند درجن تکرار بریوں سے چلی آ رہی تھی
اور ہمیشہ اون سے ایجنسی کو تکلیف رہتی تھی اون کے معاملات کو سمجھ کر فیصلہ
کی صورت نکالنا سید کرامت حسین صاحب کے سپرد ہو دیا وہاں کے ایسی
معتواں صورتیں نکالیں جنکو جاگیر دار اور زمینداران نے قبول کر لیا اور اُنسی
مطابق فیصلہ ہو گیا۔

سیر منشی ہونے کے عہد میں ایک دن سید
کرامت حسین صاحب کچھ کاغذات ڈاسٹر
استراخان سب کوٹنارے تھے کہ انگریزی دفتر کا ایک بھڑا کاغذ آتا
کرسٹ کو لایا عطر لگا ہے ہوسے تھا اور جب وہ دستخط کرانے لگا تو ایک بھڑا
سب کوٹنارے کی خوشبو آئی دستخط کرانے والے بھڑا کی طرف متوجہ ہو کر
کیا تم بڑی سب سے اسنے کو خوشبو کی ہے سب سے سب کوٹنارے سب سے
تر انھماں میں دوسب سے اور دل میں غم کیا کہ بھی عطر نہ تھا
میں انکو کر تے کہ سادہ نہ تھی باہر اجمال تھا کسی دن کسی

ہوشیاری کفایت شعاری اور قابلیت سے چلا یا ہے۔ غیر قابل اطمینان نتائج
ایسے اسباب کا نتیجہ ہیں جو طاقت بشری سے باہر ہیں۔

جب ریاست باؤنی کا چارج مولانا سید کریم حسین صاحب نے عظیم الامرا
نظرالدورہ معین الملک صاحب جانیہ میں سرزاد نواب محمد حسن خان صاحب
والی ریاست کو سونپا اس وقت ان موصوف نے رو بکارہ۔ اکتوبر ۱۸۸۲ء میں فرمایا
”سپرٹنڈنٹ صاحب (سید کریم حسین) موصوف نے بنگال دیانت و نیکی نیتی
و مستعدی اپنے کار منصبی کو انجام دیا اور باوصف خرابی فصلین و کم مانگی و قحیم حالی
رعایا و علاقہ و قلت داخل و کثرت مخارج بگڑے ہوئے کام کو بہ سہولت چلایا اور
جملہ متوجہین ریاست کو رضامند رکھا۔“

باؤنی کے سپرنٹنڈنٹ ہونے کے عہد میں کوک صاحب بہادر جو بعد کو برصغیر میں کشتن
ہوئے تھے بونڈیل کھنڈ کے پولٹیکل ایجنٹ تھے جب تک وہ سید کریم حسین
صاحب سے واقف نہ تھے اس وقت تک تو خیر ناگفتہ بہ بدگمانی تھی لیکن آگاہ ہونے کے
بعد وہ بہت ہی بھروسہ کرنے لگے تھے ایجنسی میں جتنی مشکل اور دیانت اور
قابلیت طلب معاملات ریاستوں کے پیش آتے تھے ان میں صاحب موصوف
سید کریم حسین صاحب سے مشورہ اور مدد لیتے تھے صاحب کشتن بہادر
بھانسی کو چھٹی مرقوم ۱۲۱۱ء میں بدین خلاصہ ترجمہ لکھتے ہیں۔

”میتے سید کریم حسین صاحب کو جاگیر توری فتح پور کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ بیوہ
جاگیر دار کے انتظام جاگیر کی باتہ رپورٹ دین یہ مشکل اور ایسا کام ہے جس کے
لیے میں کسی کو اپنے بجائے نہیں بھیج سکتا جب تک محکوم سپرنٹنڈنٹ اعتبار نہ ہوتا
کیونکہ اس کو بہت سے لاپرواہی کا سامنا ہو گا اور اس کے تدریس کا سخت امتحان ہو گا

اسی اثنا میں بہت نازک اور دیانٹ و عقل کے جانچنے والے اور ذوق کام سپید کرامت حسین صاحب کے سپرد ہوئے اور انھوں نے دونوں کو اپنے اسلوب سے انجام دیا۔ ریاست دتیا سمیت ہاونی وغیرہ میں بیٹو اتدی کی نہر نکلنے والی تھی اور بہت تردد تھا کہ روسا ہندوستانی سے کیونکر مناسب معاملہ بابت لینے انکے زمین کے کیا جا سکے گورنمنٹ آف انڈیا نے صاحب کشر بہادر جھانسی کو اپنی طرف سے ستر کیا اور انجینیسی کی طرف سے سید کرامت حسین صاحب مقرر ہوئے پٹنیکل ایجنٹ بہادر بوندیل کھنڈ نے سرکاری تجربہ میں لکھا تھا کہ جو دیر محلو جواب دینے میں اہتک ہوئی وہ اہوجہ سے ہوئی کہ کوئی قابل اعتماد شخص میسر نہ تھا اب سید کرامت حسین صاحب کو فرصت ہو گئی ہے اور انجینیس تجویز کرتا ہوں۔ سید کرامت حسین صاحب نے جناب مہاراجہ صاحب دتیا اور سمیتھر کو نہایت خوبی سے اس بات پر راہی کر لیا کہ اپنی زمین کا معاوضہ لے لیون اور نہر نکلنے دین رضامندی کے خریطے انجینیسی میں پیش ہو گئے اور سب باتیں آسانی سے طے ہو گئیں۔

دوسرا معاملہ بہت ہی اذیتناک تھا ریاست
دوسرا معاملہ سمیتھر کا ایک پرگنہ امرامترہ سال سے ریاست سے جدا
تھا اور اس جدائی سے چیدگیان پڑتی تھیں انجینیسی کا کام زیادہ ہوتا تھا
انجینیسی نے چاہا کہ پرگنہ ریاست میں ملجا سکے اور علی بہادر قابض پرگنہ کو ہتہ
معاش لے اندیشہ تھا کہ علی بہادر سرتابی کریں گے اور گورنمنٹ کو داب حکومت
ظاہر کرنا پڑے گا پرگنہ فٹل کرنے کے واسطے پٹنیکل ایجنٹ نے سید کرامت
حسین صاحب کو تجویز کیا جو دور اندیشیان اور تدبیریں سید کرامت حسین صاحب
نے کیں انکی تفصیل طول سے خالی نہیں۔

سید کرامت حسین صاحب کو امرایا گیا انھیں ایک گورنر جنرل سنٹرل انڈیا نے
 مقام نیا گاون سے جا ہی فرمایا وہ حکم معمولی طریقہ سے اٹھلیسی نو بدل کر لے کر
 گیا وہاں سے باؤنی بھیجا گیا لیکن کرامت حسین صاحب سلم پوٹ سے
 سپریم مقام نیا گاون آئے انھیں گورنر جنرل سنٹرل انڈیا نے
 جب صاحب پوٹ لے کر آئے تو ان کے پاس گیا اور ان کے ساتھ
 انھوں نے فرمایا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو تو امرایا نے حکم دیا ہے
 سید کرامت حسین صاحب نے کہا کہ مجھے تک حکم میرے پاس نہیں ہے
 کہ حکم پہنچا ہوا ہے یا نہیں ہو تم جہاں سے اس کی شکل لیا اور اس وقت
 امر کو روکا ہو کرامت حسین صاحب نے عرض کیا کہ یہ سبب یہ امر تاکہ
 آگیا اور اجازت ہو تو میں کل روانہ ہوں فرمایا تم ایک ہفتہ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا
 ہو اگر انکو خبر ملی کہ تم یہاں ہو تو وہ ہم سے ناخوش ہونگے کرامت حسین صاحب
 نے عرض کیا کہ خواہ اس سبب آوے یا نہ آوے میرا وعدہ کرتا ہوں کہ آج شب
 کو تیا گاؤں میں نہ رہوں گا امر کی ٹرٹ چلا جاؤنگا کہ اگر اچھا اب یہاں سے چل
 جاؤ اور کسی گھر میں جا کر چھپ رہو اور صبر کرو مگر نہ جاؤ تاکہ ایک ہفتہ گورنر جنرل
 تم کو دیکھ لیں سید کرامت حسین صاحب اپنے ایک دوست کے گھر میں
 چلے گئے عشاء تک وہیں رہے اسباب کا انتظار کرتے رہے مگر نہ پہنچا
 رات کا کھانا کھانے کے سید کرامت حسین صاحب نے اپنے دوست سے
 کہا کہ گھوڑا سواری کا منگا دینا اسی وقت جانا ہے دوست نے فرمایا رات
 ہے کہ ان جاؤ گے گھر میں صبح صادق ہوتی ہے چلے جانا کہ کرامت حسین صاحب
 نے کہا کہ میں صاحب پوٹ لے کر ایک ہفتہ سے وعدہ کیا ہے کہ رات کو تیا گاؤں میں
 نہیں ٹھہروں گا اور غلطی نہ وعدہ نہیں کر سکتا ہوں کہ میرے دوست سے کہیں

راستہ کے قریب گھوٹے پر سوار ہو کر اکر کیطرت روایت ہو سب اور نیا گاؤں سے چار میل دیکر
ایک گاؤں کے باہر ایک میل کے نیچے گاؤں کے چوکیدار سے چار پائی منگا کر پہنچے۔
پہنچنے کا شوق کرامت حسین صاحب کو حق پینے کا بہت شوق
تھا اور نہایت تکلف کا حق پینے کے خود تبا کو بناتے تھے خود وغیرہ بناتے تھے
خود تو بناتے تھے کبھی کبھی رمضان میں اونکا پھرا ہوا حق جسکی حلیم پر اعلیٰ کا
دیکتا ہوا انگارہ آدھ سیر کا رکھا ہوتا تھا انظار کے بعد سے سحر تک رہتا تھا لیکن
اوس شب کو جب حق نہ ملا تو گونہ اذیت ہوئی اور کرامت حسین صاحب نے
سہم کیا کہ آج سے حق نہ پونگا اور اسے بعد بقیۃ العرقہ نہ پیا۔

چائے چھوڑنے کا قہقہہ بھی انہی کے قریب قریب ہے سن ۱۲۹۷ھ میں چائے پینے
میں بہت انہماک ہو گیا اور چونکہ فطرت میں تھا کہ بوچیر ہو وہ حد کی ہو اس لیے
یہ خیر شرع ہو کہ چائے کا نہایت عمدہ اور قیمتی سامان فراہم کیا جانے تمہینہ کیا
تو معلوم ہوا کہ پندرہ سو روپیہ کے قریب صرف ہو گا ایک دن چائے صبح کو
جب بلکے تو یہ خیال شروع کیا کہ آج سے انشاء اللہ چائے کا سامان فراہم کرنا
شروع کرونگا تھوڑی دیر کے بعد دل میں خیال آیا کہ کیا یہ نفس پرستی نہ ہوگی
کہ تین پندرہ سو روپیہ چائے کے سامان میں صرف کروں کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ
چائے پینا ہی چھوڑ دوں نفس رافض نے طے کیا کہ چائے چھوڑ دینا بہتر ہو گا
اور اس دن سے چائے چھوڑ دی کبھی اگر کوئی صاحب بہت مصر ہوے تو انکے
افوش کرنے کو سید کرامت حسین صاحب تھوڑی سی پیار پی لیتے تھے ذہین
جب امرامین تھے ایک خط چرکھاری سے برین معنوں آیا کہ تمہارے بڑے
ابنائی سید عیسیٰ حسین صاحب شدید بیمار ہیں آخری دیوار دھینا ہو
تو سید کرامت حسین صاحب نے جواب لکھا کہ میں نہایت مہتمم خدمت

یہاں بامورد ہوں ہے اجازت صاحب پولنگل ایجنٹ کے ہیں نہیں سکتا
 درخواست کی ہے اگر اب رت ملی تو آؤنگا ورنہ سمجھونگا کہ چرکھاری میں شہادت
 کے وقت جب لاٹھا وہی آغری دیدار تھا جن صاحب سے خط لکھا تھا انکو اور
 جناب مولوی سید عنایت حسین صاحب اور دیگر اقاہب و احباب کو یہ مضمون
 ناپسند آیا مگر سید کرامت حسین صاحب نے پروانہ کی ایکسی سے اجازت آئی
 اور خط پھونپنے کے دوسرے دن خود کرامت حسین صاحب بھی چرکھاری پہونچے
 شام کا وقت تھا دیکھا کہ جناب مولوی سید عنایت حسین صاحب بستر پر لیٹے
 ہیں کرب سے کراہ رہے ہیں پوچھا کیا ہے انھوں نے بدشواری کہا کہ دل میں
 شدید درد ہو رہا ہے کرامت حسین صاحب تھوڑی دیر تک مریض کو بت
 غور سے دیکھتے رہے اور کہا کہ دل میں ہرگز درد نہیں ہے اس کے آثار اور
 ہی ہوتے ہیں عجب نہیں کہ پھری مشانہ کی طرف آ رہی ہے اور اسی کا یہ
 درد ہے آپ بالکل مطمئن رہیں مرنے کا ذرہ بھر اندیشہ نہیں ہے یہ عرض
 کرنے کی وجہ سے جناب مولوی سید عنایت حسین صاحب کو گونہ سا کون ہوا
 اور تھوڑی دیر بعد وہ پیشاب کو گئے اور ایک چھوٹی سی پھری خارج ہوئی
 درد جاتا رہا سب خوش ہو گئے مگر صاحب نے خط لکھا تھا انھوں نے
 شکایت کی کہ جب باخط اپنے لکھا بھلا کی ایسا خط لکھتا ہے سید کرامت حسین صاحب
 نے جواب دیا کہ جو حق تھا وہ لکھا اس میں یہ خیال آگیا کہ سید کرامت حسین صاحب
 کو تشخیص امراض میں فطرتی ملکہ تھا وہ مشائخ جو شہادت
 یاد آئیں درج ہیں چرکھاری روانہ ہونے سے پہلے
 کنوڑ میں تقسیم دیات کے بارش کا موسم
 ان کے ایک رشتہ دار جو ایک صاحب کے بیان

تشخیص امراض

حاصل

منسوب ہو چکے تھے مگر شادی نہ ہوئی تھی اکثر اپنی سسرال ساہا کر رہے تھے۔
 دیہاتی شرم کی وجہ سے دیہاتے کا اعلان نہ کر سکتے تھے ایک شب کو قریب
 دس بجے رات کے عزیز موصوفہ کے گھر سے ماما آئی اور سید کرامت حسین
 صاحب سے کہا کہ آپ کے عزیز موصوفہ کی طبیعت بہت ناساز ہے انکے والد نے
 آپ کو طلب کیا ہے جلد چلیے سید کرامت حسین صاحب و بان گئے اور عرصہ
 موصوفہ کو دیکھا کہ پندرہ پندرہ منٹ کے بعد غشی کا دورہ ہوتا ہے۔ انہیں
 عزیز اور حاضرین سے پوشیدہ کر دیا کہ آخر کیا ہو جاتے ہے کیا اسباب پیش آتے ہیں
 کانٹا لپیٹاں جواب نہ دیا کسی نے کہا آسید صاحب کسچی کہا شاید جنون ہے سید
 کرامت حسین صاحب چونکہ اپنے باپ کی زندگی میں بہت سے مار گزیدہ گذر
 کر چکے تھے اور جائے اسکے کیا آثار ہونے ہیں آسید کا عقیدہ نہ رکھتے تھے نہ سچی کہ
 کہا کہ میرے نزدیک انکو سچے کاٹ کھایا ہو جب عزیز موصوفہ نے سن لیا کہ سانپ کے کاٹنے کا
 احتمال ہونے لگا ہر وقت انہوں نے حجاب کو بالاسے طاق رکھ کر کہا کہ جی ہاں میں
 فلان جگہ اپنی سسرال گیا تھا اور وہاں سانپ نے کاٹا پیٹھ میں نکالی
 لگائی کئی جھاڑ پیڑ تک ہوئی مجھ کو سکون ہوا گھر چلا آیا سید کرامت حسین
 صاحب نے جسم کا وہ مقام جہاں کاٹا تھا دریافت کیا اوسکو چیرا نو سادر بھر
 بہت سا خون نکلا اور جو دوائیں اسوقت مار گزیدہ کے علاج کی مصلوہ تھیں
 استعمال کیں وہیں تمام رات بیسار کے ماتھے جگتے رہے اور ان کو
 جگاتے رہے دوسرے دن وہ رشتہ دار اچھے ہو گئے۔ اسی زمانہ میں ایک
 صاحب کو چکیاں شروع ہوئیں اور یہ نوبت پہونچی کہ چکیوں کی کثرت سے
 بات کرنا دشوار ہو گیا سینہ وغیرہ پر خفیف سا درم آنے لگا مریض کو بہت پیشانی
 ہوئی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے سید کرامت حسین صاحب بلائے گئے

اور انہوں نے دو شہر سفید زیرہ خوب باریک پیکر پلا دیا پندرہ منٹ میں
یا تو مرض اپنے کو موت کے موتمن جانتا تھا یا اچھا ہو کر مسکراتے لگا اور چکیاں
بالکل رک گئیں۔

ریاست مستعمر کا معاملہ ختم ہونے پر
خوشنودی گورنمنٹ

اپنی چھٹی مرقوم ۲۰ جون ۱۸۸۳ء میں بدین خلاصہ ترجمہ فرمایا: میں آخر میں
صاحب ایجنٹ گورنر جنرل کے ملاحظہ میں اس کامل طریق عمل کو لانا چاہتا ہوں
جس سے مولوی کرامت حسین صاحب نے تمام اُن تفصیلی خدمات کو کیا
جو پر گزشتہ سال کے مترہ سال جدا رہنے کے بعد مستعمر میں شامل کرنے کی بابت
ورکار میں خاص ۱۰۰۰ افسر کی قابلیت کی جانب منسوب کرتا ہوں
اور نہ سمجھتے ہوئے دو بھائیوں کے مابین ظاہر ہوئی جو اپنے بچپن سے
باہر دگر سخت دشمن تھے جو شواہد بیان اس کام میں حائل تھے، یہ سب
تسلیم کی تھیں اور جو نتائج پیدا ہوئے وہ برمی امید بآں سے لینے والے افسر کی
امید سے بالاتر ہیں، صاحب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر سنٹرل انڈیا نے
اپنی چھٹی مرقوم ۲۱ جولائی ۱۸۸۳ء گورنمنٹ آف انڈیا کو بدین خلاصہ ترجمہ کیا
فرمایا ہے: "مولوی کرامت حسین کے طریق عمل کی بابت میں صاحب
پولٹیکل ایجنٹ کی عمرہ رسے کی تائید کرتا ہوں، انہوں نے وہ کامیابی حاصل کی
ہے جس کا ظاہر ہونا ہمارا حق مستحق اور علی بہادری کے تعلقات سے ناممکن تھا
اور وہ گورنمنٹ ہند کی نمایاں اظہار خوشنودی کے مستحق ہیں۔"

صاحب سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا نے چھٹی مرقوم ۱۸ ستمبر ۱۸۸۳ء
صاحب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر سنٹرل انڈیا بدین خلاصہ ترجمہ فرمایا:

گو تیرے بھائی کو قتل کرنے پر گنہگار کے بدولت لکھنؤ میں یا بمبائے کے
 کال لکھنے کی خبر کو جو مولوی سید کرامت حسین صاحب کی کوشش اور قوت فیما
 سے مشورہ میں آیا خوشنودی سے ہٹا کر نمڈ آف انڈیا اس کا بگڑا رہی کی قدر
 فرماتی ہے۔ سید کرامت حسین صاحب کی ایسا انداز ہی نے نواب صاحب
 ریاست باونی کو اون سے ناخوش کر دیا اور نواب صاحب نے انکی بہت ہی
 شکایتیں ایجنسی بوندیل کھنڈ میں پیش کیں جو سب بے جہل ثابت ہوئی ایک بار
 یہ شکایت کی کہ کرامت حسین صاحب مال گزاری کے وصول کرنے میں عیاض
 پر سختی کرتے ہیں اور بالمشافہت سب پولیٹیکل ایجنٹ سے ایسا کہا کرتے ہیں
 صاحب نے جواب دیا کہ میں وصول بالگزاری میں صرف وہ طریقے اختیار کرتا
 ہوں جو قانوناً جائز ہیں کسی کی سنی و سفارش یا کسی لالچ سے نازیبا نرمی نہیں
 کرتا اور یہ سب کوشش و سختی اس لیے کرتا ہوں کہ روپیہ وصول ہو اور حضور
 نواب صاحب کو اذکار و وظیفہ وقت پر پہنچتا رہے نواب صاحب مدفع جتنی
 نرمی اپنا وظیفہ لیتے ہیں فرما بہن اتنی ہی نرمی میں مالگزاری وصول کرتے
 ہیں حضور کر دنگا اس جواب نے سختی کی شکایت کا دروازہ بالکل بند کر دیا
 جب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر دہلی پر اسے تو شکایت کی کہ انتظام میں خود مدد
 کرتے ہیں ہم سے مشورہ نہیں کرتا نہ رائے لیتا ہے سید کرامت حسین صاحب
 سے جواب پوچھا گیا اوکھون نے کہا کہ ریاست گورنمنٹ کی نگرانی میں ہر صاحب
 پولیٹیکل ایجنٹ بہادر بوندیل کھنڈ تمام کاموں کی نگرانی فرماتے ہیں جب تک
 ریاست گورنمنٹ کی نگرانی میں ہے اس سے مشورہ ضروری نہیں ہوتا
 گورنر جنرل نے تمام شکایتوں کے جواب میں ہی لکھ دیا
 ہیں اور ان کے ہوا خواہوں کو صرف ایمان داری کی وجہ سے ایسی ہیالہ

ہو گئی تھی کہ کرامت حسین صاحب اپنی جان اور عمرو کو خوار سے میں جانتے تھے۔
 اگر طرے کے چپ اٹھا کر بالکل نہ بیان نہ ہوئے پاس تھے رات کے دس بجے کے
 بعد کرامت حسین صاحب اپنے مکان کے دروازے کو خود اندر سے بند کر کے
 اوپر میں قفل ڈالتے تھے اور تلوار اور دونوں بندوق اور پیچہ بھر کر اپنے پاس
 رکھ لیتے تھے اور چار بجے صبح کو خود قفل کھولتے تھے۔

جب کرامت حسین صاحب ریاست باون میں
 ایفاس کے وعدہ

سپرٹاٹ تھے اسی زمانہ میں مولوی سید
 محمد علی صاحب مرحوم ساکن میرٹھ کالپی میں ڈپٹی کلکٹر ہو کر آئے اور سید
 کرامت حسین صاحب عید الفصحی کے دن ان سے ملنے گئے کہ وہ سے
 ساتھ تک ڈاک میں گھوڑا تھا اور سید کے بند نالہ کے پاس سے کالپی تک پہنچے
 تھا جس کے وقت جیت کرامت حسین صاحب نے کالپی سے چلنا چاہا تو سید

وہاں بیٹھ کر سنے لگا اور مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم نے باصرہ اور وہ
 جانے سے منع کیا یہ کرامت حسین صاحب نے جواب دیا کہ میں آج ہی
 واپس چلنے کا وعدہ کر آیا ہوں اور خلافت و مدہ کرنا اخلاقی گناہ کبیرہ جانتا
 ہوں آپ یہ کہیں نہیں میں ضرور جاؤں گا یہ کہ کمر تانگہ پر سوار ہو سکے اور رک ورنہ
 چلے بارش کا ہوش۔ یہ وہ ہوا اور جب وقت نالہ پر پہنچے تو نالہ لبالب بھرا ہوا

زور شور سے بہ رہا تھا مغرب کا وقت قریب تھا گاڈمیان کے ہوش چلے
 رہے تھے غرض کیا کہ میں تو کسی طرح سے بھی نالہ پر کر پار نہ جاؤں گا یہ

کرامت حسین صاحب نے کپڑے اتارے لنگ
 باندھی کپڑے گھڑی میں باندھ کر ساتھ لیے اور نالہ
 میں کودے پانی کے زور سے دور تک پہنچے

قرین شیشا وری
 کاٹو

مگر اس پارنگے اور سائیس سے کہا کہ گھوڑے پر زین کسے اوڑھنے عتس کیا کہ
 زکیر دین وغیرہ سب ایسے گیلے ہو گئے ہیں کہ بندھ نہیں سکتے سید کرامت
 حسین صاحب نے کہا کہ لگام لگا کر تنگی پیٹھ گھوڑے کو لے آؤ گھوڑا تنگی پیٹھ آیا
 اور سپر سوار ہو کر دورہ روانہ ہوئے رات اندھیری تھی پانی برساتا تھا بجلی لگتی
 تھی بارل گرجتا تھا کچی مرگ تھی اونچی پنچنی زین تھی جا بجا گھوڑے کے سم
 اگر ٹھونکن گھس جاتے تھے مگر یہ امور مانع نہ ہوئے اور کرامت حسین صاحب
 دس بج رات کے قریب دورہ اپنے گھر پہنچے دروازے پر جو سپاہی پہرہ پر
 تھا اپنے ہاتھ دھستے نہ پہچانا اور بٹوکا کہ کون آ رہا ہے جب کرامت حسین صاحب
 سے آواز دی کہ میں ہوں اسوقت وہ دوڑ کر پاس آیا اور بحیرت سلام کیا۔

عبداللہ زمرت باونی مین ایک دفعہ سادون
 مین کرامت حسین صاحب کو نیا گاڈن

جائگی ضرورت پڑی بجز ایک ٹھوکے کوئی اور سوار نہ تھی بدشواری دہلی پو
 پہنچنے شام ہو گئی تھی بارش کا جوش تھا سراسے مین ٹھہرے جس کو گھڑی مین
 سے وہ متعدد مقام سے پکیتی تھی اور پانوں پھیلا کر سونا نامکھن تھا ناچار ادھمک
 چار پالی پر بیٹھ گئے اب رعد کی گرج اور بجلی کی چمک بیشے زور سے شروع
 ہوئی اور ہر پانچ منٹ کے بعد اندیشہ ہوتا تھا کہ بجلی مندر پر جو سراسے کے
 پاس سے گری ہے پیہم رعد کی گرج اور بجلی کی چمک نے سید کرامت حسین
 صاحب پر یہ اثر کیا کہ وہ موت کے ڈر سے کھڑکھڑانے لگے زبان سوکھ گئی
 جسم سرد ہوسٹا لگا دس بارہ منٹ یہی حالت رہی اسوقت کرامت حسین صاحب

نے سوچنا شروع کیا کہ آخر یہ خوف کیسا مڑا ایک بائیس روپے اور ایک بار سے
 زیادہ مڑا چال ہے اگر بجلی گرتی ہے تو گرسختہ دوا اور موت آتی ہے تو
 اس خیال کا غور می اثر تو ہوا کہ لرزہ دتھم کیا جسم میں گرمی آئی نہ پاؤں تھوڑی
 در چار پائی ایک کوٹے میں بچھا کر بیچ تک سوئے در دالم خریہ ہوا کہ ایک
 بعد تمام عمر بھی بجلی کی چمک یا ٹکڑ سے دل پر کوئی ڈرا سے والا اثر نہ ہوا۔

جب تک سید کر امت حسین صاحب میر نشی ہے
 ذمہ داری کا

ان وقت تک اونہیں ذمہ داری کا احساس پیدا نہیں
 ہوا تھا تعظیلہ رین دفتر کا کام کرنا بہت ناگوار ہوتا تھا
 اگر بھی صاحب پولیٹیکل ایجنٹ کسی ضرورت کے لئے

لیے اتوار کو یا کسی اور تعطیل میں اپنی کوٹھی پر طلب فرماتے تھے تو تہہ پہو ہی ہوتے
 تھے مگر خیال کرتے تھے کہ صاحب ظلم کرتے ہیں چند بار صاحب کو فرمانا ہوتا تھا

کہ تم کام کرتے ہو مگر ذمہ داری کا احساس تم میں بالکل نہیں لیکن حسین
 باؤنی کے سپرنٹنڈنٹ ہو کر گئے اسی دن ذمہ داری کا پورا احساس شروع

ہو گیا اور اتوار دن اور تعطیلات کی بالکل پروا نہ رہی ہر وقت یہی فکر رہتی تھی
 کہ ریاست کے کام اچھی طرح سے پورے ہو جائیں اور جتنے کام تھے وہ یوں

انجام پاتے تھے کہ بھینبی کے ماتحتوں اور رعایا کو ادھر پورا پورا ہمسہ ہو گیا تھا
 انکی پیشی میں ایک سرشتہ دار تھا جو ذرا ب

عقبہ تقصیر کی مثال
 صاحب بہادر سے ملا ہوا تھا اور سید کر امت

حسین صاحب کی مخالفت میں کام لے کر تھا بندہ خدا کے نام سے بیسویں
 ہر بیان کر امت حسین صاحب کے خلاف ایجنسی میں بھیجتا تھا یہ بات
 سید کر امت حسین صاحب کو معلوم ہو گئی تھی مگر اس سرشتہ دار سے

نہ یاز پرس کی نہ سکو اپنے عہدہ سے ہٹایا لیکن جو امیر ہیں اسکو دستور نواب صاحب
بہادر نے دلائی یقین جب اونہیں کامیابی نہ ہوئی اسوقت اسکی سبب تنہائی میں
ایک دن سید کرامت حسین صاحب سے اپنی ناشائستہ حرکتوں کا اعتراف
کر کے عفو تقصیر چاہی اور اس شرط پر کہ آئندہ وہ اپنی حرکتوں سے باز رہے گا
اسکو معاف کر دیا۔

جب نواب صاحب بہادر نے بہت
سی شورش کی اسوقت سید کرامت حسین
صاحب نے انکی خدمت میں پیغام
بھیجا کہ آخر یہ سب تاہلایم طریقے کیوں
برتنے جلتے ہیں اگر حنفیہ کو مد نظر
ہے کہ ریاست میں سرکاری نظام

نواب صاحب کی شورش

۱۹ جولائی کرامت حسین صاحب

کا پیغام

نہ رہے اور خود دستور یا ولی عہد بہادر کام کرین تو صاف صاف خرلیہ اس
مضمون کا تقریر فرمائی اور میں پرزور شفاہش کے ساتھ ایکٹنسی میں بھیج دینگا
نواب صاحب بہادر کو اسکا یقین نہ آیا لیکن جب ۱۸۸۲ء میں ولیعہد بہادر
صاحب بالغ ہو گئے سید کرامت حسین صاحب نے ۱۸۸۲ء میں ریاست
کا چارج ارنے کے حوالہ کر دیا۔

ریاست باؤنی کا چارج دینے کی
بابت جب خط و کتابت ہو رہی تھی
اسوقت نواب پولیٹیکل ایکٹ ہناد
نے جناب ایکٹ گورنر جنرل بہادر

تقریری بعدہ وپوان

اور گارگزارہی

سندھ انڈیا کو لکھا کہ باؤنی کا چارج دینے کے بعد کرامت حسین صاحب کی

نسبت کیا ہو میری منشی کی جگہ خالی نہیں اور وہ افسر اپنی دیانت و لیاقت کی وجہ سے مستحق ہے کہ اسکو بہت خدمت پہر دیو جو پوزیل حیدر سے تو تحسین کی پہونچی اور ایجنسی پھوپال سے یہ تحریر پہونچی کہ ریاست نرسنگ گڑھ کے لیے ایک متدین اور قابل دیوان کی ضرورت ہے صاحب ایجنٹ گورنر بہار بہادر سنٹرل انڈیا نے کرامت حسین صاحب کو نرسنگ گڑھ کے لیے تجویز فرمایا اور وہ گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری سے نرسنگ گڑھ میں دیوان مقرر ہوئے پہلے ایک سال کے لیے پھر عیس کی خوشنودی سے زیادہ مدت کے لیے جبوقت سید کرامت حسین صاحب نے نرسنگ گڑھ کا کام شروع کیا اسوقت دیوان کسی قسم کا انتظام نہ تھا مال دیوانی فوجداری پولیس کو جدا جدا کر مافقروں کا باقاعدہ کرنا حفظ امن و داد دہی کے طریقوں کا آسن کر دینا یہ سب کرامت حسین صاحب نے بنا کیا علاقہ نرسنگ گڑھ کے زمینداروں نے ایجنسی میں بہت سی شورش کی اور جو انتظام سید کرامت حسین صاحب نے واسطے ترقی ریاست بابت آمدنی مال کرنا چاہے تھے اوسمیں کامیابی نہ ہوئی نرسنگ گڑھ کے عہد ملازمت میں سید کرامت حسین صاحب کو پسے برس شدید محنت کرنا پڑی تھی اکثر ایسے دن گزرتے تھے کہ چار بجے صبح کو اٹھ کر نہانے کے بعد وہ سو بجے دن تک اپنے ہاتھ سے تمام کاغذات پر حکم لکھتے تھے بعد ازاں کھانا کھا کر چار بجے تک مقدمات دیوانی فوجداری مال وغیرہ واجلاس عام میں فیصلہ کرتے تھے پھر نماز ظہر کے بعد وہ پیادہ تمام کارخانے ریاست کو ملائے کرتے تھے اور مغرب کے قریب واپس آکر نماز مغرب اور ریش اور غذا کے بعد ساڑھے سو بجے شب تک ریاست کی کارخانوں کی رپورٹ سنتے تھے نرسنگ گڑھ میں کسی زمانہ میں ایک ساہوکار دیوان ریاست تھا اسکو خفیت

جنون سا ہو گیا تھا ایک دن کرامت حسین صاحب اپنے حجر بنہ میں سرکاری کام کر رہے تھے کہ بازار کا ایک صراف آیا اور اسے ریکر لہا کہ سا ہو گا
 سابق الذکر میری دوکان پر آیا اور دوپہن کی سا ہو کار کا معاملہ
 تھیلی اوٹھا کر لے گیا جو شش انتظام کے شوق
 میں کرامت حسین صاحب خود اپنے ساتھ دو بچا ہیون کو لیکر اس صراف کی دوکان
 پر پیادہ گئے اور سا ہو کار بچوں کو بچھا بوجھا کر اپنی کوٹھی پر جمعہ اس بچہ تھیلی کے
 لئے آئے سا ہو کار کو ایک چار پائی پر دیوانخانہ میں بٹھا کر خود کھانے کو اپنے
 حجر بنہ میں گئے کھانا کھا رہے تھے کہ دیوانخانہ میں بہت زیادہ شور ہوا اور
 کرامت حسین صاحب نوالہ چیلتے ہوئے دیوانخانہ میں گئے دیکھا کہ سا ہو کار
 اپنی چار پائی سے اوٹھ کر اس طرف جا رہا ہے کہ جدھر تلنگون کے ہتھیار رکھے
 ہیں تاکہ بندوق یا تلوار قبضہ میں لا کر یا قتل کرے یا خود کشی پیرے کے
 تلنگے پر ایسا رعب چھا گیا ہے کہ وہ چلا تا تو ہے مگر کوئی صاف بات اس کے
 موٹھ سے نہیں نکلتی کرامت حسین صاحب کیفیت دیکھ کر سا ہو کار کی طرف جو بہت
 قوی ہیکل تھا جھپٹے اس کی گردن پر زور سے ایسا گھونسا مارا کہ وہ گر گیا اس کو
 پکڑ کر مشکین باندھیں اور اس کو چار پائی پر کھڑا کر کھانا کھانے چلے گئے جب کھانے
 سے فارغ ہو کر دیوانخانہ میں آئے تو دیکھا کہ سا ہو کار کے بہت سے رشتہ دار
 اور ملازم جمع ہیں اور انھوں نے بہت سی عاجزی کی اور عرض کیا کہ یہ
 بہت معزز ہے اور گولسنے ارتکاب جرم سنگین کا اقدام کیا ہے لیکن آپ
 مقدمہ قائم نہ کریں اور رحم کھا کر چھوڑ دیں کرامت حسین صاحب نے ان کی
 التجا کو قبول کر کے چھوڑ دیا گھر چلتے ہی سا ہو کار نے پولیٹیکل ایجنٹ گورنر
 جنرل اور گورنمنٹ آف انڈیا کو تار دے کہ کرامت حسین صاحب مجھ کو گھر سے

ایک کر کے باپریٹ کی اگاری پھپھاری لگا کر جس پر کیا ایکٹ گورنر جنرل
 نے صاحب پولیٹیکل ایجنٹ کو لکھا کہ کرامت حسین صاحب سے کیفیت طلب
 کرنا چاہیے اور اگر ضرورت ہو تو اوپر مقدمہ قائم کرنا چاہیے کرامت حسین صاحب
 سے کیفیت طلب ہوئی اور اونھوں نے تمام واقعات سے ہمہ واسطہ ملحدہ
 ریاست کے معتبر اہلکاروں سے نہ کہ سچے واقعات لکھنا اور زمین میں مایو کا
 اپنے بیان کو ہرگز ثابت نہ کر سکیگا اور ریاست میں اسکو گواہ نہ ملے گا یہ لکھنے
 سے مقدمہ قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے لیکن کرامت حسین صاحب نے اس کے
 مشورہ کو نہ مانا اور سب واقعات صاف صاف لکھ دیے کہا کہ اگر مقدمہ چلا کر
 ہو تو میرے فعل کا نتیجہ ہو گا لیکن صاحب پولیٹیکل ایجنٹ نے اس کی مدد کی
 اور مقدمہ قائم نہ ہوا۔

راجہ صاحب سابق کی ایک صاحبزادی

شاہی راجپوتانہ کی ایک راجستھانی

اور برات ساون بھادون میں غرسنگہ لکھی

کی براتیوں کے شہر نے کے سپہ کوئی اور

لکھی کی شادی

مکان سواسے اس کو کٹھی کے جس میں کرامت حسین صاحب رہتے تھے

نے ملا اور کرامت حسین صاحب نے بہ کمال فرحت کٹھی کو براتیوں کے لیے

خانی کر دیادس بارہ دن تک یہ طریقہ رکھا کہ پہاڑ کے اس قلعہ پر جا کر تیس

خود و اجہ صاحب رہتے تھے چھ بجے صبح سے گیارہ بجے رات تک رہتے

۵۵ کا م در برات کا انتظام کرتے تھے اور گیارہ بجے رات کو پاؤں ہڈیوں سے

اتر کر رستے پانی میں شہ کے دوسرے طرف کے پہاڑ پر جہان مندر اور باتا

پانی تھا جاتے تھے اور وہیں باقی رات بسر کرتے تھے شدت بارش سے

ایک شرب کو ایسا ہوا کہ بوجھ پراور سبک کی وجہ سے سونا نصیب ہوا قلعہ کا پہلہ
پانچا پانی سے قریب ڈیرہ میل تک پہنچا راہ میں پتھروں اور کنکریوں کی وجہ
سے راہ میں نثار ہو جاتے تھے لیکن پابریہ چلنے کی ضرورت ابوجہ سے پڑتی
تھی کہ پتھروں پر کافی جھجی ہوئی تھی اور پھسل کر گرنے کا خوف رہتا تھا۔

و اگر ایک سات کے دنوں میں ایسا آٹھ بجے دن کو خبر ملی کہ فلان گاؤں
میں جو رشتہ آٹھ سے پندرہ میل پر ہے ڈاکہ قتل واقع ہوا ملزمان گرفتار
ہوئے کریمت سین صاحب اس وقت گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے راہ
سیاہ و گایر نہایت بزرگ رفتی تھی اور گھوڑے کے سم چار چار اچھڑیں تھیں
و سن جاتے سے پندرہ میل بدشواری کوئی سات گھنٹہ میں طے ہوئے پوچھے ہی
راہوں کے اظہار لکھے لمز مون کے بیان میں اور آٹھ بجے رات تک دورہ سپر
رہا کہ لکھ لکھ دیا کہ ملزمان اچھڑی بھوپال کو بمقام سنہ پورہ چالان
رہے جا بہن مغرب کے بعد سے آٹھ بجے تک جو بیانات اور حکم لکھے مشعل
کی روشنی اور کیردن کے هجوم میں بدشواری لکھے گئے اسی وقت آٹھ بجے
رات کے سوا یہ کر مشعل کی روشنی سات لیکر تین بجے تک کے قریب
بدشواری نرسنگہ گڈھ پوچھے۔

راجہ صاحب کو شکار کا شوق اور
کتوں سے شوق تھا ایک بار ایک
تیندوا زخمی ہو کر بھاڑی میں چھپ
حضور راجہ صاحب اس کو ہلاک کر

راجہ صاحب نرسنگہ گڈھ
کو شکار کا شوق

کے لیکر چلے ایک کتا جیر راجہ صاحب عاشق تھے زخمی تیندو جس کو پوچھ
کہ کیا ہی میں گیا جس میں تیندوا تھا تیندو سے کہنے کو پوچھ لیا

کنا چٹا یاواں آواز درون گناک منکر راجہ صاحب کارنگہ رخ ہو گیا کتے کا منہ
 نور کرامت حسین صاحب انکی پر اضطرار حالت دیکر کتے کے بچے کو دوڑے
 بھاڑی میں جا کر دیکھ کر قہر سے کہے کہ بچہ کتے کے پاس ہے اور دونوں بھاڑی سے اندر
 لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں نہ کوئی لگا رہے گا موقع ہے نہ تلواریں کے ہاتھ لگتے ہیں
 محافظ نے ہمت کر کے تیندے سے کئی دھم کپڑی اور سپد کرامت حسین صاحب سے
 نیان سے تلواریں نکال کر تیر و سے کے حلق پر رکھ کر سب پیلا اوستہ پریشان
 اتار دیا جس سے وہ مر گیا اور کتے کو چھڑا لیا راجہ صاحب کی حالت منہ منہ
 کرامت حسین صاحب کو بچپن کر دیا یہ سوچنے کا موقع نہ دیا کہ اپنے کو کس خطر سے
 بچاؤ لیتے ہیں۔

سید کرامت حسین صاحب

کی مشقت اور محنت

کپڑی کا کام کرتے تھے۔

ایک بار جون میں جب شدید جک لون چل رہی تھی ٹھیک بار بجے دن کے بمبویں سے
 نرسنگہ گڈہ تک صرف ایک گھوڑے پر چلے آئے اور کوٹھی پر پہونچ کر خود آہام نہ کیا بلکہ آہر
 میں گئے اور چار سائیسوں کو بلا کر گھوڑے کی مالش کرانے کے لیے چھ بجے شام کے قریب
 حضور ہمارا راجہ صاحب تشریف لائے پوچھا کیا کر رہے ہو کرامت حسین صاحب کے کہنا کہ
 اس کیلئے گھوڑے پر پانچ گھنٹہ میں بیالیس میل آیا ہوں اب اتنی مالش کر رہا ہوں کہ
 کہنا یہ گھوڑا ضرور مر جائیگا کرامت حسین صاحب نے عرض کیا میں دوسرے دن
 کو راجہ صاحب پھر گھوڑے کو مالا خطہ لے کر تشریف لائے اور اسکو اچھا پایا۔

ابواب

سفر لندن و پارسی

نیرنگ گڈھے کے زمانہ میں از مدت میں عجیب اتفاق پیش آیا جو سید کرامت حسین صاحب
 ہنگامہ ستان لے گیا۔ ۱۸۸۵ء کے آخر میں سرلیپل گریفن صاحب بہادر جو
 سونت اینجینئر گوڈرہنر جنرل سنٹرل انڈیا تھے بتقریب دوزہ نرسنگ گڈھے کی سرحد
 پر خیمہ زن ہوئے ریاستی دستور کے موافق سید کرامت حسین صاحب اور
 ایک وزیر ریاست استقبال کو گئے راہ کٹنے کے لیے دو فون باہم مختلف
 مشایخ پر باتیں کرتے جاتے تھے سید کرامت حسین صاحب نے ہر قسم سے
 چچا کر آپ اپنی زندگی کا مقصود کیا جانتے ہیں معتد صاحب نے سوال
 کیا مطلب نہ سمجھا آئی سید کرامت حسین صاحب نے کہا کہ اگر آپ یہ سوال
 میرے پوچھنے کو میرا جواب یہ ہو گا کہ اول میں ڈاکٹری سیکہ کر بے منت خلو
 قوت لایوت پہل کر ورن بعد ازاں جتنا وقت بچے وہ منصب قوم کی بہبود
 میں صرف کر ورن حزب استقبال سے شام کے وقت واپس آئے سویت سید
 کرامت حسین صاحب عرض حال کے لیے راجہ پر تاب سنگھ صاحب دانی پر

کے حضور میں گئے ضروری حالات سن لینے کے بعد راجہ صاحب مدوح
 نے پوچھا کہ تم سے اور معتد سے راہ میں کیا بات چیت ہوئی۔ سید کریم
 حسین صاحب نے مقصود زندگی کے سوال و جواب کا ذکر کیا اور آخر میں
 کہا کہ مجھ کو اپنی بابت تو یہ خیال کرنا شیخ پبلی کا منصوبہ ہے مگر جن لوگوں کے
 اختیار میں تمام سامان ہے انہیں تو یہ ہے کہ انکو اپنے ملک و قوم کی ذمہ
 کا ذرا بھی خیال نہیں ہے راجہ صاحب نے فرمایا اس کا کیا علاج ہے سید
 کرامت حسین صاحب نے کہا کہ مثلاً حضور ولایت تشریف لے جائیں وہ ہر
 امور انتظامی سے آگاہی حاصل فرمائیں اور واپس آکر اگر ملک کو
 درست فرمائیں تمام راجپوت رئیسوں کو طلب علم و اصلاح کی بات و
 پر آمادہ کریں تو گورنمنٹ آپ کی بہت عزت کرے اور خدا بہت خوش ہو
 حضور مدوح نے فرمایا کہ ہم نائن جانے پر آمادہ ہیں کرامت حسین صاحب
 نے کہا کہ سمت درپار جانا آپ کی برادری کو مایوس نہ ہوگا آپ یہاں کیوں
 کر سکتے ہیں فرمایا کچھ ہو ہم تو جانتے ہیں کہ سید کرامت حسین صاحب نے کہا کہ
 مجھ کو بھی ساتھ لیجئے اور اجازت دیجئے کہ وہاں رہ کر ڈاکٹری پڑھوں حضور
 مدوح نے قبول فرمایا جب صاحب ایجنٹ آگورنمنٹس اور صاحب ٹیکس
 ایجنٹ نرسنگ گڈمین پہونچے اسوقت راجہ صاحب مدوح کے ولایت بانی
 تمام انتظام ہو گیا مگر صاحب پولیٹیکل ایجنٹ نے سید کرامت حسین صاحب
 سے کہا کہ جب راجہ صاحب بہادر تمکو ریاست کے سب سے واپس لے لیے
 بلاتے ہیں اور رخصت نہ تخواہ دیتے ہیں لازم ہے کہ تم ڈاکٹری پڑھو
 کیونکہ اس شعبے کی مست کو بڑا نفع نہیں ہو سکتا بیرسٹری کی سزا اور تھانہ
 شکر کے لیے پھر ریاست میں نہ کہ گورنمنٹ آگورنمنٹس کا انتظام کرو کر سکتے ہیں

نے اس سے کو مان لیا حضورِ احقر پر تائب سنگہ بہادر سندھ میں انکسٹان
تشریف لے گئے سید کریم حسین صاحب اوسکے ساتھ گئے آنچولائی سندھ
آئے تو راجہ صاحب مدد سے بھارت کی مقبالت کی سیر فرمائی پھر واپس یہ ہو کر چند
کروڑ ہو گئے سید کریم حسین صاحب سب سے بڑے پٹن میں شریک ہوتا پاپا پو
بندوستان میں کوئی انگریزی امتحان کی بات دیا تھا اس لیے تاریخ انگریزی میں
انگریزی میں ایک ابتدائی امتحان خود پڑھا کہ بارشری میں بھرتی ہو سیکے
یہ متعین ہوا اس ابتدائی امتحان کے لیے تاریخ انگریزی مقدار یاد کی تھی کہ ابتدا سے آخر
تک اور خیریت ابتدا تک حفظ پڑھاتے تھے جیسے یہ واقعہ سنائے کر امتحان میں صاحب
کہا یہ کیا حرکت تھی فرمایا میں مثل اس گھوڑے کے تھا جو گھوڑ دوڑ میں نہ دوڑا ہو
اور سب کو متعین نہ معلوم ہو کہ گھوڑ دوڑ کس کو کتنے ہیں مینے بگ ٹ بھاگنا شروع کیا
اس ابتدائی امتحان میں ماضی زبان بھی تھوڑی جاننا ڈرکار ہے مگر ہندیوں
کو اس وقت متعین کر دیتے تھے ابتدائی امتحان پاس کر سنے کے بعد سید کریم
حسین صاحب نے رومن لائٹ شروع کیا اور سال بھر میں اوسکا امتحان دیدیا جس کا
پاس ہو چکا تھا اسی اوسیدہ انیس امتحان بارشری کی تیاری کی اور تمام کتاہیں
جو امتحان میں لائی جاتی تھیں اوسیدہ مول لین انکے سب صفحہ گئے اور حساب کیا
کہ روزانہ بالترام سے کم دس صفحہ کے مطالب یاد کرے یہ جائیں تو یک سال میں
اسے سو سے زائد کریم حسین صاحب کے ولایت کے حالات نہ معلوم ہوئے کہ کن کن روزوں میں
کڑکڑ کن کن کن اور جلسوں میں شریک ہوئے صرف سفر معلوم ہو ہے کہ جناب ملا معطر
کی انویسٹمنٹ کی ٹی بی ایسٹ بل میں شریک ہوئے تھے سید کریم حسین صاحب میں
زیادہ نہ گئے ہیں گئے کہ اوٹھوں سے اپنا تمام وقت لندن میں بھی طلب علم میں صرف
کیا تھا۔

کامیاب ہو تا ممکن ہے اور جو قصد کیا تھا اسکو پورا کر دیا یا زسری امتحان کی تیاری
 کرنے کے پیمانہ تین سید کرامت حسین صاحب کے اوقات حسب ذیل تھے پانچ
 بجے صبح سے جاگ کر نماز و ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر آٹھ بجے تک زسری
 کے امتحان کی کتابیں بار بار مطالعہ کرتے اور یاد کرتے تھے آٹھ بجے ٹہا کر ساڑھے
 آٹھ بجے ٹھیک عاضری کھاتے پھر اسکے بعد تقریباً دس بجے دن تک تقریباً
 باہر ٹھلنے جاتے تھے اور ٹھیک دس بجے گھر واپس آکر ایک بجے دن تک پھر
 پڑھتے تھے اور اسکے بعد ٹھن کھا کر اور نماز وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے پانچ چھ
 میل روزانہ پیادہ چلتے تھے اس پیادہ رومی اور سیر میں جو کچھ دن کے چھ گھنٹہ میں پڑھ
 چکے تھے اسکو سوچا کرتے تھے کہ کتنا یاد ہے اور کتنا نہیں جیب میں کاغذ و پینسل
 رکھتے تھے جو یاد نہ ہوتا تھا اسکی بابت درج کرتے تھے اور دوسرے دن یاد کر لیتے
 تھے پانچ بجے گھر واپس آکر چائے پیتے تھے اسکے بعد پھر گھر سے بلا ضرورت خاں
 باہر نہ نکلتے تھے دوستوں یا گھر کے رہنے والوں سے علمی یا خوش کن مضامین پر
 باتیں کرتے رہتے تھے ساڑھے نو بجے شب کو اپنے سونے کے کمرہ میں جا کر سو
 دس بجے سے پہلے سو جاتے تھے اس التزام کا یہ نتیجہ ہوا کہ سید کرامت حسین صاحب
 سال خیر بعد پہلی ہی بار آخر امتحان میں شریک ہو سکے اور پہلی ہی بار پاس
 ہو سکے سید کرامت حسین صاحب کے اس وقت کے قانونی مبلغ علم کا اندازہ
 ایڈورڈس صاحب بیرسٹریٹ لاکھی سند مرقوم ہے جنوری ۱۸۸۹ء سے ہو سکتا
 ہے وہ بدین خلاصہ ترجمہ فرماتے ہیں ”سید کرامت حسین کا علم قانون انگریزی
 و سنی اور تنوع ہے اور امتحان کی ضرورتوں سے بہت زیادہ ہے اصول
 قانون کے کلیات و جزئیات مسائل کا احاطہ انکو اس درجہ ہے کہ وہ اس سے
 وفائت میں کام لے سکتے ہیں۔“

آغاستان یا برٹری دینیہ کے بعد سید کرامت حسین صاحب نے جاپان بھی
 گئے۔ مدت معاف ہو جائیں اور بعد ازاں آگے کی رخصت کیا گیا۔ مگر اس وقت
 نے اس بات کو منظور نہ کیا ورنہ سید کرامت حسین صاحب کو سال بھر کے قریب
 اور آستان میں بارہ مہینے پورا کر کے رہنا پڑا۔

سید کرامت حسین صاحب نے رومن بلا اور باقی بارشہ کی کتابیں جب
 یاد ہیں۔ مگر وہ کسی ایسا غرض یا دھرتی نہیں بنائی سائنس کے لئے جو
 آستان کے لئے ہے۔ دیکھئے، پھر یہ جو غرض ہے کہ قریب
 کتاب ازیر کر لیا۔ کہ بہار پورا اور پھر رومن لادون کو غور سے پڑھا
 کتاب اور کتب کے لئے سید کرامت حسین صاحب نے لاکھ ترچہ بھی پڑھ لیا تھا۔ لیکن کاجور
 اور دوسرے اور ایسے کتاب قانون معاہدہ اور ایڈورڈس کی پل پر اپنی
 اس یاد کی تھی کہ وہ آستان لکیر دیتے تھے اور یاد دہانے کا سہا رہے تھا
 پھر کتب میں بہت سے الفاظ و مضامین بیانیہ ہے ان کے دیکھیں اور ان
 لفظوں لفظوں یا ان کے معنی کی بات کتاب میں کیا لکھا ہے۔ یہ سائنس
 کے امتحان کے قریب سات مادے کے باقی ہیں اور سات ایک دن دیکھئے۔

اس سہ ماہی کرامت حسین صاحب نے پانچ سال
 آئے اور ان کا کہ میرا ایک نرہ سالہ تھا
 نکالنے کا ہے اور مجھے سے شمس اعظمی سید علی گڑھ
 نے تمہاری عربی دانی کی بہت تعریف کی ہے۔

ڈاکٹر لائٹ

نارنگا

میں چاہتا ہوں کہ امتحان کے پہلے نمبر میں ایک ایسا آکھل لکھ حسین صاحب
 اس رسالہ کی عزت و قدر علماء کے نزدیک ہو جائے کرامت حسین صاحب
 کے کہ ان کا کہ میرا امتحان قریب ہے اور ایسے وقت میں آپ کے لئے بہت

جو ایشیا و اوروپ میں اسحقا لک کر قابل قدر بناوے تو تہہ کرنا دشوار ہے و کثر
صاحب محضوف نے نہایت اصرار کیا کہ سید کرامت حسین صاحب نے
بادل ناخواستہ وعدہ کر لیا کہ ایک ماہ کے اندر ایک آرٹیکل لکھینگے وعدہ تو کر لیا
لیکن سوچنا شروع کیا کہ ہنر لکھیں تو کیا لکھیں کون ایسا مضمون لکھیں جو عالمانہ
بھی ہو جدید بھی ہو عربی نثر کی دستگاہ کیوجہ سے عبارت کا تو اندیشہ تھا
مگر مضمون کی بات بہ البتہ ایک دن اور ایک رات سوچتے رہے کہ کیا ہو چوب
سید کرامت حسین صاحب نے تفسیر کشاف کو بالاستیغاب پڑھا تھا اور
اوس میں اتنی نظر سے گزرا تھا کہ قرض ضرب مرکب قرض اور قرض ہے قرض میں
سے قریا ہے اور قرض میں سے "ضرب" اور اس طور سے دوہم معنی شلائی
صیغوں سے ایک رباعی صیغہ اوسے معنی کا بن گیا ہے سید کرامت حسین صاحب
کے نزدیک یہ توجیہ نہایت خلیل تھی اور اسی راے پر بناء اصول کلیہ کون و فساد
جس کو اب ارتقاء بھی کہتے ہیں اور زبانوں کے نمود عروج و انحطاط پر عامل ہے
یہ تھی کہ شلائی قرض کو جب باب تفصیل میں لے گئے تو قرض ہو اور بعد زبان
ایک ضاد (ض) را (ر) سے بد لکر قرض ہو گیا اس لفظ کی بنیاد
پر کرامت حسین صاحب نے یہ راے قرار دی کہ عربی آرٹیکل میں پہلی تہہ
یہ تہہ کرینگے کہ کلیہ کون و فساد زبان پر بھی عامل ہے اور رباعی شلائی سے بننا
اور زعفرانی کی تغلیط کر کے برادینگے کہ قرض ہے قرض بن گیا ہے قرض اور
قرض سے مرکب نہیں اور اس مضمون کو طول دیکر فضاے عرب کی زبان
میں ادا کرینگے یہ راے قرآن دیکر وہ برشیں میوزیم گئے تاکہ عربی کتب اخذ
دیکھیں اور اسکی مثالیں نکالیں کہ ضاد اور سے بدل سکتی ہیں زبان عربی
کتب کے داروغہ سے ملے اور انہوں نے کرامت حسین صاحب کو ایک کتب

جس کا نام سرالیا لائی، القلب الابدال فتح دکھائی سید کرامت حسین صاحب نے
اس کتاب کو نہایت غور سے مستند کتابات سے پڑھا اور عربی زبان کی ثابت
ہوئے یہ کلیہ بنایا کہ اوسکے اصلی مصاد و حکایت صوت سے پیدا ہوتے
ہیں اور عربوں کے قلب و ابدال سے فزعی مصاد و پیدا ہوتے ہیں رباعی و
خماسی شلائی سے بنجائے ہیں مصاد و کے تینوں حرفوں کو اصل میں فتح ہوتا ہے او
ماضی واحد کر غائب اور مکتوب صحیح طور سے نمایان کرتی ہے مشتقات و مزید فیہ
ماضی کے حرفوں کے اعراب بدلنے سے پیدا ہوتے ہیں لیکن مشتقات و مزید فیہ
کے کچھ کو ثابت کرنے کے لیے اوٹکویہ سخت دشواری تھی کہ "الیوم تنساہا"،
کے حرفوں کا جیسے مزید فیہ بنائے جاتے ہیں کیونکہ اعراب کی صورت میں ثابت کرن
اعدہ پورا کرنے کو ایک رسالہ لکھ دیا جس میں بیان کیا کہ عربی کے اصلی مصاد
حکایت صوت سے بنجائے ہیں اور ان کے حرفوں کے قلب و ابدال کی چند مثالیں
بھی لکھ دیں لیکن مشتقات و مزید فیہ میں جانیکی دشواری حل نہوی فقہ اللسان
یا عربی فیلا لوجی کی تکمیل کی غرض سے سید کرامت حسین صاحب نے عبرانی
و سریانی حاصل کرنا چاہی ایک یہودی سے عبرانی پڑھی ہفتہ میں دوبارہ جا
تھے وقت ۵ بجے سے ۱۰ بجے رات تک تھا عبرانی کے معلم نے ایک دہان
فرمایا کہ جو حرف "الیوم تنساہا" میں ہیں ان سے عبرانی میں مزید فیہ بنانے کا کام
لیتے ہیں اور ان حرفوں کو ایک سیاہ تختہ پر لکھا سید کرامت حسین صاحب نے
جب ان حرفوں کو سیاہ تختہ پر لکھا دیکھا تو ان کا چہرہ بشارت سے دھکنے لگا و بعد
ان کی حالت طاری ہو گئی عبرانی پروفیسر نے پوچھا کہ تم پر یہ کیا حالت طاری ہے
اس کا کیا سبب ہے سید کرامت حسین صاحب نے جواب دیا کہ میں عربی فیلا لوجی
در فقہ اللسان میں ایک مبدوط کتاب لکھ رہا ہوں سینے یہ رائے قائم کر لی ہے

سید اہل حسین کا شہید لکھنؤ سے ملا کہ سید عنایت حسین صاحب بہت عالی مرتبت ہیں
چلے آؤ سید کرامت حسین صاحب کے تار دیا کہ ذریعہ تار جلد جواب دو اب
کیسے ہیں جواب ملا کہ اونکا انتہا ہو گیا سید کرامت حسین صاحب کو اس خبر
سے بہت ہی غم ہو گیا مگر یہ بدوست قدار نے کام بیکرا دسی شہید لکھنؤ نے
وہ دیاں ہو چکر دیکھا کہ بھائی صاحب مرحوم کی بیوہ منکے دو بیٹے تین بیٹیاں
سب کرید کر رہیں ہیں صاحب کے غسل کی ضرورت ہے علاوہ ان کے خود
سید کرامت حسین صاحب کی ایک بیٹی بھاوج کے ساتھ ہے سید کرامت حسین
نے بیٹی پرستے کے بعد اپنی بھاوج اور بیٹے بیٹے کو اعلیٰ نشان دلا یا کہ پریشان
نہیں ہوئے ہیں موجود ہوں خیر ہو کر رہے گا اپنے بیٹے بھائی مرحوم کے عقاب
کی دیکھ کر سید کرامت حسین صاحب سید سے ترس کر گریہ لگے حضو راجہ
رہا بہت مند سید کا سپا شکریہ ادا کیا کہ صاحب اقر رین حاضر ہوں حضو
مرد نے نہایت مہربانی سے فرمایا کہ اب ہم آپ کو اپنی ریاست میں لے جاتے
آپ کی لیاقت زیادہ ہے۔

ترسنگ گدھ سے جواب ہونے کے
بعد سید کرامت حسین صاحب نے

اللہ تعالیٰ ہمارا ملہا

پہلے نام پانی کو روک دیا مگر دہج کرایا لیکن بیر شری شروع کرنے سے پہلے
حضو نے اسے صاحب بہادر اور چھوٹے بہ منظور می گورنمنٹ آف انڈیا انکو
جس ریاست میں مدایا نام کر دیا حضو سے ہی دن میں ایسی صورت پیش
آئی کہ سید کرامت حسین صاحب کو اور چھوٹے سے جدا ہونا پڑا حال یہ اب یہ
بہ حضو بہادر صاحب بہادر ملک مصلحت کو زیادہ پسند فرماتے تھے
سے بدلیں نہ دیں ایک ریاست ہے۔

کرامت حسین صاحب خالص رستی کو اور جو حالت اہل دنیا کی اس وقت ہے
اوس میں ملکی مصلحت خالص سچ کو دیا جی سہی۔

ملازمت اور چھ کے زمانہ میں سید کرامت حسین صاحب کو اپنی بڑی بھتیجی کا
بھتیجی اور شہر کا عقد عقد کرنا پڑا گو ان کی عہد اسے بہت بڑی بھتیجی کے عقد ماتہ اور

ضروریات زیت ہے آئین وہ سامان تو لازم ہے جو خانہ داری کے لیے ضروری
باقی نمائش فضول ہے تاہم سید کرامت صاحب نے بہت سو و پیہ نمائش
ظاہری میں صرف اس لیے صرف کیا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ باپ زندہ ہوئے تو وہ
ضرور دھوم دھام کرتے اور اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ایسا صرف کر
خطا ہے اوسیدہ ن اپنی دختر کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا اور دختر کو نہ زیادہ
ویا نہ جدید کپڑے بنائے ایک نقد رقم داماد کو دی کہ اوس سے جو سامان چاہے
خرید کر لیں۔ دونوں نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے قدیم اسلامی شعائر کے چھٹا
میں سے ایک صاحب غشی سید جاوید حسین صاحب تحصیلدار ساکن ضلع
موجود تھے وہ سید کرامت حسین صاحب کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں
کی اس سادگی پر آفرین کہتا ہوں آپ نے بھتیجی کے لیے تو بہت سادہ ریف کیا
اور اپنی خاص بیٹی کو کمال سادگی سے بیاہ دیا سید کرامت حسین صاحب
نے کہا کہ اگر بھائی صاحبہ وغیرہ عزیزوں کے سہمہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو یہی سادگی
بھتیجی کی بابت بھی ہوتی۔

نمبر ۱۸۹ سے سید کرامت حسین صاحب نے
آغاز سیر سمری سمری شروع کی عادات راستہ بازی اور عادات

کوئی کی بھی نہ ملے۔ لوگوں سے جنکے نزدیک ایک جوتہ میں دس روپے
روپیہ پاس نہیں بھائی صاحب مرحوم کے خیال اور اپنی دختر کا بارہ روپہ آباد

میں سب ایسی ملاقات صرف مولوی سید محمد علی صاحب ڈپٹی انکمشنر
 ہو سکر تھیں ملازمت کی وجہ سے دوسری جگہ بدلنے کو پابرجا نہ ہو سکا
 کہ عام طور پر ان بین سلمان بارشمالائی سمجھے جاتے تھے ان سیاح کے ہوسے
 سید صاحب حسین صاحب کی صحت پر بہت ہی خطرناک اثر کیا ایک بار
 تو وہ موسم افکار سے بیوقوف ہو کر ہائیکورٹ کے زمین سے گر پڑے۔

پہلے ہی دن جب وہ ہائیکورٹ میں گئے اور
 پیرسٹری کا پہلا دن ان کے خاندان ہائیکورٹ میں (اس وقت تک بارشمالائی
 اور بیکسٹ کے کرے جدا گانہ تعمیر نہ ہوئے تھے) داخل ہوئے تو وہاں تو
 سید عبدالعزیز صاحب سی۔ آئی۔ اے۔ سید عبدالرؤف صاحب اور خان بہادر
 ڈپٹی سیکریٹری صاحب سے ملاقات ہوئی سید کرامت حسین صاحب کے اس
 کتاب پر بڑی حیرت ہوئی کہ کہاں تو پہلے مولوی یا مجتہد تھے اسکے بعد
 میونسٹی ہوئے پھر پرنٹسٹ اور اب بارشمالائی رہ بین تفاوتہ از کجاست کیا
 نتیجہ یہ ہے کہ جو تعمیر اور حیرت ناک انقلاب سید کرامت حسین صاحب کی
 زندگی میں ہوئے وہ بہت ہی کم واقع ہوتے ہیں پہلے مہینے میں انکو پھر
 دوسرے میں ڈیڑھ سو بعد ازاں بحساب اوسط اس سے کم کچھ نہ ملا
 سبب یہ کہ ان کی پانچ اور چھ ہزار سالانہ کی اوسط آمدنی تھی۔

نومبر ۱۸۹۷ء میں جب سید کرامت حسین صاحب
 نے الہ آباد میں بارشمالائی شروع کی تو سید محمود صاحب
 مرحوم ہائیکورٹ میں بیٹھے تھے سید کرامت حسین
 صاحب نے لوگوں سے سنا کہ انکو صاحب مال

محمود صاحب سے

ملنے کی اپنی

بارشمالائی سے کرامت ہے وہ انکو بے استعداد و نالائق جانتے ہیں۔

ان کو بے استعداد و نالائق جانتے ہیں انکو بے استعداد و نالائق جانتے ہیں

سید کرامت حسین صاحب سے کہا کہ علی گڑھ کلج کے لیے قانون سکول پروفیسر کی ضرورت ہے تم اس عہدہ کو دل ل کر لو اور جسٹس اسٹریٹ سے جا کر مل بھی لو سید کرامت حسین صاحب نے جواب دیا کہ مجھ میں دو قسم ہیں جناب سید احمد خان صاحب کو تعلیم نسوان سے نفرت ہے اور میں اور سپرد لداہ ہوں شاید میری مخالفت ان کی رائے میں مجھ پر و فیسری کے لیے موزون نہ جانے دوسرے یہ کہ میں سمیع اللہ خان صاحب کے بورڈنگ ہاؤس کمیٹی کا ممبر ہوں ممبری سے تو میں ہتھکڑیاں لگا کر تعلیم نسوان جان کے ساتھ ہے رہا جسٹس اسٹریٹ کے بیان جانا اس کی یہ حالت ہے کہ آپ حضرات نے یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ چھٹی لکھو وقت مقرر ہو تب ملنے آؤ۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتا فرمایا ابا جانی ایسے تنگ خیال نہیں ہیں کہ تعلیم نسوان میں ان کی رائے کے خلاف ہونے سے وہ تکو پر و فیسر کرنا پسند کریں گے جسٹس اسٹریٹ صاحب کو تم چھٹی لکھو میں وقت مقرر کرادونگا۔

سید کرامت حسین صاحب کی پروفیسری کی
 مسٹر محمود کی رائے

بابۃ جو خط مرقوم ۹ جنوری ۱۹۰۵ء جناب سید
 نے ڈاکٹر سید احمد خان صاحب کو لکھا اور میں بدین خلاصہ ترجمہ فرمایا۔ سمجھنے
 خوب اطمینان ہے کہ سید کرامت حسین صاحب کو علم اور زبانتہا سے عزنی
 و فارسی میں مستثنیٰ و متنگاہ ہے حنفی اور شیعہ فقہ کے اہل مباحث کی
 جو ہندی حدالتون میں جاری ہیں سمجھنے اور بیان کرنے میں انکو غیر معمولی تلمک
 ہے میں سید کرامت حسین کی عقایدات دانی کو حسین منطق و فلسفہ و بالحدیث
 شامل ہیں ایسا جانتا ہوں کہ اس کی وجہ سے وہ کلیات علم قانون کے ذوق نباشا
 پر حاوی ہیں۔

علیگڑھ میں تقرری

پندرہ پروفیسر قانون

سید کریم حسین صاحب

علیگڑھ میں قانون کے پروفیسر

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

پندرہ پروفیسر قانون

مڈن کلج میں قانون کے پروفیسر رہے اور کے بعد ایک سال کی بلا تھوڑا ہفتہ کی اور بعد اقتضائے رخصتی کنارہ کش ہو گئے۔

مڈن کلج سے کنارہ کش ہونے کے بعد سید کرمت حسین صاحب چند سے میونسٹری کلج میں

لا ریڈ رہے ایک بار انکو ایک مقدمہ میں باہر جانا پڑا جب واپس آئے تو پرنسپل صاحب نے لکھا کہ آپ جب

بابہ تشریف لے جاؤ تو ہم سے اجازت لیکر جاؤ یہ سید کرمت حسین صاحب نے اس شرط کو ناپسند کیا اور استعفا دیدیا جب انکو سمجھایا تو جواب دیا کہ میں اپنی آزادی کو فروخت نہیں کر سکتا۔

زمان بارسٹری میں یہ حالت رہی کہ مقدمات کے واقعات جتنے ہی زیادہ پیچیدہ اور ان کے قانونی

مسائل جتنے ہی زیادہ مشکل ہوں اتنا ہی زیادہ کرامت حسین صاحب کو بحث میں آتا تھا واقعات

کو وہ ہمیشہ زمانی ترتیب یا علت و معلول کی ترتیب میں بیان کرتے تھے پہلے سے ایسا مرتب کر لیتے تھے کہ یہ کہنے کی نوبت نہ آتی تھی کہ فلان بات کتنا گہنی

سید کرمت حسین صاحب نے یادہ گواہ اور عام پسند مقرر تھے لیکن اداسے مطلب میں کبھی اخلاق نہ ہوتا تھا بعض بحثوں میں تو یہ نوبت آتی تھی کہ ادھر انھوں نے

اپیلانٹ کی بحث تمام کی اور مہرچون نے اپیل دگرمی کرنے کا قصد کر لیا

بد زبان جج کے سامنے بحث کرنے سے انکے جسم پر روئین بکھڑے ہوتے تھے اور حتی الوسع حذر کرتے تھے ہائیکورٹ میں کبھی ادھر انھوں نے یہ موقع نہ آنے دیا کہ ججوں سے بے لطفی کی گفتگو ہو۔

معترکہ الارامقہ مات

مین یاد و نگار بحث

ہستیا ز می صاف کوئی فشرقی حیا اور
غزلت ہندی کی وجہ سے انکی بار سٹری کو
دوق نہوئی بار سٹری کے عہد میں مقدر
مین انھوں نے بہت معرکہ الارامقہ میں

(۱) اٹھان حسین خان بنام آغا علی خان ۱۲۔ الہ آباد صفحہ ۲۲۹ جسٹس محمود
کو شہرہ ہو گیا تھا کہ وقت بالوینہ شیعوں میں جائز ہے یا نہیں اور انھوں نے
مقدمہ اجلاس کا مل میں بھیجا جس میں چیٹ جسٹس اور جسٹس ناگس اور جسٹس
محمود شریک ہوئے یہ پہلا مقدمہ تھا جس میں سید کرامت حسین صاحب نے
پانیکورٹ میں بحث کی علیگڑھ سے اگر آئے آباد ہوٹل میں ٹھہرے تھے جولائی
کا مہینہ تھا تمام رات جس اور پھروں کے مارے نیند نہ آئی تھی فریق ثانی
کے وکیلوں نے ایک مہووی صاحب کو لکھنؤ سے اپنی مدد کے لیے بلایا تھا
جسٹس نے فقہ اور محدثین کے اقوال کے ان پڑھنا پ غلط معنی لکھ دیے تھے
اور وکیل صاحب نے بے سمجھے بوجھے بھروسہ کر لیا تھا اثناء بحث میں وکیل صاحب
نے یہ بھی فرمایا تھا کہ شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کے معنی غلط
سمجھے اس فقرے کو ایک ایسے صاحب سے جو ابجد خوان عربی بھی نہ تھے نہ
کرامت حسین صاحب کے قانون سے بلا مبالغہ گرم ہو سکتے تھے تھی اور ان

سلطان ساکن بخاری تولد لکھنؤ میرے حقیقی پوہی دیکھائی اور جو یہ سجدہ اگر وہ داد دے مین
مشہور و معروف شخص تھے خان بہادر کا خطاب بھی تھا شہداء میں انتقال کیا مرحمت اللہ
سید غنیمت ملتان سولت جنگ شواخص حکیم خلف اکبر وزیر الدولہ مظفر علی خان اسیر نے

نارنگی جیٹا اد کا مصرع یہ ہے غلط اسٹان حسین خان بہادر افسوس

جسٹس محمود اور جسٹس ناکس پر ثابت کر دیا کہ وصیت یا وقت شیعہ و غیر شیعہ ہوا ہے
 اور وقت یا وصیت ناجائز ہو اجلاس کمال کا فیصلہ جسٹس محمود نے لکھا اور
 جسٹس ناکس نے مختصر سا فیصلہ لکھا جس میں یہ اطمینان ظاہر کیا کہ وقت یا وصیت
 اور وصیت یا وقت دو جداگانہ مفہوم ہیں افسوس ہے کہ ۲۵-۱۱۱۱ آباد ص ۲۳۷
 ۲۳۷-۱۱۱۱ باقر علیخان بنام انجم آرا بیگم اور صادق علیخان بنام انجم آرا بیگم
 میں پر یوی کونسل نے اجلاس کمال کے فیصلہ کو صرف اس بنا پر مٹا دیا کہ
 کہ جب سنی وقت یا وصیت کر سکتا ہے تو شیعہ کیوں نہیں کر سکتا اور اس فرق کو
 بالکل نہ سمجھا کہ حنفیوں میں وقت ایقاع ہے اور شیعوں میں عتد ایسا
 قانونی فعل ہے جو زندگی میں کمال ہونا چاہیے اگر زندگی میں نا تمام رہ جائے
 تو بعد الموت ادا کیا جائے ہو سکتا جیسے کوئی شخص بیع یا وصیت یا ہن یا وصیت
 یا نکاح یا وصیت نہیں کر سکتا۔ جو اذکی جو توجیہ پر یوی کونسل نے فرمائی وہ ہزار
 ادب صحیح نہیں ہے اگر کسی انگریز پر لندن میں ازدواج کر کے جرم قائم ہو تو
 کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جب مسلمان ہندو میں دو عقد کر سکتا ہے تو میں کیوں نہیں
 کر سکتا یا کوئی مسلمان اودہ کا تعلق دار نہ وہ متبہنی کر لے اور جب اسکے اصلی
 وارث متبہنی پر قبضہ جائداد زمیندار ہی کا دعویٰ کریں تو کہیں کہ اگر ہندو متبہنی
 کر سکتا ہے تو مسلمان کیوں نہیں کر سکتا اس موقع پر ظریف کا ایک مشہور
 سب سے ساختہ یاد آتا ہے کہ ہندو کو جب کہ قاتل تو بھنگی کیوں نہیں کہتے
 یہ کہ جلا د ہو سکتا ہے ہتر ہو نہیں سکتا۔

دوسرا مقدمہ وحید الف بنام گوردین اس وقائم علیخان وغیرہ ہے جو ۲۵-۱۱۱۱ آباد ص ۲۳۷
 اس مقدمہ میں یہ بحث تھی کہ جب مرثیہ اپنی چارہ جونی کر کے داہن کی

۱۱۱۱-۱۱۱۱ تخلص ہو اور نام سید مقبول حسین برادر حقیقی مولانا سید علی نقی نقی تخلص ہو

جائداد فروخت کر اے اور پورا زر دہن ادا تھا اوسکے بعد رہی جائداد دوبارہ
فروخت ہو تو زر فاضل خریدار کو ملے گا ہاں مرتن اول کو پہلے یہ مقدمہ جسٹس
نہر جی اور جسٹس ایمن کی اجلاس میں پیش ہوا سید کرامت حسین صاحب کی بحث
کی وجہ سے جسٹس ایمن نے یہ رہنمائی دی کہ خریدار کو ملے نہ مرتن اول کو جسٹس
نہر جی نے کہا کہ مرتن اول کو ملے نہ خریدار کو اس وجہ سے مقدمہ اجلاس کامل میں
پیش ہوا اور اجلاس کامل نے سید کرامت حسین صاحب کے خلاف یہ فیصلہ
کیا کہ مرتن اول کو ملے نہ خریدار کو اجلاس کامل کے فیصلہ کے بعد جو شرح قانون
انتحال جائداد سن ۱۹۷۱ء میں شریپر ڈائریکٹ براؤن نے

شایع کی
اوسمیں اجلاس کامل کے فیصلہ کی نسبت
تعدیان کرنے واقعات کے لکھا ہے کہ اس فیصلہ کے صحیح ہونے میں شک نہ
بلا حائل ہو شریپر ڈائریکٹ براؤن
تحقیق کر اسپنک اینڈ کوکلکٹ صفحہ ۵۲۰ یعنی سید کرامت حسین صاحب
کی رائے صحیح ہے۔

وحید النساء کے مقدمہ کی بحث کے دوران میں تین دن تک سید کرامت حسین
صاحب فانی مقدمہ تھے ہر وقت اسی مقدمہ کا نشہ سوار تھا دن بھر
اوسے کو سوچتے تھے اور رات کو خواب میں بھی وہی نظر آتا تھا دوبار تو یہ اتفاق
ہوا کہ وہ سوتے سوتے چوکنے دفتر میں گئے اور اپنی موٹر ویلین میں سے لکھنے
پھوڑے آئے اور سو رہے یہ بھی فیصلہ اونھوں نے ہائیکورٹ سے کرایا کہ اگر دو
شفیع بدرجہ ہوں تو حنفی فقہ کے موافق دونوں پانٹ لینے۔

تین کہ حنفی فقہ کو وقت کر سکتا ہے۔
قانونی تحریر شدہ اسے بحیثیت بار شری کے ہو قانونی رائیں

سید کرامت حسین نے لکھی ہیں اور میں نے مندرجہ ذیل بہت قابل قدر لکھی ہیں
 گورنمنٹ آف انڈیا کے ایماء سے لکھنؤ گورنمنٹ نے چند مسلمانوں سے یہ رسالے
 لی تھی کہ جیسا مہر کی تعداد گھٹا کر ڈگری دینے کا عدالتوں کو اودھ میں اختیار ہو
 ویسا ہی صورت گروہ میں ہونا چاہیے کہ میں سید کرامت حسین صاحب نے
 مہر دار سالہ لکھا اور اسکو نومبر ۱۸۹۹ء میں بنام جسٹس راجو رٹالہ آیا دیکھی اس میں یہ
 دی کہ جب ہر مہر میں ہو جائے تب اصول قانون کے موافق عدالت کو کم کی
 ڈگری دینے کا اختیار نہیں ہو سکتا جن منصف مزاجوں نے خود بھی رائے میں
 نائین تین جب سید کرامت حسین صاحب کی رائے کو بڑھا تو کہا کہ جتنی رائے میں
 اس باب میں لکھی گئی ہیں بہترین ہے اور یہ لکھا ہے ایک جواب کتاب کے اس سے بہتر غیر ممکن
 دوسری رائے ۸ فروری ۱۹۰۵ء کو لکھی جس میں یہ ثابت کیا کہ حنفی فقہ میں
 طلاق ایقاع ہے اور زوجہ کو اسکی خیر تک کی ضرورت نہیں

تیسری رائے لکھی کہ حنفی بیوہ بعد وفات اپنے شوہر کے مہر اسکو معاف
 کر سکتی ہے یہ ۱۹۰۶ء میں لکھی

چوتھی رائے جنوری ۱۹۰۷ء میں لکھی جس میں ثابت کیا گیا کہ شیعہ بیوہ لا ولد کو
 شوہر متوفی کی جائداد غیر منقولہ میں بھی حصہ لینا چاہیے اور یہ ثابت کیا کہ
 نہ ملنے کا مسئلہ رومن لاء سے آگیا ہے۔

۱۰ مجرم بھی سزا طلب لکھی تھی میں مولانا سید کرامت حسین صاحب کی رائے کی توثیق نہیں کر سکتا ہوں۔ میں نے اسکا ترجمہ لکھا اور
 منصف تقسیم کیا تھا۔ یہ ترجمہ مطبع اعجاز محمدی میں طبع ہوا اور مفتقی سید احمد حسن صاحب
 رئیس جو پورہ نے جو بعد کو ڈپٹی کلکٹر ہونے کی حیثیت لیاقت سے ترجمہ کیا تھا مولانا

مولانا نے جب سے بارہ سٹریٹ میں

جب سے مولانا نے بیرسٹری شروع کی

اس سے قبل سٹڈی کی کا یا میر علی

کا یا سرکار کے محمد ن لا کا حوالہ ہوا کرتا تھا

مولانا عزنی کتابوں کا حوالہ دیتے عزنی عباد

پڑھتے اور اسکے معنی سمجھتے اور خود ترجمہ

شرع کی ان وقت میں عزنی

کتابوں کا حوالہ شروع ہوا

یونہی کرتے تھے یہ انصاف مولانا کی وجہ سے ہوا اور ان کی ذات پر خاتمہ ہو محسوس

کتابوں سے کہ قانون شرع پر کوئی کتاب انگریزی میں نہیں ہے

کتاب پر نہیں لیکن ایسی کتاب جس کی جی چاہتا ہے نہیں ہے صرف مولانا ایسی کتاب

کے ہیں جسے اتفاق سے مولانا ساجید عالم مجتہد بیرسٹر اور پینتھ ہو گیا تھا ایسا

اتفاق اب کب ہو نا ممکن ہے ایسے پڑھانے والے جیسے مولانا کو ملے تھے اور پھر

ایسا غیر معمولی ذہن و حاشیہ کا پڑھنے والا اب پیدا نہو گا سچ یہ ہے کہ جس سانچہ

میں یہ لوگ ڈھلتے تھے وہ سانچہ ہی ٹوٹ گیا اب ایسے لوگ پیدا کہاں سے ہونگے

باب چہارم

جی ہاسکولٹ

اوراء سکے بعد کے حالات

جناب سید کرامت حسین صاحب کو بارشری سے زیادہ آمدنی نہ تھی مگر زیادہ ہوتی جاتی تھی اس لیے ستمبر ۱۹۰۷ء میں اونھوں نے یہ خیال شروع کیا کہ آئرشٹ این کام سے کنارہ کش ہو کر الہ آباد سے قریب گنگاپار کسی گاؤں میں جا رہیں اور وہاں سے روزانہ الہ آباد آکر بسہولت گزرا سکول کی خدمت کریں اسی خیال سے اونھوں نے بادپور جویت سٹیشن الہ آباد کے پاس جو خرید العیش دوستوں کے سامنے جب انھوں نے اپنا یہ مصمم ارادہ بیان کیا تو دوستوں کی آنھوں سے سب نے اختیار اٹھو ٹپکنے لگے سید کرامت حسین صاحب بھی بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ میں ہمیشہ آپ حضرات سے جدا نہیں ہوتا بلکہ مجبور ہوں اور مجھ کو خود قانع ہے۔ اسی عرصہ میں سر جان ہیوٹ لفٹنٹ گورنر صوبہ ہائے متحدہ کی مندرجہ ذیل

۱۰ صیفہ امانت کا نفیہ نیشنل سٹیجی مرفوم ۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو رٹ
بابت آئی۔

۱۱ کا نفیہ نیشنل گورنمنٹ ہوس لکھنؤ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ء

۱۲ سید کرامت حسین سیکرٹری آف اسٹیٹ نے طے فرمایا ہے کہ ہیکور
الہ آباد میں ایک چھٹا جج مقرر کیا جائے اور مجبوراً یہ ہوئی ہے کہ میں اس جج
کو آپ کے سامنے پیش کرنے میں آپ کو اطلاع دوں اس میں دو شرطیں ہیں
اول یہ کہ آپ موافق قاعدے کے ۶۰ برس میں اس عہدہ سے سبکدوش ہوتا
قبول فرمائیں۔ دوسرے یہ کہ آپ سول سرجن سے اپنی تندرستی کا سائیکس
حاصل کریں مجھ کو آپ کے جواب سے مسرت حاصل ہوگی جبکہ جلد ممکن ہو جواب
بھیجے جب تک کہ یہ بات بالکل سٹے ہو جائے کسی سے اسکا ذکر نہ کیجیے گا اس
تقرر کے واسطے جیسا آپ کو معلوم ہے شہنشاہ مشلم کے ابا زت کی ضرورت ہوئی
سید کرامت حسین صاحب نے راز کو مخفی رکھا۔ سید کرامت حسین صاحب نے
سرجن کے پاس گئے اور ان سے سند چاہی اور انھوں نے حد سے زیادہ اصرار کیا کہ
اس عمر میں سند کیون مانگتے ہو طبیب اور وکیل سے کوئی راز مخفی نہیں رکھتا
چاہیے سید کرامت حسین صاحب نے کہا کہ میں مخفی رکھنے پر حکماً مجبور ہوں
مگر آپ فرض کریں کہ ریاست جسر آباد میں بہت بڑا عہدہ متا ہے وہاں کے
لیے سند صحت مطلوب ہے صاحب موصوف نے پوری جان بچانے کے بعد بھی
سند دیدی اور سید کرامت حسین صاحب کے وہ سند حضور میں ہزار سرجان
ہوٹ کے بھیج دی عمر کی بابت لکھا کہ سلسلہ ۱۹۴۷ء میں میرا بنگلہ جلاؤ میں سب
کا غذا ت چل گئے اور میرے پاس کوئی تحریری ثبوت عمر کا نہیں ہے ٹل
ٹپل سے دریافت کرونگا جواب ملا کہ وہاں سے دریافت کرو ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء

گوٹل پیل مین غم دور یافت کر سٹے کو تار دیا و بان سے سے بے سرو پا
جواب آیا دوبارہ تار دیا و سکا بھج جواب لغو آیا یہ جواب کرامت حسین
صاحب نے چیت سکر ٹری صاحب کی خدمت میں بھیج دیے لیکن اس کے
پاس چونکہ وہ شکار کو تشریف لے گئے تھے بعد از وقت پہونچے۔

شروع سال سنہ ۱۲۹۷ عین جولدن گزٹ شائع ہوا و عین کرامت حسین صاحب
کا تقریر مستمر ہو گیا اور پانیر میں بھی جملٹن صاحب بارشرا لہ آباد نے ملاحظہ کیا اور خوشی سے
جامہ میں نہ سہلے ہوئے کرامت حسین صاحب کے پاس آئے پوچھا تھیں ج
مقرر ہوئے ہو یا کوئی اور تھا جسے نام کا اگر تم ہوئے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے
لیے آج کے دن سے زیادہ عمر بھر میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوا تم کو تو ضرور
معلوم ہو گا بتاؤ اصلی بات کیا ہے سید کرامت حسین صاحب نے کہا کہ مجھ کو
ابھی تک کوئی باعنا بطہ اطلاع نہیں ملی ہے ممکن ہے کہ میں ہی مقرر ہوا ہوں
خبر کے شائع ہوتے ہی ہندوستان اور انگلستان میں مبارکباد کے تار دن
اور خطوں کی بوجھار ہونے لگی۔ میں نے اپنی اسپچ مطبوعہ پانیر مورخہ ۱۷ جنوری
سنہ ۱۲۹۷ عین بیان کیا تھا کہ ۴۰۰ تار اور ۵۰۰ خط تھے سید کرامت حسین
صاحب نے سب کا جواب اپنے ہاتھ سے مذریعہ تار و خطوط دیا صرف ایک
صاحب نے بعد میں گلہ کیا تھا کہ انکو جواب نہیں پہونچا معلوم نہیں کیا سبب ہو
جب جناب نواب عماد الملک سید حسین صاحب بلگرامی لندن سے لکھتے
تشریف لاکر سر جان بیوٹ صاحب کے ہمان ہوئے اور سید کرامت حسین صاحب
اون سے ملنے گئے اور ان کو سر جان بیوٹ نے حاضری پر بلایا اسوقت
نواب عماد الملک نے سید کرامت حسین صاحب کے تقریر کی جاہتہ سر جان
بیوٹ سے کہا کہ جب آپ کا نیم سرکاری خط کرامت حسین صاحب کی

پونچیا تب لارڈ مارلے سکرٹری آف اسٹیٹ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کرامت حسین صاحب کو جانتے ہو مینے کہا خوب جانتا ہوں اور زبان سے جتنی یاری کی مینے انکی درج و ثنا کی اسوقت صاحب سکرٹری آف اسٹیٹ سیدھے حضور ملک معظم کی خدمت میں گئے سید کرامت حسین صاحب کا تقرر کرا لے اور بعد میں انڈیا کونسل میں پیش کیا ممبران کونسل میں سے بعض نے کہا کہ تقرر کرنے سے پہلے پیش کرنا چاہیے تھا۔

عمر کی بابت جو دشواری تھی جسٹس بلڈرٹ ایمین کی توجہ سے رفع ہوئی جسٹس موصوف پر سر جان ہیوٹ لفٹنٹ گورنر کو کامل بھروسہ تھا اور جسٹس موصوف نے بعد میں لینے تمام حالات کے جو تاریخ وادات کرامت حسین صاحب تجویز فرمادی تھی وہی حضور لفٹنٹ گورنر بہادر نے قبول فرما کر ایکونٹنٹ جنرل کو اطلاع دی اور کرامت حسین صاحب کو بھی۔

تقرر کی خبر شائع ہو جانے کے بعد جب سید کرامت حسین صاحب جسٹس ایمین کی خدمت میں گئے اسوقت انھوں نے فرمایا کہ تمھاری بلایت لکھنے سے پہلے سر جان ہیوٹ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اگر سید کرامت حسین صاحب واقع میں بہترین قانون دانوں میں سے اور پائیکورٹ کی ججی کے قابل ہیں تو کیا وجہ ہے کہ انکی آمدنی وکالت سے بہت کم ہے مینے بدین خلاصہ جواب دیا تھا کہ آمدنی کی کمی قابلیت کی کمی کی وجہ سے ہیں بلکہ فطرتی حیا کی زیادتی کی وجہ سے ہیں یہ سنکر کرامت حسین صاحب کو عبرات ہوئی کہ عم کی دشواری رفع کرنے میں جسٹس ایمین سے مدد چاہیں صاحب ممدوح نے پوری توجہ اور نوازش دیا کہ مدد می ضروریہ مسئلہ بخیر و خوبی طے ہو گیا مبارکباد کی جو خطوط آئے انہیں سے صرف پانچ پرمان درج ہیں۔ پہلا خط جسٹس لائوش سابق لفٹنٹ گورنر

صلو بہائے متحدہ کا ہے سید کرامت حسین صاحب ممدوح کو التفات خاص
تالیکن اپنی نسبت سید کرامت حسین صاحب سے کبھی کوئی بات صاحب
ممدوح سے نہ کہی۔

ترجمہ خط

۳۴۔ روزری گارڈن لندن

یوم جنوری ۱۹۷۹ء

ڈیر مولوی کرامت حسین

آج کے گزشتہ میں یہ پڑھ کر کہ آپ الہ آباد ہائیکورٹ کے جج مقرر ہوئے دلی
سرست حاصل ہوئی۔ اس تقرر سے صرف مسلمانان ممالک متحدہ کو خوشی حاصل
ہوئی ہوگی بلکہ ہر شخص کو جو آپ سے واقف ہے اور اوصاف کی قدر کرتا ہے
مجھ کو اس وقت سے امید تھی کہ آپ کا تقرر ہوگا جب سے زائد بیچ کی منظوری آپ کی
تھی میں صرف آپ کو ہی مبارکباد نہیں دیتا ہوں بلکہ ہائیکورٹ اور ان عموماً
کو کئی مبارکباد دیتا ہوں۔

آپ کا مخلص صادق
جیمس ڈگلس لائوش

دوسرا خط چیف جسٹس الہ آباد ہائیکورٹ کا ہے۔

ترجمہ خط

۹۔ ہسٹنگز روڈ۔ الہ آباد

۲ جنوری ۱۹۷۹ء

عزیز مسٹر جسٹس کرامت حسین

جو اعزاز ملک معظم نے بہ تقرر عہدہ ہائے کورٹ بخشا ہے اس پر میں آپ کو

تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس عہدہ جدید پر آپ سال
سال رہیں گے اور جی کے کام کو آپ پسند فرمائیں گے میں نہایت خوشی سے
آپ کا غیر مقدم چہیت ایک ہم جلس کے کرتا ہوں اور وہ ہم جلس جسکی
میں ہمیشہ سے قدر کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص صادق

جان اسٹینلی

بیسرے چٹس سر جارج ناکس کا جو ہمیشہ کرامت حسین صاحب کو بڑی قیمت
کی نظر سے دیکھتے تھے۔

ترجمہ خط

الہ آباد

۶ جنوری ۱۹۰۷ء

مائی ڈیر کرامت حسین

میں نہایت جوش سے آپ کی تقریر پر مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں
کہ آپ اس عہدہ پر کہ جسکے آپ مستحق ہیں سالہا سال تک ممتاز رہیں گے۔

مخلص صادق

جارج ایڈورڈ ناکس

چوتھا چٹس رابرٹ ایمن کلہے جنکو کرامت حسین صاحب اپنا حقیقی
دوست اور محسن جانتے تھے اور جنکو مائی برادر ایمن (میرے بھائی ایمن)
کے خط آپ سے خطوط میں یاد کرتے تھے۔ اسکا ترجمہ ذیل میں درج ہے

نمبر ۶۔ ٹیسٹنگ رورڈ

الہ آباد

میراثہ ۲ جنوری ۱۹۸۶ء

میرے عزیز کرامت حسین

بچی کے تخت پایہ پر پونچنے پر میری بیوی اور میں آپ کو دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ وہ یقیناً جو کہ سالہا سال تک آپ اسکو زینت دینگے آپ کا مخلص

رابرٹ ایکن

پانچواں نمبر سید کرامت حسین صاحب کے ایک اخص خواص اجنبی کا ہے جب سید کرامت حسین صاحب راجکار کالج نیا گاؤں میں ہیڈ ماسٹر تھے اور جناب مولوی محمد کاظم حسین صاحب قلی بھی وہیں مولوی تھے اور اسی زمانہ سے ان کی دوستی شروع ہوئی اور تمام عمر کیسان قائم رہی سید کرامت حسین صاحب کا بیٹا جناب مولوی محمد کاظم حسین صاحب قبلہ مدظلہ کی بابت تھوڑے دنوں پہلے سے ظاہر ہوتا ہے جو انھوں نے ۱۴ اگست ۱۹۸۶ء کو یادگار کاظمی میں دفن کیا تھا۔

یہ یادگار سیت از یادگار سلف صالح کاظم حسین نام علیہ السلام باطن قوت ایمان و زہد پاک و قناعت استوار از نظر خاکسار نگار گزشتہ مصنف یادگار دار علوم عربیہ و فارسیہ بلاغے نادر و کاملے راسخ بخش فرمودہ اند طبع شعر و نثر و تاریخ و قریحہ ظرافت در ایشان از عطایے حضرت و باب است نہ حاصل کدح و کتاب بعض از اشعار و تاریخ و محاکم فرمودہ اند از کمال فصاحت و بدعت بحد سحر حلاں می رسد و دانایان حق را از عباد می آید تاثیر کے از دیرینہ عقیدت کی شان یشانم و درسی دسہ سال گزشتہ برود و فرینجوشدنی و قناعت و صحبت ایشان برودہ ام،

سے دیکھیں یہی حدیث ہے کہ کدح یعنی کوشش سے اتنا ظہور پند گزشتہ

جو یہی پر ماتہ صاحب اسے بہادر و خوشی روشن لاس صاحب اسے بہادر
 و رسید کرامت حسین صاحب کی صحبت کی وجہ سے ایک زمانہ میں مولوی محمد
 کاظم حسین صاحب ریشنیلم کی طرف مائل تھے نیا گاؤن کی صحبت پریم ہوئی
 بعد اونیہ تصوف غالب ہوا و شہاد الہیہ سید عبد اللہ صاحب دہلوی کے مدد
 ہوئے تمام وقت ذکر و شغل میں گذرنا ہے گو کمزور ہوئے ہیں مولوی صاحب نے
 جیسا کہ خط میں لکھا تھا ویسا ہی کیا الہ آباد تشریف لے اور چند ماہ قیام کیا
 و یہ قول کرامت حسین صاحب کے "اپنی فیض صحبت مجھ کو بہرہ ور کر گئے"
 جس زمانہ میں مولوی صاحب الہ آباد تشریف لائے تھے میں بھی حسن اتفاق سے
 وہاں پہنچ گیا۔ انکی صحبت سے میں بھی مسرور و مستفید ہوا۔ سید کرامت حسین
 صاحب کی خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی رخ ہر شب شرب برات تھی ہر روز روزہ عید
 جب میں رخصت ہوا تو کس پیار سے کرامت حسین صاحب نے یہ مصرعہ پڑھا
 خیر سے رخصت ہوتے وقت اکثر یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے سح او وقت تو خوش
 باش و وقت ما خوش کر دے۔

مولوی کاظم حسین صاحب کا خط بارک اللہ لنا و لکم و لسا لہ وسلمین

لقد اعمد ہر آن چیز کہ خاطر میجوہرت آخر آمد ز پس پردہ تفتدیر پیٹ

جناب مولوی صاحب قبلہ زید مجدہم

آسیہم۔ خداوند آپ کو نیا معزز عہدہ مبارک کرے اور آپ کی عمر و صحبت
 و عافیت زیادہ فرمے کہ ہم ہو، خواہ ان بلکہ جملہ مسلمانان کے لیے آپ کی
 ذات بابرکات، موجب فخر ہے۔ جیسی کچھ خوشی مجھ کو اور میرے سب اہل و

صلہ وہ گروہ جو عقل کا زیادہ، مفقود اور پابند ہے۔

خیال کو اس خبر سے ہوئی وہ بیان میں نہیں آسکتی اگرچہ اس خوشی کو اپنے جوت
 رت زندگی بخش چھوٹ تو بچا ہے سن کھولتے ہیں فرزند پیدا ہونا تنگی حال میں نر
 ہونا پستہ کے بعد نوکری کا بلجانا اطفال کی شادی ان اور انکی اولاد پیدا ہونا بے
 یہ ان معاملات میں سے کسی ایک میں بھی ایسی خوشی نہ ہوئی نہ اس
 خوشی کو ور بھی زیادہ کرے اور دیر پار کے اور آپ کو خوش وقت اور تر تیار
 فریق اور عز و باہ و بلند نامی سے ہمیشہ کامیابی عطا فرماتا رہے پرسوں تک
 سینے، فواہی طور پر یہ خبر سنیں تھی فرط نشاط سے مہولی ذکر و شغل میں شکاف بھی
 یسوی نہ ہو سکتی تھی رات کو نیند نہ آتی تھی اور آئی بھی تو بار بار آنکھ کھل جاتی تھی
 گرچہ ہر ذیوی خوشی فی الجملہ بختور می قلب کا باعث ہے مگر شکر عطا ہے بار می
 خراسان کا ولولہ، یہ جوش پر تھا کہ اگر وہ اس الاذکار کہا جائے تو بچا نہیں
 نائب دیلمی کا یہ شعر عریح شاہ اودھ میں قصیدہ کا شعر ہے اور میں کہتا
 تھے موقع غلو مضمون کی وجہ سے مکر وہ سمجھا کرتا تھا وہ میر ہے جسے سب تال
 اور بار بار یاد آتا تھا آپ کے ذوق سلیم کے لیے پیشکش ہے سنا اب دینا
 بلکہ بذوق دعا کے اور یہ صدر نماز صبح تھا کہ درد و زگار پہ اور یہ شہر ت سب
 بنیو سے مصر عہد چنانہ دوست میدارم کہ عاشق شعر سالی را بار بار پڑھتا
 تھا و پلو پذا چہ جاسے ہنفسان فرخی ز بخت من است و ز بخت فرخ خود ہم
 من مبارک یاد پہ کیونکہ مجھ کو پورا یقین ہو گیا ہے کہ بوجہ اشتیاق و حرارت غریبی
 کیا عجب ہے کہ حالت انجملال دفعہ بقوت و توانائی بدل جائے پ کی تدبیر
 پر عمل درآمد کرنے سے مجھ کو فائدہ بین محسوس ہونے لگا ہے اور اس خوشی سے
 دفعہ حالت بدل چلی ہے کیونکہ مدت سے میں بالکل مردہ دل ہو رہا تھا
 کیا عجب کہ تھوڑے عرصہ میں قابل سفر ہو جاؤں اور تبدیل آب و ہوا کے

ہمارے حالانکہ وہ خود صحت کے لیے عہد تدابیر میں سے ہے یہاں سے
 بہتر زیر منت وال اصل تکون تقدیر سے موسم کی شدت بھی کہ ہر چاہیے یہاں
 شب کا محال زمین لکھ چکا دوسری شرب میں فکر تاریخ نے دیر تک سیر
 رکھا ہاں یہ ایک نایاب مارہ ہاں آگیا قطعہ بھی موزون کر لیا اس عرصہ میں
 لکھنے کا قصد تھا مگر یہ خیال ہے کہ اگر منظور ایزدی ہے تو خود حاضر ہو کر شاعر
 مگر کچھ موزون نہیں کر سکتے کا پتہ اثر کرالونگا مگر وہاں تو صحت اور اغذیہ کی جانب
 زیادہ مہم ہے شیری کا کیا مذکور ہو سکتا ہے خیر اور کچھ نہ سہی تو کاجر کا
 ہیں زمانہ والسلام خیر ختام کاظم حسین ۶ جنوری ۱۹۰۶ء
 تاریخوں کے نشان تو مولوی محمد کاظم حسین صاحب قبلہ بخلاف وہ خیال کہاں ہو
 تشید کاظم اونس کا شافی ثبوت ہے سید کرامت حسین صاحب کی بیسٹری
 اور تھی دونوں کی بہت اچھی تاریخیں ہیں ذیل میں درج ہیں۔

قطعہ تاریخ کامیابی امتحان پریسٹری

عارف زمانہ کرامت حسین گشت	پریسٹریٹ لاچو بافصال ذوالحجہ
کاظم یعون واحد بکتاب برائے سال	پریسٹریٹ لاشدہ القاب قلب من
گر لفظ ب مثال زیادت شود بیان	تاریخ عیسوی بود اسے ماہان من

۱۸۰۶
۵۸۳
۶۱۸۸۵

قطعہ تاریخ تقرری بعد از جی ہائیکورٹ

شہد ہائیکورٹ آن عدلیہ	فرد قوم و خاندان فخر سلف
نارنگ ملک است ہر کیا پیش	گوہر کیا بود سنہ صدت

از کمالات و صفاتش آگاہند
 اہل دل دارند و درخشش شرف
 ہست دہائے پاکان کا کر
 ناوک اندازد عازد ہر ہمت
 ناصر و سہ باد و دنیا و دین
 حق طفیل احمد و شاہ بخیر
 مذاہب و مکی و شاہی سنین
 وہ کہ در یک مصرعہ آمد بکف
 ہمیری و ہم نہ ہن و ہمست
 در تمام متر و بحر و سجع
 ذی رتبہ یاد ابا شرف - ذی رتبہ یاد ابا شرف

میں نے ایک تار مولانا کی خدمت میں بھیجا تھا جسکو مولانا اور احباب نے
 بہت پسند فرمایا تھا اس زمانہ میں میں میرٹھ میں تھا لحاف اوڑھتے ہوئے تھا
 جبکہ خبر سہت بخش پہنچی میرے تار کا ترجمہ یہ ہے۔
 میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں بلکہ آپ ہی کو نہیں اپنے آپ کو
 بھی۔ لحاف اوڑھتے ہوئے ہوں مارے خوشی کے کھافت کے اندر اور پامیر تاج
 رہا ہوں خوشا تقدیر ان صوبجات کی کہ ایسا بیچ ملا۔
 مولانا سید کرامت حسین صاحب کی تقریر پر اخبار دن میں کثرت منافع
 شائع ہوئے اخبار پانیر کے خاص کالم (زمانہ حال کے ہندوستانی) میں
 جو حالات چھپے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

زمانہ حال کے ہندوستانی

منقول از اخبار پانیر مورخہ ۵ جنوری ۱۹۰۸ء

سید کرامت حسین جو حال میں الہ آباد یائیکورٹ کے سائون جج مقرر ہوئے
 ان کے مستون میں قاضی ہیں کیونکہ براہ راست نسل حضرت علی علیہ السلام

حسینؑ کی نسبت رسولؐ نے یہ فرمایا ہے "علیؑ تم میں بہترین مادل ہیں" انکے بعد تہذیبی سید محمد قلی خان صاحب میرٹھ میں صدر الصدور تھے انکا نہر وقتیں خدیبہ اشل تھا مفتی صاحب موصوفت عزلی اور فارسی کے بہت بڑے عالم اور مذہبی خیال کے آدمی تھے اونھوں نے چند کتابیں لکھی ہیں جن سے تھیں مکی کا اظہار ہوتا ہے۔ سید کرامت حسین صاحب کے والد سید سراج حسین صاحب کو تعلیم عزلی و فارسی کی ہوئی مگر اونھوں نے بعد کو انگریزی پڑھائی ان کی وہ اپنے وقت کے بہت بڑے ہندوستانیات ریاہت دان تھے۔ پہلے تھے کسی زمانہ میں وہ منصف تھے اور بعد کو انجینیئر بن گئے۔ دیوان ہو گئے وہ اقدس و قابلیت کی وجہ سے بہت مشہور تھے اسی خاندان کے ایک اور رکن انکے چچا سید حامد حسین صاحب قبائلی تھے جو عزلی و فارسی کے زبردست عالم تھے انکی شہرت نہ صرف ان صوبوں میں بلکہ دور دور تک تھی انکی تصانیف اکثر قسم قسم کے تصانیف ہیں۔ جو نہایت اعلیٰ درجہ کی خیال کی جاتی ہیں سید کرامت حسین صاحب مولوی سید سراج حسین صاحب کے دوسرے بیٹے ہیں انکی ولادت سلسلہ عزمین بمقام جھانسی ہوئی۔ جب انکے والد بندہ ملکہ میں دیوان تھے خدر کے زمانہ میں یہ اپنے والد کے ساتھ چرکھارہی تشریف لے گئے اور وہاں ایک عزلی دان معلم سے عربی شروع کی انکے والد کا یہ ارادہ تھا کہ مغربی علوم کی تعلیم سے پہلے انکو عزلی کی اعلیٰ تعلیم دلانی جائے مگر واقعات نے صورت بدل دی سید سراج حسین صاحب اس وقت فوت ہو گئے جب سید کرامت حسین صاحب کی عمر تیرہ سال کی تھی اور انکے چچا سید حامد حسین صاحب نے نو عمر شیخ کی پرورش و پر داخت کی اور اسلامانی فقیہ اور عزلی عالم کی حیثیت سے انکو تعلیم دی اب عزلی

اسلامی شریعت اور دنیاویات میں کمال حاصل کرنے کے بعد سید کرامت حسین نے چاہا کہ اپنے چچا سید حاجت حسین صاحب کی تصانیف کو جاری رکھیں مگر وہ بعد ازاں لکھنؤ سے چرکھاری چلے گئے جہاں ان کے بڑے بھائی سید عنایت حسین صاحب نے ڈاکٹر اسٹریٹن صاحب پولیٹیکل ایجنٹ بننے کیلئے ٹیسٹ ان کا رت کرایا جو ان کے والد سید سراج حسین صاحب کے بہت بڑے دوست تھے۔ مشیر تھے ڈاکٹر اسٹریٹن نے یہ دیکھ کر کہ مولوی کرامت حسین صاحب سال کے ملازمت کے طریقوں کے لیے کارآمد نہیں انکو یہ مشورہ دیا کہ انگریزی حاصل کریں اور مغربی علوم میں دستگاہ پیدا کریں۔ اس صلاح کی فوراً تعمیل کی گئی اور ڈاکٹر اسٹریٹن نے ان سے وعدہ کیا کہ رانیکمار نٹ میں جو عتقہ سب کھلنے والا تھا ہیڈ مولوی کی جگہ پردہ مقرر کر دیں گے۔ باوجودیکہ مولوی کرامت حسین صاحب نے انگریزی دیر میں شروع کی مگر وائل ٹھہرے پڑھنے کی عادت تھی اونھوں نے انگریزی زبان بہت جلد حاصل کی۔ بعد کو علوم جدید خصوصاً علم النفس اور علم الاخلاق وغیرہ میں انھوں نے بہت ترقی کی۔ بیس برس تک برابر چند گھنٹے گزشتہ صدی کے بڑے بڑے مفکرین کی تصانیف کے پڑھنے اور ذہن نشین کرنے میں صرف فرمائے۔ نوڈاس دیکھی ہر برٹ اسپنسر سے تھی جب ڈاکٹر اسٹریٹن میرٹھی کی حیثیت سے لکھنؤ میں سید کرامت حسین صاحب کام کر رہے تھے اس وقت انھوں نے ولایت جانیلی خواہش ظاہر کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ جاکر اس تعلیم کی تکمیل کریں جس کا آغاز ہندوستانیوں کیلئے بعد کو وہ ریاست بادونی میں سپرنٹنڈنٹ ہو گئے اور اسکے بعد ریاست نرننگہ میں سپرنٹنڈنٹ ہو گئے۔ ریاست نرننگہ گڑھ کی ہے۔ ریاست نرننگہ گڑھ کی ہے۔

جاسے کا قصد کیا اور مسٹر کرامت حسین کو انگلستان جا کر تکمیل علوم کا موقع
 مل گیا وہ ٹیس نرسنگ گڈ کے ساتھ سولہ عرصہ میں ولایت گئے اور وہی سال
 انڈیا میں داخل ہوئے اور جولائی سولہ عرصہ میں بدو شری کی ڈگری حاصل
 کی ہندوستان واپس آنے پر وہ چند مہینے تک ریاست ٹیکہ گڈ
 میں رہا اور اس میں رہے مگر انھوں نے اس عہدہ سے استعفا دیدیا اور الہ آباد میں
 بیرسٹر کی شریعت کی کچھ خصوصیات وہ دارالعلوم علی گڈہ کالج میں قانون کے
 پروفیسر رہے پھر اسکے بعد میونسپل کالج الہ آباد میں تعلیم قانون دینے پر
 مقرر ہوئے۔ یہ کرامت حسین صاحب بہت ہی کتابوں کے مصنفین
 ہیں سے نہایت مفید وہ کتاب ہے جو عربی الفاظ کے اصل اور مادہ سے
 متعلق ہے یہ کتاب عربی ادب میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے حقوق
 خرافات پر انکی تصنیف میں ایک ایسا رسالہ ہے جس میں علم قانون پر متور
 خیالات اور تحقیقات کا اظہار ہوتا ہے۔ گزشتہ سال سال سے شرعاً
 اور ہر تمام مسائل پر انکی راست مستند مانی جاتی ہے اور ہر حقہ ہندوستان
 کے لوگ تمام اسلامی تنازعہ بہداشت پر انکی رائے حاصل کرتے ہیں اور انکی
 رائے مندرجہ ذیل قبول فیصل بھی جاتی ہے۔ مسٹر کرامت حسین۔ ہمیشہ
 تعلیم نسوان میں بہت ہی دلچسپی لیتے ہیں اور وہ کراسویٹ گریڈ اسکول
 کے سکریٹری ہیں جس مدرسہ کے کاموں میں وہ ہر روز اپنا وقت صرف
 فرماتے ہیں۔ سید کرامت حسین صاحب ایک پکے مسلمان اور اپنے آباؤ اجداد
 کے مذہب اور عمل پر سختی سے پابند ہیں اشی کے ساتھ وہ ہمہ تن تیار ہیں
 بہت کچھ اہل احانت کی جائیں جنکا اثر زمانہ حال کی زندگی پر علوم و شرعی
 کی وجہ سے پڑا ہے ایک ایسے متنفس کے انتخاب کو جسکے خیالات مشرقی مغربی

علوم سے مشورہ ہوں اور جس کے خیال کی قوتیں زبردست تصدیقات کی شکل میں
نہا ہر ہوئی ہیں ہر ملت کے افراد نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے
نما وہ اکثر اخبارات اردو اور انگریزی کے ذیل کے اخبارات میں تقریریں
کے مضامین شائع ہوئے اور جا بجا جلسے ہوئے اور رزولوشن اظہارِ نیت
کے پاس ہوئے۔

۵ جنوری ۱۹۰۸ء لکھنؤ

ایڈووکیٹ مضبوط

انڈین ڈیلی ٹیلیگراف

انڈین ٹیلی

سٹیشن

انڈین ڈیلی ٹیلیگراف

پانچیر

سٹیشن

پانچیر

سٹیشن

سٹیشن

انڈین ڈیلی ٹیلیگراف

پانچیر

۱۸۱ " " ۱۸۰۵

بعض کو سید کرامت حسین صاحب کا تقریر ناگوار ہوا اور گورنمنٹ پر اعتراض کیا
اس اعتراض کا جواب سٹیشن مضبوط ۱۶ جنوری ۱۹۰۸ء نے دیا ہے
ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ہمارے لکھنؤ کا ایک ہمعصر سید کرامت حسین صاحب کے تہذیبی و علمی ہاشیکہ

کن خبر دیتا ہے مگر اس کے اوصاف ذاتی کی نسبت بالکل خاموش ہو اور گورنمنٹ
 پر اس کا اثر نظر کرتے ہیں کہ یہ انتخاب قومی وجود سے کیا ہے ہم یقین کر سکتے ہیں
 کہ اس وقت اس سے زیادہ اور کوئی چیز ہماری قسمت سے ہندوستان کی ترقی
 میں نہ کر سکتی اور وہ فرقوں میں تفاوت پیدا کرنے والی بجز ایسے نا عاقبت
 اندیش ہندوستان میں نہیں ہو سکتے۔ بیانات کے نہیں ہو سکتے۔ جو کہ خود پرستی
 کی جوش سے ہندوستان میں اور پتی شہرت کی غرض سے بلا تمام مذہبی
 تعلق کو بیکار کرتے ہیں۔ شیخ صاحب نے اپنی عمر کا بہترین حصہ لکھنؤ میں
 صرف کیا ہے اور وہ پندرہ سالہ سال میں اس کے وہ مقدمات
 کو پیش کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں شرع محمدی ترقی میں بحث طلب ہے اس کے
 بعد مذہب مالک متحدہ ہیں انکو شرع محمدی کا عالم مبین اور مجتہد جانتے ہیں اور
 انکی رائے یہ ہے کہ قول شیعہ ماننے ہیں۔ سید کرامت حسین صاحب نے
 کثیر بحثوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ غلطیوں کو بتلایا ہے جو ایسے آدمیوں
 کے ہیں جیسے کہ میر تقی میر نے شرع محمدی غیبی کا فی استعداد عربی کے
 جو کہ ان کے تمام بیرونی اعمال کا سرچشمہ ہو کر نہیں گئی اور اس کے بھانے میں
 ان کے اوصاف اور ان کے ہمارے بہت سے ہندو مت ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے
 مسائل مذہب کا آئین ہندو میں فیصلہ کر دیا ہے جس میں دوا کا ناٹھ
 متر سے دیا گیا اس کے قانون کا فیصلہ کر دیا ہے جس میں دوا کا ناٹھ
 نے مالک کا بشرہ اس کے قانون کا۔ مسٹر جسٹس ملاننگ و مسٹر جسٹس
 رائے نے اپنا علم و حکمت صرف ہندو قوانین پر کیا اس کو ہی کے بھانے
 میں صرف نہیں کیا بلکہ ان میں مباحثوں کے متبع بنائے ہیں جو کہ پیشتر ان اسکولوں
 میں نہ تھا۔ اور پنجاب و مالک متحدہ میں راج تھے لیکن ہلوا اب تک

کوئی ایسا مسلمان صحیح نہیں ملا تھا جو علم عربی میں عبیر ہو اور اس کی مسلم انتہوت پایا
 کی تمام مسائل شرعیہ پر سب قدر دانت کر رہا۔ مسٹر جسٹس امیہ علی جسٹس
 نمود جسٹس بدرالدین بھی قابل تھے۔ مگر ان کے اوصاف سید کرامت حسین
 صاحب سے جدا گانہ تھے۔ انھوں نے قریب قریب اپنی عمر کا تمام حصہ اس
 علم و زبان کی تحصیل میں صرف کیا کہ جسے نسل انسانی کو وہ عقل و فائزہ پیش کیا
 جو کہ نہ صرف اس کے درجہ کی روحانیت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کی خیالات کے
 عمہ کامل۔ خوابشات انسانی نہ حرکات و نہ بات۔ نہانی اور علی آئین قدرت
 کا بھی اظہار کرتا ہے۔ نہ حال میں ہندوستانی پنج میں بہت سے قابل ہیں
 اور ایسے ہیں کہ جنگی قابلیت و راستی زیادہ دہے۔ تاہم ایسے شخص کی ضرورت
 ہوتی مسائل شرع محمدی کا جو کہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں قطعی اور پرفصلہ
 کر دے۔ سید کرامت حسین صاحب کی ایک ایسی ذات تھی جس سے
 یہ کمی پوری ہو جائیگی۔ ہم بہت زور کے ساتھ اس نامہ صفاۃ فعل کی تردید
 کرتے ہیں کہ کرامت حسین صاحب کا تقریر ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہے
 یہ قول ان لوگوں کے واسطے شایان ہے جن کی بھارت قلبی زائل ہو گئی ہے
 اور جو اپنی چابو ہی کو دوسروں کی تعریف خیال کرتے ہیں اور اپنا وقت غیبت میں
 صرف کرتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے ایک بہت بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے
 ہمسفر کے ہتھیار ہمت کم ہیں اور ان کے ہندو بھائیوں اور ہندو رعایا کا خیال
 ان کے خیال کے برعکس ہے۔ یہ سب مسلمان جج کے تقریر کا نہایت جوش و شہرت
 کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں۔

مقدمات مفصل ذیل جو بیس مع لانا سید کر امت حسین صاحب حج ہائیکورٹ
الہ آباد نے تنہا یاد گیر حج صاحبان ہائیکورٹ کے ساتھ کئے قابل ملاحظہ ہیں

۱۔ عباد پر شاد بنام بندھری پر شاد۔ ۵ جون سنہ ۱۹۰۶ء مطبوعہ جلد ۵۔ الہ آباد لاجر تل صفحہ ۱۰

۲۔ رام دین بنام بھوپ سنگ فروری سنہ ۱۹۰۵ء جلد ۵ // // صفحہ ۱۹۲

۳۔ ہمت بہادر بنام بھوانی کنور سنہ ۱۹۰۸ء جلد ۵ // // صفحہ ۳۳۹

۴۔ دوار کا داس بنام رکھ سنگ مئی سنہ ۱۹۰۸ء // // صفحہ ۳۰۵

۵۔ عاصمہ بی بی بنام احمد حسین مارچ سنہ ۱۹۰۸ء // ۵ // صفحہ ۵۸۲

۶۔ پھکوری رام بنام نند رائے اگست سنہ ۱۹۰۸ء // ۵ // صفحہ ۶۵۸

۷۔ گھگوان سنگ بنام تر سنگ سپہا جنوری سنہ ۱۹۰۹ء // ۶ // صفحہ ۱۷۱

۸۔ عاصمہ بی بی بنام عبدالصمد خان دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء // ۷ // صفحہ ۱۰۷

۹۔ رام دھاری نام رام دھاری مئی سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۵۰۵

۱۰۔ نیچی چند بنام گنیش جنوری سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۱۰۷

۱۱۔ سری ناتھ داس بنام اکلا سنگ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۵۰۵

۱۲۔ رستم بنام ملک معظم مارچ سنہ ۱۹۰۹ء // ۲ // صفحہ ۲۰۲

۱۳۔ پکٹ دھاری داس بنام منکرن رائے مارچ سنہ ۱۹۰۹ء // ۷ // صفحہ ۲۰۲

۱۴۔ وارث علی خان بنام پرسوتم نرائن اپریل سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۲۰۲

۱۵۔ برہیم خان بنام احمد سید خان مئی سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۴۸۲

۱۶۔ جمیرہ بی بی بنام فریدہ بی بی اپریل سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۷۱

۱۷۔ جمیرہ بی بی بنام فریدہ بی بی اگست سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۷۱

۱۸۔ جمیرہ بی بی بنام فریدہ بی بی اگست سنہ ۱۹۰۹ء // // صفحہ ۷۱

۱۰۹۵ - فیروز خان بنام کنایت اللہ فروری ۱۹۰۶ء مطبوعہ جلد ۷ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۰۹۵

۱۰۹۶ - شہزاد خان بنام قلندر بیگم دسمبر ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۰۹۶

۱۰۹۷ - مہر نواز بنام رحیم مئی ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۰۹۷

۱۰۹۸ - سیکھ دی بنام کدورتا مئی ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۰۹۸

۱۰۹۹ - جے منگل دیو بنام بدین کید فروری ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۰۹۹

۱۱۰۰ - بھور بنام گھوری جولائی ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۰

۱۱۰۱ - بہاری بنام راجندر فروری ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۱

۱۱۰۲ - نیاز بیگم بنام منٹو راجندر خان اپریل ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۲

۱۱۰۳ - راجندر صاحب بنام عنایتی جان مئی ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۳

۱۱۰۴ - چودھری عطاء اللہ بی بی جون ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۴

۱۱۰۵ - گوپداس بنام سیو داس جولائی ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۵

۱۱۰۶ - فیروز خان بنام محمد بخش فروری ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۶

۱۱۰۷ - جولائی ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۷

۱۱۰۸ - کشوری لال بنام ٹوڈ سنگہ جنوری ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۸

۱۱۰۹ - برج ناتھ سرن بنام یفیم پرن جنوری ۱۹۰۶ء

۸ - الہ آباد لاجپور ٹریڈنگ کمپنی صفحہ ۱۱۰۹

۱۳۱- پارتی بنام بیخاوند اشک	فروری ۱۲۹۱ء	مطبوعہ جلد ۹	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۳۰۰
۱۳۲- دھیر داس نامہ	۱۲۹۱ء	جلد ۱	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۵۳۲
۱۳۳- نام بنام بھوپال سنگھ	جون ۱۲۹۱ء	جلد ۱	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۱۰۰
۱۳۴- نندن سنگھ بنام جمن	جون ۱۲۹۱ء	جلد ۱۰	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۷۰
۱۳۵- نام دیوراس سنگھ	مئی ۱۲۹۱ء	جلد ۱	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۵۳۱
۱۳۶- سید رفیع حسین بنام دوا	مئی ۱۲۹۱ء	مطبوعہ جلد ۲	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۷۰
۱۳۷- فیض الرحمن بنام محمد علی	جون ۱۲۹۱ء	جلد ۲	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۸۰
۱۳۸- محمد اسماعیل بنام عبدالغفور	دسمبر ۱۲۹۱ء	جلد ۲	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۲۸۸
۱۳۹- جے گوپان مصر بنام سید سالک سنگھ	دسمبر ۱۲۹۱ء	جلد ۲	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۵۷۹
۱۴۰- فرحت علی بنام شہاب الدین	جولائی ۱۲۹۱ء	جلد ۵	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۳۲۵
۱۴۱- گوکل مصر بنام بندہ سید	مئی ۱۲۹۱ء	جلد ۱	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۹
۱۴۲- اکبری بنام بشیر علی	جون ۱۲۹۱ء	جلد ۱	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۵۵
۱۴۳- لکھن سنگھ نامہ برسرہ زمانہ	جون ۱۲۹۱ء	جلد ۱	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۲۰۲
۱۴۴- محمد طالب حسین بنام عنایت خان	مئی ۱۲۹۱ء	جلد ۱	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۷۲
۱۴۵- راج ناتھ سرن بنام بیگم کرن	جنوری ۱۲۹۱ء	جلد ۱۳	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۵۰۰
۱۴۶- کشوری ریل بنام بوز سنگھ	جولائی ۱۲۹۱ء	جلد ۱۳	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۵۳۵
۱۴۷- رشک لالی بنام رام نرائن	جولائی ۱۲۹۱ء	جلد ۱۳	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۵۷۰
۱۴۸- یارتی بنام بیخاوند اشک	فروری ۱۲۹۱ء	جلد ۱۴	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۶۱
۱۴۹- نامہ برسرہ گورکھ	مئی ۱۲۹۱ء	جلد ۱۵	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۲۲۰
۱۵۰- بیخاوند نامہ سالگرام	جون ۱۲۹۱ء	جلد ۱۴	الہ آباد لاجپت سنگھ	صفحہ ۲۲۰

تتمیز علم انگریزی
سید کریمت حسین صاحب نے انگریزی زیادہ
عمدہ ہو جانے کے بعد صرف قوت مطالعہ سے اسے

جس کی تھی کہ علوم جدیدہ کو پڑھیں انگریزی کا شمار ہونا یا مجالس عام میں
 وچسپ تقریریں کرنا بہ گز انکا مقصد نہ تھا۔ ورنہ دل سے یہ خیال مرتے دم
 تک نہ گیا کہ وہ انگریزی بخوبی نہ جانتے تھے کئی مرتبہ ادب و بخون نے مجھ سے
 فرمایا کہ انگریزی اس وقت بڑی حسیب عمر نہ یادہ ہو گئی تھی اس لیے انگریزی نہ آئی
 عربی میں یہ قدرت ہے کہ جیسے کسی عطار کو بوتل سے شوق نکالے میں ہوتی ہے چاہے
 قطر قطرہ چاہے نصف بوتل نکالے مجا و عربی پر کہا حقہ قدرت ہے میں عرض کرتا مولانا آپ
 انگریزی میں عاجز نہیں ہیں آپ کا ایک خاص رنگ ہے۔ جیسے اچھا معمار
 ایک ایک اینٹ جاکر رکھتا ہے اگر ایک اینٹ نکال دے ڈالو ساری عمارت کو
 نقصان پہونے کا سیصرت آپ کی عبارت ہوتی ہے ایک لفظ عبارت
 میں نہ نہیں ہونا اگر ایسا لفظ نکال ڈالو سارا فقرہ خراب ہو جائے گا آپ کے
 الفاظ کم ہونے میں مطلب یہ کہ یہ خوبیاں کم نہیں ہیں کہ ان میں سے ہوتی ہیں
 شکر کہ یہ آپ کی انگریزی رہتی ہے۔ انگریزی کا تلفظ انکا اچھا نہ تھا۔

جب بامیاورٹ کے کوچ مقرر ہوئے تو ان کے دوستوں نے
 ان کے ساتھ ساتھ ساتھ آگے سے فی البدیہہ فیصلے
 کیے کہ ان کے معائنات کے لئے لکھنؤ لکھتے کہ اس میں جس کرامت حسین
 صاحب کو ضرور ناکامی ہوگی۔ سید کرامت حسین صاحب کی یہ توقع تھی
 کہ جو کام کریں وہ خوب کریں۔ دن رات میں جتنا وقت ان کا ہل سکتا تھا، تب تک
 جتنی سیڑھی سے آخری منزل تک اسی سیڑھی سے پہنچا کر پیش شدہ
 مقدمات کے واقعات پیچیدہ کہ بتدریب زمانی جہانگیر کی چھٹی انگریزی میں

نہ کے حکم کے ادا کرین ان واقعات سے جو قانونی مسائل پیدا ہوئے ہیں
 نگر بیان کریں اور اپنی رائے کے موافق انکا فیصلہ کریں اس شانہ روم کی مشق
 نے اور ہر وقت واقعات کے اور قانونی مسائل کے بیان سے مشکل کو آسان
 کر دیا اور نہ ہیانی فیصلہ لکھانے لگے پندرہ ماہ کی مشق سے وہ حالت ہو گئی جیسے
 پختہ حلالہ کی مشق ہو جاتی ہے اور آسانی فیصلہ لکھا دیتے تھے ابتدا کے
 چند ماہ میں تو انکو شواہی ہوئی اور جو بار بار وکیل کی عدالت میں موجود ہوتے
 تھے وہ کہتے تھے کہ ابھی مشق نہیں لیکن نومبر ۱۹۵۸ء کے بعد کسی کو یہ کہنے کا
 موقع نہ ملا

جج کی عدالت میں سید سچھی کے کام کے سید کریم حسین صاحب کوئی کام
 صبح سے شام تک نہ کرتے تھے صبح سے بڑے بڑے مقدمات کی تجویز لکھتے
 اور شرعی مقدمات میں عربی کتابوں سے سند نکالتے، وہ ترجمہ کرتے تھے
 بنوں رہتے تھے پھر کچری جاتے تھے کبھی ایک منٹ کی ریٹزین بری
 ٹیباہ دفاتر پر پہنچتے پھر کچری سے اکثر سو پتہ گر لڑ پاسے اسکول پہنچتے
 اور وہاں سے آکر تجویز لکھتے۔ ورنہ پھر کچری سے آکر اور ٹھوڑی دیر سسٹن
 مقدمات کا کام شروع کر دیتے شب میں بھی کام کرتے تھے لیکن بہت کم
 جتن شرعی فیصلوں کے لکھنے میں کئی کئی مہینے صرف ہوتے۔

یہ اکثر مینے شاہ مجھے خود بھی مورا ناکی جلا
 بلکہ پائیکورٹ الہ آباد میں بحیثیت بیرسٹر کے
 جانیکا اتفاق نہیں ہوا کہ مولانا کا مخرج کبھی
 جلاس میں چرچہ نہیں ہوتا تھا۔ تہذیب

عدالت ہائی کورٹ

کے پنجہ پر مزاج

ملاقات کا۔ من ہا قد سے نہ چھوڑتا تھا اکثر ججوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ

بعد لہجہ لیٹنے سے پہرے کے کھانے کے وہ شکفتگی مزاج میں نہیں رہتی جو قبل از لہجہ
ہوتی ہے۔ طبیعت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے۔ بات بات پر گھٹنے ہیں۔ تیوری
چڑھتے ہیں اچھی طرح بات نہیں کرتے۔ مولانا کی حالت کیسا نہ ہوتی تھی
اجلاس کی ابتداء سے انتہا تک وہی کیفیت چڑھتا رہا۔ یہ وہی تہذیب
وہی اخلاق وہی خندان پشیمانی۔ بلکہ سی جانت رہتی تھی جو پیر سید انیسویں
ہندوستانی کے باشند اجلاس میں سب برابر سب کی بحث سنا سب و مقصود
یہ ابدینا سب کے جواب سنا کسی کو بد تہذیبی بلکہ ذرہ برابر ترشی سے جواب
نہ دینا یہ شعار تھا۔ مینے ایک مرتبہ کرامت حسین صاحب سے دریافت کیا کہ
آپ کو اجلاس میں غصہ کیوں نہیں آتا۔ فرمایا جسکی زبان قانون ہوا وہ سکڑا
کیون غصہ آئے۔ جیسا قبل اس میں بیان کیا ہے ہندوستان کی بد تہذیبی
کرامت حسین صاحب کا تقریر بعض کو گوارا نہ تھا لیکن اوبنے قانونی کہ
اور حکیمانہ دلکش برتاؤ نے جو بیرونیوں اور وکیلوں کے ساتھ عدالت میں
سب کو تسلیم کرادیا کہ وہ ہر طرح سے اس عہدہ جلیلہ کے لیے موزون
وہی حضرات جو تقریر کے وقت دلشاد نہ تھے بعد شبکہ و ش ہونے کے
فرماتے تھے کہ ایسا جج اب نہ آئے گا۔

جی سے سیکدو جس کی تقریریں، یونین ڈانگریز میں اجہار
سے ترجمہ ہونے کے بعد مکرر کیا گیا ہے

جی سے سیکدو جس کی تقریریں، یونین ڈانگریز میں اجہار
سے ترجمہ ہونے کے بعد مکرر کیا گیا ہے

ترجمہ از اخبار پندرالہ آیاد مورخہ ۱۲ جون ۱۹۱۲ء
منجانب اراکین قانون پیشہ مجلس کرامت حسین صاحب کے

حضورین ایڈریس

کل ایک ہزار ہجوم قانون پیشہ حضرات اور وکلاء اور پیشہ عمال ہائیکورٹ کا آمد
اجلاس نمبر این تھا کیونکہ حیثیت جج ہائیکورٹ مسٹر جسٹس کرامت حسین
صاحب کو عدالت کی کرسی پر جلوہ فرما ہونے کا یہی سب سے آخر دن تھا
ٹھیک اسبجے دن کو ہائیکورٹ کے تمام صاحبان جج بھی عدالت کی
کرسیوں پر رونق افروز تھے۔

اسوقت مسٹر ڈبلو والک نے منجانب اراکین مجلس قانون پیشہ یہ فرمایا: "عالی
مرتبہ معزز القاب مسٹر جسٹس کرامت حسین صاحب قریب ساڑھے چار
سال ہوئے کہ حضور والا اس عدالت کی کرسی پر متمکن ہوئے تھے اسوقت
یہ مہمانہ آیاد کے اراکین مجلس قانون پیشہ کے بچہ مسرت کا باعث ہوا تھا
حضور والا ساہا سال تک ہم لوگوں کے محبت خاص و رالہ آیاد کے قانون پیشہ
اراکین کی لائبریری کے ایک ممتاز رکن رہے۔ علاوہ اوقاس مسئلہ قابلیت
کے جو بحیثیت ایک قانون دان کے حضور لاگو حاصل ہے۔ حضور والا ایک
بہت بڑے عالم عاوم شرقیہ بھی مشہور ہیں اور حضور والا کی ان قابلیت
ساجیان بھی اور حضور والا کے موکلوں کو بڑی مدد ملتی تھی خصوصاً جب
اس میں مافذ کے مسئلے حل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کو حضور والا سے

کی توجہ نہ تھی۔ مستحق منہ عاف اور خلیق ہونے کی امید تھی اور ہم لوگوں سے
منہ روا کہہ رہا ہی آیا۔

نور شاہی کے تعلق سے جو سالہا سال سے عدالت اور وکلاء میں قائم تھے انکو
منہ روا نے ہمیشہ برقرار رکھا۔ جی کی کرسی پر حضور والا کی تقرری کا تیر مقدم
ہم لوگوں نے دیا۔ بار بار سے کیا تھا اور آج دلی رنج کے ساتھ ہم لوگ
منہ روا سے خدمت ہونے ہیں۔ ہم لوگوں کی یہ تمنا ہے کہ حضور والا سالہا
سال تک شادمان و کامیاب رہیں۔ ہم لوگ اس سے واقف ہیں کہ حضور والا
امور خیر اور خیر میں ترقی میں اپنا وقت صرف فرمائیں گے کیونکہ حضور والا نے ہمیشہ
بھی بہت کی خدمات کی ہیں۔

میں منجانب از انجمن قانوں پیشہ الہ آباد حضور والا کی خدمت میں ملحق ہوں
کہ حضور والا یہ بڑے عمدہ ہم لوگوں کی طرف سے اخلاص و تعلیم کی یادگار
نہ قبول فرمائیں۔

بعد ازاں ایک تقرری پھولدان انکی (سید کرامت حسین صاحب کی) خدمت
میں پیش کیا گیا۔

مجلس وکلاء کی جانب سے آنریبل ڈاکٹر سندھ لال نے مخاطب کر کے یہ منہ رایا
حضور عالی مسٹر جسٹس کرامت حسین صاحب۔

پونکہ یہ آخری موقع ہے کہ جہلوگ حضور والا کو حیثیت ایکسٹریڈیٹ سرائے بائیکوٹ
مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں لہذا جس عنوان سے حضور والا نے اپنے اس منصب
سالی کے فرائض انجام دیے اسکی قدردانی میں مجلس وکلاء کی جانب سے صرف
اپنے الفاظ پیش کرنا بے محل نہوگا۔ جیسا کہ مسٹر والک نے ابھی بیان فرمایا ہے
کہ حضور والا کی عمدہ جی کی تقرری پر دلی مسرت سے ہم لوگوں نے خیر مقدم کیا

تھا اور آج صبح کے ساتھ حضور والا سے جدا ہوتے ہیں۔ ہم کو بلا پس و پیش کہنا
 پڑتا ہے کہ بھی کے عہدہ پر حضور والا کے خدمات کی تعریف اس بارے میں
 کیجاتی ہے کہ حضور والا نے خلق عظیم اور باوقار کس اور شدید انہماک سے اپنے
 اخراجات کو انجام دیا۔ عربی و اصولی قانون و فقہ و شرح محمدی میں حضور والا
 کے تہم علی سے جسکے بیشمار خزانے آج بھی زبان عربی میں محفوظ ہیں ہمیشہ
 اس عدالت کے کاموں میں بہت معقول مدد ملی اور ہمیشہ وہ تصدیاے
 مشکل حل ہوتے ہے جو وقتاً فوقتاً پیش آئے باہر گزرتی صہین میں بہترین خدمت
 سے حضور والا نے عدالت ستری فرمائی۔ کبھی کبھی ہم لوگوں کو حضور والا
 کے فیصلہ سے اتفاق رہا یا نہ رہا ہو مگر حضور سے ہمیشہ ہم لوگوں کے عزت و احترام
 کو ملحوظ رکھا۔

حضور والا کی مدت خدمت کے لیے یہ امر شدنی تھا کہ مختصر ہو۔ ہم لوگوں کی یہ
 دعا ہے اور یہی تمنا ہے کہ حضور والا فراغت و اطمینان سے سالہا سال بسر
 فرمائیں۔ خدا کرے کہ حضور والا کی عمر اتنی دراز ہو کہ تا حد امکان حضور والا اور
 ہند کی خدمت اور تعلیمی مقصد کے حصول میں اپنا وقت صرف فرمائیں ہملوگ
 اپنے اخلاص اور عظیم کے یادگار کے طریق پر حضور والا کے عنایت آمیز
 شرف قبولیت کی تمنا میں بجا چیز تحفہ پیش کرتے ہیں۔

اسکے بعد ایک تقری طاس معہ ایک تقری قلمدان کے بیج صاحب ممدوح
 کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

سر جسٹس کرامت حسین صاحب نے جن پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ بہت متاثر ہیں
 جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔

مسٹر الٹ۔ ڈاکٹر سندھ لال ودیگر حضرات قانون پیشہ "حقیقتاً یہ آپ حضرات

کی خالص نیکی کا باعث ہے کہ آپ لوگوں نے اپنے عنایت آمیز جذبات کے ظاہر کرنے کی زحمت فرمائی۔ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اسکا مجھ پر بہت بڑا اثر پڑا اور اس کے لیے میں بید مہنون ہوں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے فرائض کے انجام دینے میں جو قابل قرار ہو گا وہ آپ نے فرمائی ہے اور جس فیاضانہ طور پر آپ نے میری فرد گزشتہ سال کو نظر انداز فرمایا ہے اسکو میں یاد رکھوں گا۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ عدالت ستری ایک اعلیٰ ترین ہمدردی خلاق ہے اور چونکہ آپ بالمشافہ ہیں مرد دہشتہ ہیں اس لیے آپ کا پیشہ دنیا کے اشراف مشیخین سے ایک پیشہ پر جتنا ہی آپ بہتر طریقہ پر اپنے فرائض کے ادا کرنے میں متوجہ ہونے کے اتنا ہی زیادہ فائدہ آپ حلقہ اند کو پہنچا کر کسی فرد واحد کی شان میں بلا کسی تفریط کے مینے یہ کہا ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ جس جماعت قانون پیشہ سے آپ کا تعلق ہے وہ ہندوستان میں کسی ایسی جماعت سے گھٹ کر نہیں ہے۔

جوشیس تھے آپ نے مجھے اس قدر فیاضی سے مرحمت فرمائی ہیں انکی نہایت قدر میرے دل میں ہے۔ میں اپنے گھر پر ان تحفوں کو ایک موزون سبک پر رکھوں گا اور جس مہتمم بالشان عنایت سے یہ دیے گئے ہیں انکی ہمہ وقت تازہ یادان سے ہوا کرے گی۔ اس دعا کے ساتھ کہ انسان کے لیے جو تمام برکتیں ممکن ہیں وہ آپ کو نصیب ہوں میں آپ سے وداع ہوتا ہوں۔ اسے بعد جوشیس نے یہ کرمست حسین صاحب نے اپنے ہم جلس جج صاحبان سے ہاتھ ملایا اور دعا سے رخصت ہو گئے۔

ہائیکورٹ کی ججی سے سبکدوش ہائی کورٹ کی ججی سے
سبکدوش ہونے کے
بعد کے حالات بمطابق
ذیل ہیں۔

سید کرامت حسین صاحب ججی کا چارج دیکر کنوینٹ شریف لاسٹ
اور سب معمول میسر ہی کوئی پر قیام کیا تین چار ماہ قیام
کے بعد کچھ دنوں قیام سر باغ میں رہنے اور پھر سید
علی اوسط صاحب بارسٹر کے پھوس واسلے بنگلہ بن کر ایہ
رہنا شروع کیا۔ ہائیکورٹ کی ججی سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ کرب
معاشر میں بہت کم وقت صرف کرتے تھے بان اگر کوئی پانسور و پیر دیرتا
تو مقدمات قانونی میں اسے دیتے تھے باقی سب وقت تعلیم نوان میں
(جسکو وہ اپنے نزدیک بندگان الہی کے نفع رسانی کا ایک بہترین طریقہ
سمجھتے تھے) صرف کرتے تھے۔ قریب قریب روزانہ میرے یہاں تشریف
لاتے تھے لیکن تھوڑی دیر ٹھہرتے تھے کہ سُنکے کاموں میں فرق نہ آئے
سال کے چار ماہ موسم بارش میں کوئٹہ ملک بلوچستان تشریف لے جاتے تھے
وہاں مستحق مدد اسکے صاحب مولانا کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے
ایک سال انورہ پہاڑ جا کر کچھ دنوں جناب نواب شاہ زمان مرزا صاحب
عرف اکبر صاحب کے ساتھ رہے بعد ازاں دوسری کو کٹی کنوینٹ
میں بمقام بلوڑہ جدا گزار کر ایہ پری اور دس اکویر تک قیام فرمایا
جناب نواب شاہ زمان مرزا صاحب ساکن جو لکھی تھیں

تقریباً جون یا شروع ماہ جولائی ۱۹۵۹ء میں جناب مولانا سید کرامت حسین صاحب قبلہ المورہ تشریف لے گئے۔ جس بنگلہ میں میں مقیم تھا قیام فرمایا۔ میں ضرور کرتا ہوں کہ میرے مہمان ہوسٹل دیان مولانا کے مقلد بھی تھے۔ چنانچہ (ہنڈٹ جوالا دست) جوشی جنکو مولانا نے اپنا دوست فرمایا ہی۔ المورہ کے مستوطن ہیں مجھ سے دریافت فرمایا کہ جوشی آجکل یہاں ہیں یا نہیں بعد دریافت معلوم ہوا کہ المورہ میں نہیں ہیں۔ جناب مولانا کی تشریف آوری کی خبر ہمارے جناب سید آل محمد صاحب قبلہ کے خط سے ہو چکی تھی اور میں نے مولانا کی تشریف آوری کی خبر مشہور کر دی تھی جو سنتا تھا وہ شاد ہو جاتا تھا۔ تمام اہل المورہ مشتاق تھے جناب مولانا کے تشریف لائے ہی سب صاحبان کو معلوم ہو گیا۔ قریب ۴ بجے شام کے جناب مولانا میرے بنگلہ میں تشریف لائے ابھی ابھی شرح اسباب وغیرہ اپنی اپنی جگہ نہیں رکھا گیا تھا کہ حضرات المورہ زیارت کو آنا شروع ہو گئے حقیقت میں حضرات المورہ جلسے میری مراد ہے وہ سب صاحب اہل ہندو ہیں مگر اس خلوص سے تشریف لائے کہ محکوم تعجب ہوا کہ ان حضرات پر مولانا کا اس درجہ سکھ جما ہوا ہے خلاصہ یہ کہ پھر سب صاحبان تشریف لاتے رہے اور مولانا بھی بعض بعض حضرات کے یہاں باز دید تشریف لے گئے۔ جوشی صاحب کے صاحبزادے وکالت کا امتحان دینے کے واسطے جناب مولانا سے قانون روزانہ قریب دوپہر کے پڑھتے تھے اس درمیان میں مولانا سے انجمن میں سالانہ جلسہ کے واسطے ایلیج کا وعدہ ہوا۔ جناب مولانا نے آجولائی ۱۹۵۹ء کو پبلک کتب خانہ میں تشریف لیا مگر ایلیج دی۔۔۔ اس روز تمام شہر کے طالب علم اور وکلاء و رؤسا اور مسافر و مہینے جو قابل شرکت تھے سب جمع ہوئے بہت بڑا مجمع تھا۔

دو حضرات قابل ذکر ہیں ایک صاحب امر مکن جنھوں نے اپنا مذہب ہندو
 اختیار کیا ہے اور ایک صاحب ہنگالی وہ بھی اپنی تمام جائیداد منقولہ و
 غیر منقولہ چھوڑ کر فقیر ہو گئے ہیں تشریف لے گئے تھے۔ بعد برخاست جناب
 سب صاحب جناب مولانا صاحب کی غیبت میں اس درجہ معروف تھے
 کہ قابل بیان نہیں بار بار مجھ سے ارشاد فرمایا کہ باعث فخر ہو گا اگر آپ جناب
 مولانا صاحب کو ہمارے کلب کا ممبر کر دین۔ مولانا کا میں اس قدر
 مزاج دان ہو گیا تھا کہ اس قلیل عرصہ قیام میں مجبوراً تگزارش کی نہیں
 ہوئی میری قسم تھی کہ جناب مولانا نے فرمایا کہ یہ بنگلہ شاہ راہ پر ہے دوسرا
 بنگلہ تلاش کیجئے وہاں اٹھ جائیں مینے عرض کیا کہ جیسا مناسب ہو دوسرا
 روز سے بنگلہ تلاش کرنے لگے یہاں تک کہ اپنے دوست سے فرمایا کہ علیحدہ
 بنگلہ کوئی بناؤ اونھوں نے اپنا باغ جو قریب ۷ یا ۸ میل کے پتویر کیا جناب
 مولانا اس باغ کو دیکھ کر بہت خوش تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ آپ کل چلے بنگلہ
 سے ہو گیا ہے اور پتہ بتایا میں نے فاضل سنا تو نہایت پریشان ہوا
 مولانا کی ہمراہی چھوڑنا بھی دشوار ہے اور جاتا ہوں تو سخت مشکل ہے کہ
 بحیثیت مدین جیسا اہم ہوں ہوں امسال بھی آیا ہوں وہاں ڈاکٹر دوا
 وغیرہ پہنچنا امکان سے باہر ہے کیا کروں مگر مولانا صاحب سے کب
 کوئی امر پوشیدہ کر سکتا تھا فوراً میرا بشرہ دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ کو نا منظر
 ہے خلاصہ یہ کہ مجبوراً مجبوراً تگزارش کرنا پڑا کہ بوجہ علالت کے یہ عذر ہے
 ورنہ معاذ اللہ آپ کی ہمراہی میں کوئی پس پیش ہو سکتا ہے اس عذر
 میں اور حضرات تشریف لے گئے یہ ذکر ملتوی ہو گیا۔ ایک روز جناب مولانا
 جوٹی صاحبہ سے فرما کر تشریف لائے کہ ایک گھوڑا ادس بیگ کا ہے

تاکہ بنگلہ دہاں دیکھ لوں وہ دوسرے دن وقت پر آیا جناب تشریف لے گئے اور سہ شام تشریف لائے اس درجہ گھوڑے کی سواری پر خستہ ہوئے تھے کہ بالا خانہ پر تشریف لانا بارگزار خاصہ تیار تھا منیر پر تشریف لائے اور سکوت میں عرصہ تک بیٹھے رہے مینے کوئین پانچ گرین پش کی نوش فرمائی اور فرمایا کہ قریب ۲۰ سال کے گزرا کہ گھوڑے کی سواری ترک تھی۔ مگر مولانا کو گھوڑے پر سوار دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مولانا نہیں ہیں اور شہ سواری کا تو ذکر اس جگہ زائد ہوگا

اس درمیان میں ایک مرتبہ جناب پنڈت بشن نرائن صاحب دیکھنے کو تشریف لے گئے تھے میں بھی ہمراہ تھا۔ کلب میں سالانہ گارڈن پارٹی ہوئی تھی۔ مولانا صاحب تشریف لے گئے تھے آفم بھی نوش فرمائے۔ مگر دوسرا بنگلہ ضرور لیا وہ کنٹونمنٹ میں تھا تشریف لے گئے۔

میں بحیثیت مریض کے وہاں قیام نہیں کر سکتا تھا کہ منکر ہو گیا تھا کہ مریض کو کنٹونمنٹ میں بنگلہ نہ دیا جائے۔ ایک مرتبہ پلاؤ اور سیٹھے چانول پکائے اور میرے نام سے دعوت فرمائی حسین ڈپٹی صاحبان ایمرزا امام علی بیگ صاحب پشتر تحصیلدار متوطن الموڑہ بھی شریک ہوئے۔ پلاؤ و سیٹھے کی لبت کیا عرض کر سکتا ہوں۔ اکتوبر تک قیام فرمایا۔ جب تشریف لائے تو اہل الموڑہ نے نہایت خوشی کے ساتھ رخصتی کی گارڈن پارٹی دی اس درمیان میں دو دفعہ مسلمانوں کے کلب میں بھی اسپرچ فرمائی۔ رخصتی کے روز سباجا رخصت کرنے آئے اور سب کو جناب مولانا کے تشریف لیجانے کا فسوس ہوا۔ آپ کا ملازم واجد ہمراہ گیا تھا وہ اچھی بوٹی نہ پکا سکتا میرے ساتھ جو ملازم تھا وہ بھی مولانا کے پسند کے موافق روٹی نہیں پکا سکتا تھا اور گندم کھانا نہ ہو

مقبوض تھا تو یہ تدبیر نکالی کہ گندم کو جو ش دیکر نکال سے وہ مسلمان کو نوش
فرماتے تھے۔ بوجہ رحم دلی اس کے ملازم پر سختی نہیں فرمائی اور اسی طرح گندم
کو نوش فرماتے رہے اور گندم کو ترک فرمایا۔

پہلی سالگرہ سٹوڈنٹس کلب اسٹیشن واقع المورہ۔ ۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء پبلک لائبریری ہال میں
منعقد ہوئی جناب مولوی سید کرامت حسین صاحب پریسیڈنٹ مقرر ہوئے۔

۱۱ شفق پینڈٹ بسن ٹرائن ڈر بھی مدعو کئے گئے وہ اس زمانہ میں نئی تال میں تھے دھندلے سے
جو خط سکر صاحب جلسہ کے نام لکھا اور کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء نئی تال
میرے عزیز صاحب

مجھ کو یہ شکر بہت خوشی ہوئی کہ آپ ۱۱ ماہ حال کہ اپنے بھن کی سالگرہ کر رہے ہیں۔ یہ میرے
دستے افسوس اور مایوسی کا مقام ہے کہ میں بیان ہوں اور اتنا بچہ گو میں آپ کے ساتھ
شریک نہ ہو سکوں گا۔ لیکن میری ممتاز جہد و جان اور اچھی خواہشیں آپ صاحبان کے ساتھ
جو کہ ایک اچھے اور مفید کام کرنے میں مصروف ہیں۔ میں ہمیشہ اپنے نوجوانوں کی ترقی کے
کاموں میں بہت بڑی دلچسپی لیتا ہوں۔ آپ کی انجمن اس کام کے واسطے بہت ہی
مفید ہے ہر چیز جو کہ ہندوستانی نوجوانوں کو، خلقی اور دماغی ترقی کی ترغیب دیتی ہے اور
اتفاق ملت کی قدر رکھتی ہے ہر ایک صحیح خیال آدمی کو ایک موثرہ کے نوجوانوں کی یہ سعی
مہر دہی و ہمدانی و امداد کی طالب ہے۔ آپ اپنا کام خاموشی و صبر و سرگرمی سے انجام دین میں آپ کو
یقین دلاتا ہوں کہ یہ تخم جو آپ نے بویا ہے آپ کے تمام پیاروں کے واسطے بہت اچھے
نتائج کا صل ہوگا۔ آپ کا اچھا اثر پھیلے گا اور دوسروں کو آمادہ کریگا اور اس طرح پر آپ کی
مثال ہماری تمام ضلع کے طلباء کے لیے آ رہا ہے۔ خوشی ثابت ہوگی میں آپ کے اس
یک کام کو سب سے دعا کرتا ہوں اور آپ کی دعوت کا کمر شکر یہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا محب صادق بشن ٹرائن ڈر

اور انگریزی میں تقریر فرمائی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

یہ آپ کی بڑی عنایت ہے کہ آپ نے مجھ کو مدعو کیا اور مجھ کو اس بات کا
وقت دیا کہ میں آپ سے اپنے خیال کا اظہار کر سکوں۔ میں آپ کا دل
سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد جیسا کہ پہلی رپورٹ

میں بیان کیا گیا۔ ذاتی ترقی کے لیے ہیں۔ یہ ایک قابل تلاش مقصد
ہے کیونکہ ہر فرد کی ترقی فرقہ کی ترقی ہے آپ کا منشا بحیثیت طلباء اپنے
تین ترقی دینا ہے اگر یہ ہے تو ترقی کے خیال کے ساتھ صحیح الراسے

صحیح، بحکم اخلاق اور اوصاف اعلیٰ کا خیال مثل سرشت
ثانی کے ہونا ابد ہے تاکہ آپ لوگ ایک اچھی۔ پاک۔ سادہ۔ اور فائدہ
بخش زندگی حالت متفقہ میں بسر کر سکیں۔ اور میں جرات کے ساتھ کہہ سکتا

ہوں کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے ہر ممبر انجمن
کو چاہیے کہ اپنی تندرستی قائم رکھے قوانین اور نوع انسانی کے دماغی و جسمانی ترقی کے
قوانین سمجھے۔ سائنس کا علم اخلاق بھی جاننا ضروری ہے۔ اس سے یہ مراد

ہے کہ اس کو عناصر علم تشریح بدن۔ علم النفس علم صحت
اور علم الاخلاق حاصل کرنا چاہئیں میں خیال کرتا ہوں
کہ ان علوم کا درود مدار انسانی زندگی پر ہے۔ علم الاخلاق کی نسبت میں آپ کی

توجہ ایک بہت بڑے اہم مکتب علم ملت کے ماہر کی طرف مبذول کرتا ہوں
جیسے علم طب کا کام پیڑیوں کا دفع کرنا اور تندرستی کا بحال رکھنا ہے اسی
طریقے سے علم الاخلاق کا کام غلطیوں کی شکنی اور صحیح قائم کرنا اور اس کو صحیح طور پر

یقین ہو گیا ہے کہ افلاس بیماری۔ اور ہجرم جس سے تمام مخلوق نالاں ہے
غلطی سے ہوتی ہیں میرا ذاتی ندرت و راز کا تجربہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی سعی

جو کہ علم الاخلاق سے بالکل بے بہرہ ہو اور شوشل اصلاح میں کوشش کرے
 شل ایسے آدمی کی کوشش کے سہے جو کہ تمام اُن علوم سے ناواقف ہو
 جنکا جانتا ایک ڈاکٹر کے واسطے لازم ہے اور وہ شخص کسی ملک بیاہکا
 علاج کرے۔ آپ کے انجمن کے ہر ممبر کو صرف علم کے بنیادی اصول بیان
 پر اکتفا نہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ بلکہ اسکو حتی الوسع اپنے علم کے
 مطابق کام میں لانا چاہیے کیونکہ علم بے عمل جیسا کہ ایک عرب نے کہا ہے
 متن و خست بے فائدہ ہے۔ دوسروں کو لازم ہے آپ لوگوں میں سے
 ہر ایک کو سب علم میں علوم نہ کورہ کے اصولوں میں مدد دیں اور آپ اپنی روز
 زندگی میں اتنی سلی صورت میں لائیں۔ آپ میں سے ہر ایک کا فرض ہے
 کہ دوسروں کو دکھیں کہ وہ رہا سہا سہی سے منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے
 کوشاں ہیں۔ آپ کے مضامین مباحث ان باتوں پر مبنی ہونا چاہئیں میں
 بلا شک یہ کہ سکتا ہوں کہ یہ آپ کے واسطے بہت بہتر ہوگا کہ آپ اور تمام
 دوست کو اپنے اغراض و مقاصد سے بالکل علیحدہ رکھیں۔ علاوہ مقامی شخص
 غور و حل کے آپ کا فرض ہے کہ آپ علمی حیثیت میں سربراہ اور وہ ہنود کی ہنود
 جس جگہ دین۔ میرے معزز دوست پنڈت جوالادت جوشی جو کہ اخلاق و نیکی
 اپنا پلاہن انکو بھی آپ اس انجمن میں شریک کریں۔ ڈاکٹر سندرا لال صاحب جو کہ
 میں صوبہ کے بہت نامور اشخاص میں سے ہیں اونسے بھی آپ لوگ استفادہ
 کریں کہ وہ آپ کے مرئی ہوں۔ اسکا علم ذخار اور وسیع تجربہ آپ کے لیے
 نعمت غیر مترقبہ ہوگا میں متافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کا بہت
 وقت سہٹ کیا۔ اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کی کوشش بار آور ہو۔

۹ بجے سے ۱۰ بجے تک

یاں تشریح لکھاتے تھے اور جب ضرورت ہو تو اس وقت اپنے تمام
 نوپھی پڑکیوں کو اسکول میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تفسیر لکھاتے اور
 لکھواتے اور وہاں سب کے ہنگامی معاملات کی نگرانی فرماتے تھے۔ ان کے مشاغل
 قیام میں تصنیف کی فرصت کم ملتی تھی۔ یوں کہ بعض طلباء کو قانون بعض کو انگریزی
 فلسفہ بعض کو عربی ادب اور حدیث وغیرہ پڑھاتے تھے اور اس نے جانیوالوں
 سے ملاقات میں وقت صرف ہو جاتا تھا بعض ضرورتوں سے کبھی کبھی اسے آباد
 تشریف لے جاتے تھے اس لیے کہ یونیورسٹی کے فیلو اور اسٹڈنٹس اور سینٹ کے
 ممبر اور تھوڑے عرصہ تک لوکل گورنمنٹ کی کونسل کے ممبر تھے۔ تصانیف
 کا کام کونٹہ اور پسار پر زیادہ کرتے تھے لیکن مادہ تصانیف یعنی عبارت
 ترتیب منقول عنہ بیان سے ساتھ لے جاتے اور آٹھ ماہ بیان کے قیام میں
 اون کے مسودات صاف کئے جاتے تھے یا اون کے طبع میں
 وقت صرف ہوتا تھا سب سے علیحدہ ہونے کے بعد حلت تک وقت تک فضل الکریم
 کام ہوا وہ فقہ اللسان کا طبع ہوتا ہے جو مولانا کی عظیم الشان تصنیف ہے
 میں نے تبلیغ کو شش کر کے اسے بہادر منشی پرگن رائے صاحب مالک
 طبع اور اخبار سے اس کے چھاپ دینے کا وعدہ لیا اور منشی صاحب نے
 اس کو ایفا کیا۔ منشی صاحب کا شکر گزار ہوں اور سید گرامت حسین صاحب
 اور ان کا شکر یہ خاتمہ کتاب میں لکھا ہے۔

آخر ساڑھے چار سال میں مولانا نے جو تصانیف فرمائے وہ حسب ذیل ہیں۔
 مسد عقاربختم اللسان کی تکمیل۔ المقدمہ کا دوسرا ایڈیشن تیار کرنا۔ المیزان
 ایک مبسوط کتاب حالات نسوانی پر۔ حالات جناب امام حسین علیہ السلام
 بحالات جناب امیر المومنین علیہ السلام۔ تاریخ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ

ہو چھپ چکی تھی اور سب تکمیل۔ بد سالہ امور عامہ کی تکمیل۔ ان کتب میں مولانا نے مقدمہ اضافہ کر کے نہایت مفید اور کارآمد بنادیا۔

انجمن العمال مولانا کی تحریک سے ایک انجمن سالہ ۱۹۱۶ء میں نواب سجاد علی خان صاحب عرف اچھن صاحب۔ مرزا بہادر مرزا محمد عباس صاحب رئیس عظم شہر لکھنؤ و سابق ڈپٹی کمشنر کے نواسے نے انجمن العمال قائم کی اور نواب صاحب کی استدعا پر مولانا انجمن کی پرستی قبول فرمائی اور وہ بھی اصل کے برسر مضمتہ میں یکشنبہ کو سہ پہر کو آغا حیدر صاحب مرحوم کے امام باڑہ میں کسی خاص مضمون پر جو مسلمانوں کو بائبل و ص تافع ہو لکچر دین چنانچہ مولانا نے کئی لکچر دیے لیکن افسوس کہ کوئٹہ سے واپس تشریف لے جانے پر جلست وقت تک کوئی لکچر نہ دے سکے ورنہ جب سے انجمن قائم ہوئی تھی اس وقت سے کوئٹہ تشریف لے جانے تک کوئی ہفتہ نامہ نہیں کیا وقت کی ایسی پابندی تھی کہ چند منٹ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی تھی اور نہ سائین کی کثرت و قلت کی پروا تھی۔ انجمن العمال کا دستور العمل حسب ذیل ہے

دستور العمل

۱۔ اس انجمن کا نام "العمال" افراد کا سبہ بنائیوالی انجمن ہوگا۔

۲۔ اس انجمن کی غرض شیعہوں کو افراد کا سبہ بنانا ہے۔

۳۔ اس کا صدر مقام و کٹوریہ اسٹریٹ نمبر ۱۶ ہوگا۔

۴۔ ہر شخص جو کم سے کم ایک شیعہ فرد کو کاسب بنائے سکا رکن ہوگا ایسے

۵۔ ناخرش ہوگا کہ جب فرد کاسب بنائے سکا رکنی انجمن ہذا کو اطلاع دے

۳۔ انجمن کے لیے ایک مجلس انتظامی ہوگی جس میں ایک صدر، انجمن کے نائب صدر، انجمن ایک سکریٹری اور نو ممبر ہوں گے۔

۴۔ ممبروں کا انتخاب مجلس انتظامی کے سالانہ اجلاس عام انجمن میں ہوگا۔

۵۔ سالانہ اجلاس کی اطلاع تحریری کم از کم ایک ماہ پہلے دی جائیگی۔

۶۔ کوریوم ہوگا (اجلاس عام انجمن)۔

۷۔ سب کارروائی کثرت رائے سے ہوگی۔

۸۔ مجلس انتظامی کم سے کم سال میں چار مرتبہ اجلاس کریگی۔

۹۔ ہر اجلاس کی اطلاع پندرہ دن پہلے دی جائیگی۔

۱۰۔ پانچ کوریوم ہوگا (مجلس انتظامی)۔

۱۱۔ اگر کوریوم پورا نہ ہو تو جلسہ ملتوی ہوگا۔ ملتوی شدہ جلسہ میں کوریوم کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔

۱۲۔ سب کارروائی کثرت رائے سے ہوگی۔

۱۳۔ اگر مختلف فیہ میں رائے دہندہ ممبروں کی تعداد دونوں جانب برابر ہو تو جس طرف صدر انجمن ہوں اس گروہ کی رائے کثرت رائے کا حکم رکھے گی۔

۱۴۔ انجمن اور مجلس انتظامی کی کارروائی درج ذیل ہوگی۔

۱۵۔ انجمن کو اپنے قاعدہ کی ترمیم و تبدیل کا اختیار ہوگا۔

۱۶۔ کسی ممبر کا نام جس سے خارج کر دینے کا اختیار مجلس انتظامی کو ہوگا اور وجہ بیان کرنیکی ضرورت نہ ہوگی۔

۱۷۔ ہر ممبر کو پورے سال کو جس شخص کو کرنا چاہیے کہ سال کے اندر فروغ سب بنادے۔

۱۸۔ تمام ضروری مراسلت سکریٹری انجمن سے کرنا چاہیے۔

امور ناگو یہ خیال زمانہ قیام لکھنؤ میں اکثر تھا کہ اگر علماء لکھنؤ کی انجمن لکھنؤ اور چند طلباء کی ایک انجمن مابانہ یا ہفتہ وار قائم ہو جائے

بسمین وہ خود ان اعتراضوں کو بیان کریں جو جدید سائنس کی رو سے اسلام پر ہوتے ہیں اور بعد میں سب ممبران کو ایک ایسی کتاب بتائیں جس سے غرض کا دفعہ ہو جائے لیکن افسوس یہ آرزو اُن کی پوری نہ ہوئی۔

مجملہ تمام مذاون کی انکی ایک تمنا یہ بھی تھی کہ علماء کی حقیقی علماء کی عزت عرف عوام الناس میں قائم ہو جائے اور اسکے واسطے انھوں نے

بہترین تدبیر یہ سوچی تھی کہ تمام معاملات شریعت کا فیصلہ علماء کے ہاتھ میں دیا جائے اور علماء کو کسب معیشت سے فارغ البال کر دیا جائے اور انکی احکام کو گورنمنٹ خود نافذ کر دیا کرے۔ افسوس اسکی کوشش شروع ہونے سے پہلے داعی اہل کو بیابک کتنا پڑی۔



تعلیم نسوان

بانی کورٹ کی تجویز سے سکدوش ہونے کے بعد سید کریمت حسین صاحب نے
اس آباد چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کیا اور اپنا تمام وقت مسلم گریڈ اسکول لکھنؤ کی محنت
و ترقی میں صرف کرتے تھے نہ طلب شہرت تھی نہ حب جاہ نہ امید صلہ۔

تعلیم نسوان کے خیال کی ابتداء لندن پہونچنے
تعلیم نسوان کا ابتدائی خیال | سے ہوئی سلسلہ عین سید کریمت حسین صاحب

جب وہاں پہونچے بہترین صحبتوں میں شریک ہوئے اور میمن سے ملے
تب انکو یہ خیال شروع ہوا کہ ہندوستان کی ترقی کے لیے عورتوں کی تعلیم
و تربیت بہت ضروری ہے لہٰذا معاصر یعنی سید علی امام صاحب مظہر الحق
صاحب ڈاکٹر ماشاء اللہ خان صاحب ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب وغیرہ لندن میں

۱۔ مشفق سرسید علی امام سابق لاہور (میرٹھ) ڈپٹی کنسل گورنر جنرل بہادر

۲۔ مشہور پریسٹریٹ لاہور۔

۳۔ مول سحرین ساکن الہ آباد گلاب خانہ۔

۴/۸

تھے اسے گفتگو اور بحث کر کے پابند تھے کہ ایک انجمن تشیخہ نم نسوان کے لیے
مقرر ہوا اسکے قواعد بھی مرتب کر کے طبع کر لیے تھے مگر جب ایک جلسہ میں
وہ قواعد منظور کی گئے تھے پیش ہوئے تب سید علی امام صاحب نے یہ تقریر
فرمائی کہ جو کچھ انجمن کو کرنا ہوگا وہ ہندوستان میں کرنا ہوگا یہاں لندن میں ان
کرنا اور اسکے قواعد بنانا پیش از وقت اور فضول ہے۔ حاضرین پر اس تقریر کا
یہ اثر ہوا کہ انجمن نہ بنی۔

سب کریم نے سید صاحب نے الہ آباد میں بیڑ مری شروع کی تب تعلیم نسوان
کا پھر خیال ہوا۔ مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم ساکن میرٹھ اور خان بہاد
مرید بہت زہد و پارسا تھے۔ سب نے ہمدردی کی کرامت حسین صاحب نے
تعلیم نسوان پر رسالہ لکھا اور سکو چھپوا کر شائع کیا لیکن کوئی عملی صورت پس
نہ ہوئی سالہ عمر میں مسلم ایجوکیشن سوسائٹی کا نفرنس الہ آباد میں ہوئی اور کرامت
حسین صاحب اکثر مشاہیر کے خیون میں جو بفرض کا نفرنس الہ آباد تشریف
لے رہے تھے گئے اور عرض کیا کہ آپ حضرات کو مسلمانوں کی تعلیم سے دلچسپی ہے
اور سکی مروتی کے لیے مفرد و دو دراندہ کی دشواریاں گوارا فرما کر یہاں تک تشریف
لے رہے ہیں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف کیون متوجہ نہیں ہوتے اسلئے
حضرات نے اس گزارش کو بڑی سی پرمائی سے سنا اور جو جواب دیے
اس سے شدید احتجاج کیا، ہر گز نہ کرتے تھے کہ کوئی دیوانہ اس کے خیمہ میں گس
رے نہ ہے بلکہ اہل اکیمل اس کو ٹالنا چاہیے اور اسکے شر سے بچنا چاہیے۔

سب نے اس میں کرامت حسین صاحب علی گڑھ میں قانون کے پروفیسر تھے
وہ قریباً ان ایجوکیشن کا نفرنس کا اجلاس ہوا سید احمد خاں صاحب نے

ان کے قریب رہے اور اس میں ک رہتے ہیں۔

سید کرامت حسین صاحب سے کہا کہ تم کیون کانفرنس کے ممبر نہیں ہو جاتے
جواب دیا کہ اس شرط پر ممبر ہو سکتا ہوں کہ تعلیم نسوان کی تحریک کی اجازت
ملے۔ سرسید نے فرمایا بہتر ہے آپ تحریک فرماؤ میں مخالفت کرونگا۔

تعلیم نسوان کا پہلا رزلوشن اجلاس کانفرنس میں سید کرامت حسین صاحب
نے تعلیم نسوان کی تحریک اور آنریبل خواجہ

غلام الثقلین صاحب مرعو مہانی پی نے تائید کی خود سرسید نے اور جناب مولوی
بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اٹا وہ نے مخالفت کی لیکن اتفاق سے
رزلوشن پاس ہو گیا۔

راجہ جے کشن داس صاحب اوس دن سرسید کے عمان تھے اجلاس کے بعد
اونھوں نے سید کرامت حسین صاحب کو بلایا اور پوچھا کہ جو رزلوشن تم نے
پاس کر لیا وہ صرف کاغذی بات ہے یا حقیقت میں تم کچھ کرنا چاہتے ہو سید
کرامت حسین صاحب نے جواب دیا کہ میں گناہ اور بے مایہ ہوں لیکن ارادہ
یہ ہے کہ جتنا وقت کسب معاش سے بچے وہ سب تعلیم نسوان میں صرف کروں
راجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر تم اپنے ارادہ میں پختہ ہو تو لیڈی ڈفرن فنڈ کے
آئندہ اجلاس میں حضور تواب لفٹنگ گورنرسے کہو ٹھاکہ لیڈی ڈاکٹر اسی وقت
عام پسند ہوگی جب خاندانی ہندو اور مسلمان لڑکیاں پڑھ کر ڈاکٹر بن کر
ہو عورتیں فی الحال ڈاکٹر بن کر ٹی این او سے شریف ہندو اور مسلمان عورتوں
کو اتنا ہی پرہیز ہے جتنا اجنبی مردوں سے اسلئے شریف ہندو اور مسلمان لڑکیوں
کے لیے مدرسے بنانا چاہئیں جہاں وہ پڑھ کر ڈاکٹر بن کر پڑھ سکیں۔ راجہ صاحب نے
اس وعدہ کو وفا کیا اور سر چارلس کراستھوٹ سابق لفٹنگ گورنر مالک متحدہ
کو یہ رائے پسند آئی اور کراستھوٹ گرلز اسکول کی بنیاد پڑی۔

تعلیم نرسوان کا پہلا اثر جلسہ پہلا عام جلسہ کو رنڈٹ ہاؤس لکھنؤ میں ہوا اس وقت
اور راکٹ پر جو دستہ بنور سر راجہ امیر حسن خان صاحب

موجود تھا مقدار تھوڑی سی تھی سیٹا پورا وہ بھی تشریف رکھتے تھے مختلف حضرات
نے شرکت پند ۱۰ بیٹے کا اقرار فرمایا جناب سر راجہ امیر حسن خان صاحب مغفور نے
سرچرہ ترہ راستہ سے لڑایا کہ میں مجھدون سے دریافت کیا تھا وہ فرماتے
ہیں کہ اس وقت چوتھا حرام ہے لیکن چند دنہ دوڑ کا حضور اشد شہادت
نور شہادت و شہادت ہے آپ کی رائے میں بڑی بات ہے مگر انہوں نے
کہیں آپ سے متعلق نہیں ہوتا۔

یہ بڑا شکر ہے کہ آپ نے آیا مدرسہ لکھنؤ میں ہوا الہ آباد میں بنایا جہت کشن اس میں
نے راستہ دی کہ الہ آباد میں ہوا اور اس رائے کی تائید میں ایک وجہ پیش کیا
کی کہ وہاں میں نہایت حسین صاحب موجود ہیں جنکو عورتوں کی تعلیم سے بھی
دیکھ چکی ہیں نہ صرف میں سے ایک صاحب یہ بات شکر برہم ہوئے اور
فرمایا کہ راستہ حسین صاحب ہی کام کرنے والے ہیں ہم لوگ یہاں ہیں اور
اس وقت ہر شے اودھ کے چندہ کی مقدار زیادہ ہو چکی وہ سے مدرسہ لکھنؤ
میں کھول رہا ہے اب دینی کوشش رہا در لکھنؤ اکثر کمیٹی (انتظامیہ) کمیٹی کے پر سید
میں تین مدرسہ کھولا گیا سال ہی دو سال میں رہے جہت کشن میں
مدرسہ سے متعلق دیکھی تھی پتہ لگا کہ اس المال میں سے پتہ لگا
میں نے رنج ہو چکا اور ایک لاکھ سے کچھ زیادہ باقی ہے اور انہوں نے اس باب
میں کوشش کرنا شروع کی کہ مدرسہ الہ آباد جاسے اور چند مدرسہ کھول
دیا جائے اور مدرسہ ہو گیا جو اکثر کمیٹی الہ آباد میں مقرر ہوئی اور اسکے
پر سید شکر علی صاحب الہ آباد مقرر ہوئے مشفق نشی رہا لال صاحب

یہ باتیں سولہ برس قبل کے زمانے میں تھیں اور یہ کوئی راجہ برہم پور کی ہے۔

بارہ ایٹ لاسکرٹری ہوئے تھوڑے دن کے بعد وہ تواریخ چلائے اور
 سید کرامت حسین صاحب لاسکرٹری ہوئے جو وقت سید کرامت حسین صاحب
 نے لاسکرٹری کے عہدہ کا چارج لیا
 اس وقت آمدنی مدرسہ کے سرمایہ کی صرف پچتر روپیہ ماہوار تھی ورا یک ہندی
 کا درجہ تھا ایک اردو کا ایک بنگالی کا قبل اسکے کہ مدرسہ استوار بنیاد پر قائم
 ہو یہ بحث پیش آئی کہ بنگالی لڑکیوں کا جو مدرسہ ہے وہ آئین شامل کر دیا جائے
 اور یہ سوچ سے چاہا تھا کہ مسلمان اور ہندوؤں میں لڑکیوں کی تعلیم سے نفرت
 بے بنگالی ہی لڑکیاں آئیں اور کسی طور سے کام تو چلے بنگالی صاحبوں نے
 مقررہ حقوق چاہے اور کرامت حسین صاحب نے مخالفت کی سب کمیٹی
 اجلاس میں ایک بار کہا کہ کثرت رائے سے آپ جو چاہیں بٹ فرمائیں لیکن
 جب یہ معاملہ حضورین لفٹنٹ گورنر بہادر کے پیش ہو گا تب میں بہت زور
 سے مخالفت کرونگا سب کمیٹی نے کثرت رائے سے بنگالی صاحبوں کی صحت
 ی در خواستیں قبول کر لیں مگر جب معاملہ سرانٹینی ملڈ اٹل کے سامنے پیش ہوا
 اور وقت سید کرامت حسین صاحب نے کہا کہ بنگالیوں میں تو عورتوں کی تعلیم مانج
 ہے وہ اپنے طور پر اوسکا بخوبی انجام دے رہے ہیں یہ روپیہ تو صوبہ آگرہ واوڈ
 کے لادگوں نے اپنے صوبہ کی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے دیا ہے یہ بہت نا انصافی
 ہوگی کہ بنگالی حضرات اس سے فائدہ اٹھائیں حضور لفٹنٹ گورنر بہادر کو یہ بات
 پسند آگئی اور انھوں نے فیصلہ کر دیا کہ بنگالی لڑکیوں کا مدرسہ کراستہ ویت
 لڑ لڑ اسکول میں شامل نہوا اس بحث نے بھی بہت طویل کینچنیا کہ کراستہ ویت
 لڑ لڑ اسکول میں بنگالی پڑھانیکا سامان فراہم کیا جائے اور بدشوار می اسٹے ہوا

کہ لازمی نہیں سرمایہ گنہ آئل کے عہد حکومت میں بار بار عرض کیا گیا کہ مدرسہ کی آمدنی کافی نہیں ہے گورنمنٹ سے اعانت ہونا چاہیے چند بار کی گزارش کے بعد وختوں نے ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن انٹرکسٹس سروسٹس کے صوبہ جات متحدہ کو حکم دیا کہ مدرسہ کو ملا حظہ کریں اور لکھیں کہ یہ مدرسہ کی گرانٹ ان ایڈیو مالی امداد دینا چاہیے یا نہیں سید کر امت حسین صاحب نے انکو مدرسہ کا معائنہ کرایا اور ضرورتیں بتائیں لیکن انھوں نے خفیہ رپورٹ لکھی کہ مدرسہ میں سرمایہ کافی ہے مدد کی ضرورت نہیں اور سرائیوٹی کا دور حکومت مدرسہ کی طرف سے بے اتفاقی میں گذر جب حضور جنمیں لاٹوش لفٹنٹ گورنر ہوئے تب سید کر امت حسین صاحب نے انکے سکریٹری صاحب کو باقاعدہ لکھا کہ حضور مدد و رح کب سالانہ اجلاس پسند فرمائینگے جواب دیا کہ جب تک حضور مدد و رح اپنی نظر سے مدرسہ کو معائنہ نہ فرمائینگے وہ وقت تک کچھ اقرار نہیں فرمائے جب وہ الہ آباد تشریف لائے سید کر امت حسین صاحب حضرت ہوئے اور عرض کیا کہ مدرسہ بہت میلی گلی میں ہے وہاں تکلیف دینے سے شرم آتی ہے فرمایا جب میں پریسیڈنٹ ہوں تو چلتا ضرور ہے سید کر امت حسین صاحب نے جہاں تک ہو سکا راہ کو اور مکان کو صفات کرایا لڑکیوں کی طرف سے ایک سادہ ایڈریس اس مضمون کا لکھا۔

”اسے آمدنت باعث آبادی با۔“

ایک پرائیڈریس

موقوف امداد تعلیم نسوان

ایک چھوٹی لڑکی نے اس ایڈریس کو حضور جنمیں لاٹوش کو سنایا ایڈریس شکر

لڑکے خوش قسمت ہیں کہ انکو مان بابا اور سرکار

دونوں پڑھواستے ہیں لڑکیاں بد قسمت ہیں کہ نہ انے

مان بابا پڑھواستے ہیں نہ سرکار

دیوں چوٹے جیسے بجلی لگنے سے آدمی چوٹ لگتا ہے اور پوچھا یہ کتنے لکھا اس کا
 جواب اونکو صاف نہ ملا یعنی ملاحظہ مدرسہ جب چلے تو سید کرامت حسین چنگ سے
 فرمایا کہ تم کل ڈیڑھ بجے پیرے پاس آنا سید کرامت حسین صاحب حرب
 سے یہ حاضر ہوئے فرمایا تم نے کبھی گورنمنٹ سے مدرسہ کے اعانت کی درخواست
 کی جو واقعات سرٹوٹی کے زمانہ میں گذرے تھے وہ کرامت حسین صاحب نے
 عرض کر دیے فرمایا یہ تو کوئی وجہ نہیں کہ تم دوبارہ درخواست نہ کرو بتاؤ
 کہ سر درست کم سے کم کتنا مانا جائے گورنمنٹ سے چاہتے ہو کرامت حسین صاحب
 نے جنسٹس امین سے مشورہ کے بعد ایک سو دس روپیہ مانگے جس پر
 لٹوش سے جب یہ رقم عرض کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ فلاں دن مندرجہ
 وقت تم آنا میں ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن کو بھی بلا کر کھول گا سید کرامت
 حسین صاحب وقت معہودہ پر گئے ڈائریکٹر صاحب بھی تشریف لائے ہزار
 نے اہل سے کہا کہ کرامت حسین گریڈ اسکول کو فلاں ماہ سے ماعہ دیا کرو انھوں
 نے عرض کیا کہ بجٹ میں یہ رقم درج نہیں اور دینا مشکل ہے فرمایا ہم یہ کچھ
 نہیں جانتے تم کو ضرور دینا ہو گا انھوں نے سر تسلیم خم کر لیا اور مبلغ ماعہ
 ماہوار مدرسہ کو ملنے لگا جب یہ مدرسہ ملنے لگی تب سرکاری مدرسوں کے مانند
 اپر پرائمری درجے مقرر ہوئے سید کرامت حسین صاحب کو جب موقع ملا تب
 انھوں نے جنسٹس لٹوش سے بھی عرض کیا کہ مدرسہ کا مکان بالکل ناموزون
 ہے دوسرا مکان بن جانا ضرور ہے جواب اکثر یہی ملا کیا وہ لڑکیاں جو مدرسہ
 میں پڑھتی آتی ہیں ان کے گھر اس مدرسہ سے بہتر ہیں اس کے جواب میں کرامت
 حسین صاحب نے یہی گزارش کی کہ جب وہ مدرسہ میں آتی ہیں تب امتیاز
 برعکس ملتا ہے اور انھیں بھی توجہ دانی اور پاکیزگی سکھانے کے لئے سکھانے

ہو کر لاہور و نہ ہونے سے پہلے فرمایا کہ تم کیا اور مدد مدرسہ کی بابت مجھے
چاہئے تیسرے کرامت حسین صاحب نے عرض کیا کہ تعمیر کے لیے جو روپیہ
عطا ہوا ہے وہ ہم کو اس شرط پر دیدیا جائے کہ ہم بلا مشروطی محکمہ تعمیرات اسکول
صرف کرین ورنہ سال چھ پندرہ شروع ہو گا اور وہ پچھ سو قاعدہ داخل حنفیہ
سرکاری ہو جاوے گا۔

مشہور مدد و ج نے سکریٹری صیقلہ مال کو اسی وقت چٹھی لکھ دی اور روپیہ برآمد
ہو گیا۔ سرسین لاٹوش نے ایک بار سر جان سینٹلی چیف جسٹس سے فرمایا کہ آپ
تھوڑی توجہ کر استمویت گرنز اسکول کی طرف کیونکہ میں فرماتے انھوں نے
جواب دیا کہ میں افرامیری میری دونوں اسطرت توجہ کریں گے اور جب تک
ہائیکورٹ میں رہے ہمیشہ پوری توجہ فرماتے رہے۔

جب سر جان بیوٹ کا دور آیا تو انھوں نے کر استمویت گرنز اسکول کی طرف
زیادہ توجہ فرمائی پانچ ہزار روپیہ سالانہ عطیہ سرکاری میں اضافہ کیا شیر والی کو
جس میں اب مدرسہ سب سے خرید فرمایا پچیس ہزار روپیہ عطا کیا۔

۱۹۱۱ء میں مس عتیہ فنی ساکن بمبئی اب
نے مدرسہ میں بہت دیکھ سہی ظاہر کی اور یہ

کرامت حسین صاحب سے کہا کہ لندن میں ایک قابل خاتون جس پوپین
کر آپ انکو مدرسہ میں معلمہ کر دیں تو بہت درستی ہو جائے چونکہ وہ مسلمان ہیں
مدرسہ مسلمانوں کے لیے بہت دلکش ہو جائیگا سید کرامت حسین صاحب نے
مس عتیہ فنی صاحبہ سے سفارش کی کہ لیا اور مس پوپ کو لکھا کہ کیا آپ
ہندوستان تشریف لاسے گا خیال فرماتی ہیں دیر میں جواب دیا کہ ہاں قصد

گرم وہ پہلے پاس نہیں دے سوقت سید کرامت سے یہ سب سب سے نکال لیا کہ اگر آپ ایک سو
پچاس کی مدد ہی قبول فرمائیں تو تمہارے لئے یہ تنخواہ آپ کے کہاں کے
مقابلہ میں بالکل سب سے حق ہے بلکہ ہم بے باہر ہیں زیادہ نہیں دے سکتے۔ مس
پوپا سے قبول فرمایا سید کرامت حسین صاحب نے مبلغ خاص دے دیا
زادہ کے لیے بچہ دینے جب یہ ذکر سید کرامت حسین صاحب نے اپنے
دوست مشفق سید عبدالرزاق صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا اور جب فرمایا
کہ مدرسہ تو کمیٹی کے اختیار میں ہے کیا ہو اگر کمیٹی مس پوپا کو مدرسہ میں ملازم کرنا
قبول نہ کرے سید کرامت حسین صاحب نے کہا میں تنخواہ اپنے پاس سے
دوان کا سید کرامت حسین صاحب کے دوستوں نے ایک خاص تدبیر سوچ کر
پوربین لیڈی کا اسٹاف میں داخل ہوئے کامیاب کمیٹی میں پیش کر دیا
لیکن مس پوپا کا ملازم ہونا کمیٹی نے قبول نہ کیا اور سید کرامت حسین صاحب
نے کمیٹی سے اجازت لی کہ مس پوپا مسلمان بوڈروں کی نگرانی فرمائیں
تک مدرسہ سے علاف نہ ہو اور انکی تنخواہ سید کرامت حسین صاحب دین۔ مس
پوپا صاحبہ جولائی ۱۹۱۹ء میں الہ آباد تشریف لائیں اور مسلمان بوڈروں
کے ساتھ رہنے اور انکی نگرانی کرنے لگیں۔

۱۹۱۹ء میں جناب سر راجہ محمد علی محمد خان صاحب
سلم گریٹر اسکول لکھنؤ کے صدر اور الہ آباد میں تشریف لائے سید کرامت
حسین صاحب نے انکو کراچی میں گریٹر اسکول ملاحظہ کرایا فرماتے لگے کہ یہ
پوربین لیڈی کے تعلیم کے خلاف تھا مگر کلکتہ جانے اور وہاں کی تعلیم و تربیت
یا فتنہ عورتوں کو دیکھنے سے میرا خیال بدلی گیا اگر مسلمان لڑکیاں تعلیم پائیگی
۱۹۲۰ء میں مولانا صاحب بانی گورنمنٹ الہ آباد کے تمام مقام حج ہیں۔

تو بوالہ تعلیم یافتہ مسلمان تعلیم یافتہ بڑا ہمو عورتوں وغیرہ سے شادی کر کے
 اور جاہل مسلمان لڑکیاں تباہی میں گرفتار ہونگی۔ اسی کے ساتھ یہ رعیت
 ظاہر فرمائی کہ خاص مسلمان لڑکیوں کے لیے ہندوؤں سے جدا مدرسہ ہوتا
 ہے۔ چاہیے۔ کاش یہ مدرسہ صرف مسلمانوں کے لیے ہوتا یہ قرار پایا کہ جب جسٹس
 مسٹن لفڈنٹ گورنر ہو کر تشریف لائیں وہ وقت انکی خدمت میں اس خاص ضرورت
 کا ذکر کر کے یہ عرض کیا جائے کہ یہ مدرسہ خاص مسلمانوں کا ہو جائے سر جان
 ہیونٹ کے تشریف لیجائے اور جسٹس مسٹن کے تشریف لائیں اثنائین جو
 واقعات پیش آئے اونسے سید کرامت حسین صاحب کی یہ رائے ہوئی
 کہ اس بات میں کوشش کرنا ہے سو وہ مدرسہ موجودہ صرف مسلمان
 لڑکیوں کے لیے ہو جائے ہرگز کامیابی نہوگی مناسب ہوگا کہ جدید مدرسہ
 لکھنؤ میں یا کسی دوسری جگہ صرف مسلمان لڑکیوں کے لیے کھولا جائے
 جناب سر راجہ محمد علی محمد خان صاحب نے اس رائے کو پسند فرمایا اور وعدہ
 کیا کہ چھ سو روپیہ ماہوار اپنی ریاست سے مسلمان لڑکیوں کے مدرسہ کے
 واسطے دینے لگیں اس پر اصرار کیا کہ وہ مدرسہ لکھنؤ میں ہو۔ آخر جون ۱۲۸۵ء
 میں سے سکدوش ہو کر سید کرامت حسین صاحب اسکے درپے ہو گئے
 سر راجہ محمد علی محمد خان صاحب اپنا وعدہ پورا فرمائیں اور مدرسہ لکھنؤ میں
 کھل جائے۔ سارا ستمبر ۱۲۸۵ء میں صرف ہو گیا اور جو اذیت اور
 بیکاری اور کابٹل سید کرامت حسین صاحب کو اس مہینہ میں پیش آئی
 وہ قابل ذکر ہے۔ مہینہ میں پیش نہیں آئی تھی۔ ایک بار تو یہ اتفاق
 ہوا کہ سید کرامت حسین صاحب سے بیوہ شہزادہ ہو کر میرے حمام میں گر پڑے پانچ
 یا سات دقیقہ پہلے شہزادہ کے رہے ہونے کے جب ہوش آیا تو بہت آہستہ سے

نیکو پکار میں اتفاق سے حمام کے بہت قریب تھا میری مدد سے یہ مشکل بہتر
 تک گئے شفقتی شفقت کر کے لایا پھر وہ صاحب سول سول لکھنؤ کو میں نے فوراً بلایا
 سول سول صاحب فوراً آئے۔ نسخہ لکھا، پتہ لکھا لیکن جناب سر راجہ محمد علی محمد خان
 صاحب بہادر نے اس کے بھی بہتر لینے چاہے سو روپیہ ماہوار عطا فرمائے۔

جناب راجہ صاحب مدوح نے مبلغ چھ سو روپیہ ماہوار عطا کرنے کا وعدہ تو
 کر ہی لیا تھا اسکی بابت ایک بار مولانا کرامت حسین صاحب نے فرمایا
 کہ صرف وعدہ زبانی نہ رہنا چاہیے بلکہ دستاویز تحریر ہونا چاہیے اور انہیں
 دیہات مکحول ہونا چاہیے بناب راجہ صاحب موصوف جنکو وعدہ نہ دیا
 کرنے کا شبہ بھی نہ تھا اور جو دستاویز لکھنے کو اپنی شان سے فروتر جانتے تھے
 ارشاد کیا "کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے" سید کرامت حسین صاحب نے
 فرمایا "حتیٰ پر تو پورا بھروسہ ہے مگر ہر اکابر و سائنس" (یعنی نہیں معلوم
 کل کیا ہو جناب راجہ صاحب مدوح نے اس بارے کے سفتے ہی فوراً فرمایا
 "بہت خوب میں دستاویز لکھ کر دیتی کروں گا" اور جو کما تھا وہی کیا
 یعنی دستاویز لکھ دی اور اس میں چند دیہات مکحول فرما کر اسکو رتبہ
 کرا دیا اور ۲۰ نومبر ۱۹۱۳ء سے لڑکیوں کا قیامی مدرسہ جاری ہو گیا۔ مس
 پوپ صاحبہ اسکی پرنسپل ہوئیں اور چند عیسائی اور مسلمان اوتانیان ملازم
 کر لیں۔ مس پوپ صاحبہ نے جسدن مدرسہ شروع ہوا ایک تقریر کی وہ
 حسب ذیل ہے۔

میں نے اپنے پوپ صاحبہ کی تقریر میں بہنو اور عزیز لڑکیوں میں اسوقت
 مس آئینہ پوپ صاحبہ کی تقریر کے سلسلے میں اس لیے لکھیں ہوں

اس سے مس پوپ صاحبہ نے بہنو اور انکی جگہ میں راجہ صاحبہ کام کرتی ہیں

کہ نہایت مختصر طور پر کہچے اس مدرسہ کے بارے میں بیان کروں اور یہ بھی کہ
 ہم سب بہنوں میں یہاں اس وقت کیون جمع ہوئی ہیں لیکن یہ بیان کرنے سے
 پہلے میں اپنی معزز بہنوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کر لگی ہوں کہ آپ نے یہاں
 تشریف لاسنے کی تحکیمت گوارا کی اور جس محبت اور عنایت سے مجھے ہر کام میں
 مدد دی گئی ہے اس کے لیے میں دل سے ممنون ہوں۔ میں سنا کرتی تھی
 کہ ہندوستان کی خاتونین اور خاص کر لکھنؤ کی بیگمات بڑی ملنسار اور محبت
 والی اور دل لہھانے والی بیگمات ہوتی ہیں یہ بات سننے دو چار دن میں ہی
 اپنی آنکھوں سے یہاں دیکھ لی۔ جس محبت اور عنایت سے آپ نے میری تشریف
 کیا ہے اور جس محبت اور عنایت سے اس وقت میرا دل بڑھا رہی ہیں میں
 کبھی اپنی عمر میں نہیں بھول سکتی مجھے افسوس ہے۔ اور میں شرمندہ ہوں کہ
 میں اردو زبان ابھی اچھی طرح نہیں بول سکتی۔ گو کچھ فارسی جانتے سے مجھے
 اس میں مدد ملی ہے تاہم اردو میں اپنے خیالوں کو پوری طرح ابھی ظاہر نہیں
 کر سکتی اس لیے مجھے امید ہے کہ اگر مجھ سے کوئی فرد گزاشت ہو جاوے تو مجھے
 ضرور معاف کرے گی۔

میری ایک دوست سے یہ خواہش تھی کہ میں اپنی مسلمان ہندوستانی بہنوں
 کی خدمت کر سکوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے یہ موقع ملا ہے۔ کہ تعلیم کے ذریعہ
 سے میں کچھ خدمت کر سکوں گی۔ میری معزز بہنوں آپ نے کتابوں میں پڑھا ہوا
 اور اپنے بزرگوں سے سنا ہوا کہ ایک زمانہ تھا کہ اسلام کا ستارہ عروج پر تھا
 اور وہ اس قدر روشن تھا کہ اس نے ایک دنیا کو روشن کر دیا تھا اور کوئی زمین
 اس سے نہ تھی۔ کوئی ہنر ایسا نہ تھا جس پر اسلام کی چمکتی ہوئی کرنیں نہ پڑتی ہوں
 لیکن پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ وہ روشنی کم ہو چلی اور تاریکی چھانے لگی اس کی

برست سی و جہین بین جن کے بیان کر سنے کا موقع نہیں ہے لیکن ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ تعلیم نسوان کی طرف سے کم تو نہیں ہو کئی اس وقت نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہزار میں دس عورتیں بھی پڑھ لکھ نہیں سکتیں۔
 مگر اس وقت تعلیم نسوان پر لکھ دینا نہیں چاہتی ہوں۔ نہ اتنا وقت ہے۔ اور نہ اس وقت اس کی ضرورت ہے کیونکہ آپ لوگ جو بیان اس وقت موجود ہیں سب بخوبی جانتی ہیں کہ تعلیم بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن میں اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس قوم کی مائیں اور بہنیں پڑھی لکھی نہ ہوں۔
 مجھ سے اکثر یہ سوال پوچھا گیا ہے۔ اور شاید آپ بھی سنتا پسند کرینگے کہ اس اسکول میں لڑکیوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔ بے شک یہ سوال ایسا ہے کہ آپ کو پوچھنا چاہیے۔ اس کے قواعد بنے ہوئے ہیں اور پور ڈٹاک ہوس کے بھی قواعد بنے ہوئے ہیں۔ اُن سے آپ کو کل کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اس وقت مختصر طور پر صرف دو ایک باتیں عرض کرونگی۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس اسکول میں پردے کا بہت خیال رکھا گیا ہے جس طرح لڑکیاں اپنے گھروں میں پردے میں رہتی ہیں۔ اسی احتیاط سے بیان بھی رہے گی مگر پردے کی رسم سے واقف ہوں اور اسے بڑی وقوت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میری ہندوستانی بہنیں یہ سن کر خوش ہونگی کہ میری بگرائی میں انکی لڑکیاں اسی طرح پردے کی پابند رہیں گی جس طرح اُن کی مائیں رہتی ہیں۔ اور یہی میری اُن کے لیے نصیحت ہے اور یہی ان کے لیے مناسب اور ضروری ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہاں مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا خیال رکھا گیا ہے۔ اور نماز روزے کی پابندی لازمی ہوگی۔ اور اردو۔ فارسی۔ عربی۔ اور انگریزی پڑھائی جائے گی۔

اساتذہ ہی ساتھ اور خانہ داری کی پوری تربیت اور تعلیم ہو گی جس میں سہیا پرونا
 اٹھانا پکانا مختلف قسم کی دستکاری وغیرہ داخل ہیں۔ اصول صحت و
 صفائی کی بھی تعلیم ہو گی۔ ان کی پابندی ہو گی مختصر یہ کہ اس اسکول کی یہ کوشش
 ہو گی کہ بیان کی ہر چیز پوری لڑکیاں روزہ منانہ کی پابند ہوں۔ اپنے خد سے
 ڈرتی ہوں۔ نیک ہوں۔ وہ اپنے ماں باپ کی فرمان بردار بیٹیاں ہوں۔ اور
 جب وہ زمانہ آئے کہ عہد بارہاں ہوں تو وہ راق منظم چاہنے والی اور مرد و
 والی بیٹیاں ہوں اور اپنے آپ کی سخت تعلیم و تربیت کا مقول انتظام کر سکیں
 میں متانی چاہتی ہوں کہ میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا اور میں عرض
 ہوں کہ آپ نے میری اس تقریر کو نور سے مناب میں سمجھ لیا اس وقت سے
 اسکول کا کام شروع کرتی ہوں۔ اور دعا کرتی ہوں کہ خدا ہماری مدد کرے
 اور ہمیں کامیابی دے۔ آپ سب بہنیں دل سے آمین کہیں۔ لکھنو۔ بروز
 عید الفصحی ۲۱ نومبر ۱۹۱۶ء۔

لکھنؤ کے مسلم گریٹر اسکول کا باضابطہ افتتاح لیڈی مسٹن کی توجہ سے ہوا اور
 لیڈی مسٹن نے جو تقریر ۲۸ مارچ ۱۹۱۶ء کو فرمائی اس کا ترجمہ سب ذیل ہے
 خواتین یہ آپ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھ کو مسلم گریٹر اسکول کے
 افتتاح کے واسطے مدعو کیا میں اس خیر مقدمی ایڈریس کا تہ دل سے جو
 میں پوپ نے ابھی پڑھا۔ شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میں بخوبی جانتی ہوں کہ مسلمان
 میں خصوصاً وہ لوگ جو کہ پرانے خیالات کے ہیں لڑکیوں کے اسکول کو جہان
 طرز تعلیم موجودہ زمانہ کے مطابق ہو گا پسند نہ کریں گے۔ لیکن میرے تہ
 مسلمان احباب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ایسی تعلیم میں اگر پردہ اور مذہبی
 مسائل مد نظر رکھے جائیں تو لڑکیاں بغیر خراب ہونے اخلاق کے یا کم ہونے

اوس خوشی کے جو آنکو گھروں میں حاصل ہے تعلیم حاصل کر سکتی ہیں اس
 حالت کو شکریہ بہت خوش بیان کیونکہ کوئی چیز ہم مغربی خواتین کے واسطے بجز
 اس چیز کے زیادہ مسرت کا باعث نہ ہوگی کہ ہماری مشرقی بہنوں کو اس
 فائز بنادے کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ دماغی کوشش میں پورا حصہ لیں
 اور اپنے بچوں کی اچھی تعلیم ہو سکیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم ماؤں کے
 خیالات کو بلند کر دے گی اور آئندہ نسلوں کے واسطے نفع بخش ہوگی اس لیے ہماری
 دلی خوشی ہے کہ ہم ایک ایسا قایم کیا ہوا اسکول دیکھیں۔ اور ہم کو دلی امید
 ہے کہ یہ ان لڑکیوں کے واسطے جو کہ اسمیں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے
 آویں گی بہت ہی مسرت بخش و نافع ہوگا یہ میرے معزز احباب آنریبل راجہ
 محمود آباد و مولوی سید کرامت حسین صاحب کی علوہمتی و سرگرمی کا نتیجہ ہے
 ان احباب نے نہ کمزور وقت بیش بہا اس میں صرف کیا ہے اور ایک بہت
 ہی اچھی ابتدا کی ہے یہ عمدہ مثال یقیناً دوسرے مسلمانوں کو اس بات
 پر آمادہ کرے گی کہ وہ آگے بڑھیں اور آئندہ ضروریات کے پورا کرنے میں
 حصہ لیں۔ جیسا کہ مس پوپ نے ایڈریس میں بیان کیا ہے۔ وہ اس سے
 زیادہ بہتر خدمت اپنے فرقہ یا ملک کے واسطے نہیں کر سکتے۔ مس پوپ
 و خواتین میں آپکا شکریہ پورا کرتی ہوں کہ آپ نے مجھ کو بیان بلایا۔ میں اسکول
 کا افتتاح کرتی ہوں اور آپ سب کے ساتھ دعا کرتی ہوں کہ مستقبل اسکا
 بہت ہی کامیاب و فائدہ مند ہو، (انڈین ڈیلی ٹیلیگراف لکھنؤ مطبوعہ
 ۱۹۱۳ء)

لکھنؤ کے مسلم گریز اسکول کی بابت میں نے ایک مضمون تعلیم نسوان پر لکھا تھا
 اور ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء کے انڈین ڈیلی ٹیلیگراف، میں شائع ہوا تھا اس

مضمون میں جناب سید کرامت حسین صاحب کے اشارہ کا ذکر کیا ہے اور پھر
بکھرے سالوں کے انتظام و نگرانی و زبرد و تقدیر پر نظر ابر کر کے تقدیر نسوان کی
توجہ مسلمانوں کی بندوں کی ہے مضمون کے اصول ہے اس لیے اس کا
نتیجہ اس کا ترجمہ بیان درج نہیں کیا۔

تقدیر نسوان میں سید کرامت حسین صاحب کو بہت سی دشواریوں کا مقابلہ
کرنا پڑا اکثر حضرات فرماتے رہے کہ اس میں کوشش کرنا عبث ہے اس کے
کامیابی نہ ہوگی ایک دوست نے اسے ایک بار کہا کہ خدا کے یہاں تمہارا
منہ کالا ہوگا اس نازیبا حرکت سے باز آؤ سید کرامت حسین صاحب نے
جواب دیا کہ منہ تو ابھی کالا ہے اور کیا کالا ہوگا۔ پاکدامنی اور عفت کے خلاف
بہت سے بے بنیاد قصے مشہور کیے ایک صاحب نے ایک بار غنی تال میں
اوسے کہا کہ تم پر بد چلنی کے فلان فلان الزام ہیں اور انھوں نے جواب دیا کہ اگر
مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم جاری ہو جاوے تو مجھ کو سب الزام بدل قبول
ہیں چند سال میں نہ میں ہونگا نہ وہ جن کے ساتھ الزام لگایا گیا ہے نہ الزام لگانے
والے اور ایک بہت سود مند کام مسلمانوں میں رائج ہو جائیگا۔ مسلمان
عورتیں پڑھنے لکھنے لگیں اور میں بدنام ہو جاؤں ہزار گونہ بہتر ہے اس سے
کہ میں نیکنام رہوں اور مسلمان عورتیں جاہل رہیں۔

سید کرامت حسین صاحب نے فقط اپنے وقت اور ذات
سرمایہ کرامت ہی کو مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کیونہ سٹے وقت نہیں کر دیا
بلکہ پھر میں جتنا روپیہ انھوں نے لے لیا تھا وہ بھی
سبے نظیر اشارہ کی مثال دیدیا اسکا نام سرمایہ کرامت رکھا اس عہد کی

مقتدر و سرکش و در را کہ ہے لیکن اس اعتبار سے کہ کل کائنات یہی تھی اور
کس نے کا زمانہ گذر چکا تھا اور پیری میں بعسرت بسر کرنا ہو ایک کا
کام نہیں یہ کرامت حسین صاحب نے ایسا کام کیا ہے جسکی مثال اس
زمانہ کے مسلمانوں میں ملنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

جب یہ کرامت حسین صاحب نے یہ ٹھکان لی کہ اپنی سب کمائی مسلمان
لڑکوں کی تعلیم کے لیے وقف کر دینگے تب انھوں نے یہ طریقہ سوچا کہ جتنا
روپیہ اور جائداد ہے وہ سب تعلیم کے لیے دیدین لیکن حق حین حیات اپنے
بچے بنو خطا کر لیں کیونکہ پیمائش کا کوئی اور ذریعہ ان کے پاس نہ تھا یہ اسے
قرارداد پر فہم تھا ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ کی جائداد و نقد کو بحفاظت حق
حین حیات حسب قانون امانت امانتی جائداد قرار دینا اور اپنے دوستوں
میں سے تین چھ دوستوں کو امین مقرر کر دیا یہ خبر مشہور ہوئی اور اخباروں
میں مضامین چھپے۔

اس شہرت کے بعد سید کرامت حسین نے اپنے قانونی مشیروں سے کہا
کہ ان لڑکوں کی تعلیم کے لیے اتنا سرمایہ دیدینے کی خبر تو اب شائع ہو گئی
میں صریحاً فرما کر بتلائیے کہ جو امانت نامے غینے لکھے ہیں وہ قانوناً بجا اور نافذ
ہیں نہ نہیں؟ سب کی بالاتفاق یہ رائے ہوئی کہ قانون امانت ٹرسٹ
الکسٹ مسلمانوں کے ایسے کارہائے خیر سے متعلق نہیں ہے اور یہ
سب امانت نامے باطل ہیں۔

یہ کہ سید حسین صاحب کی ابقدا فی تعلیم کا یہ اثر نہیں راسخ تھا کہ ہر شخص
کے ذہن کو خصوصاً جبکہ اسکی عمر چالیس کے گزر چکی ہو اسکی ذہن دھندلنے
کی بہ نسبت عجیب تر جانتے تھے اور خود اپنی بابت اکثر کہا کرتے تھے کہ جب

میں صبح کو جاگتا ہوں تو عجیب کرتا ہوں کہ مر کیوں نہیں چکا فردوسی نے
شاہنامہ میں فرمایا ہے۔

چو برداشتم جام خبہا ہشت نیکرم بجزک: دتا بوت و دشت

سید کرامت حسین صاحب پچاس برس کے ہو چکے کے بعد اس شعر کے

سچا مصداق تھے اور کوئی دن اوپر ایسا نہ گذرتا تھا کہ موت کو یاد نہ کرتے

ہوں یا اپنے زندہ رہنے سے مستعجب نہ ہوتے ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی

عجیب حالت تھی کہ موت کی یاد اور دوسکا انتظار اونکو ان کاموں سے جنگو

وہ کرنے کے قابل جانتے تھے باز نہیں رکھتا تھا امانت ناموں کے برطل

ہونے اور موت کے آجانے سے کار خیر میں خلل پڑ جانے کے اندیشہ نے

انکی صحت پر بہت ہی بڑا اثر کیا اور اضطراب کے ساتھ انھوں نے مختلف

کوششیں کیں کہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے جو روپیہ دیدیا ہے

وہ قانوناً نافذ ہو جائے قبل ازان کہ موت آجائے انھوں نے جناب حیت

جسٹس الہ آباد سے کہا کہ آپ کوئی چارہ بتا دیں کہنا ہے سود ہوا حضورؐ

گورنر کو یہ حیثیت اپنے دوست کے لکھا کہ لوکل گورنمنٹ کوئی ایسی صورت

نکال دے کہ حق حین حیات محفوظ ہو کر سرمایہ کرامت کی آمدنی میں سے

تھوڑے دن ایک جزو چند لڑکوں کی تعلیم کے لیے ملے اور باقی سب ہمیشہ

مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں بہرہ ہو کرے صاحب مدوح سے بھی اطمینان

بخش جواب نہ ملا ایک صاحب نے اسے دی کہ ایک انجمن تعلیم مسلمات

قائم ہو کر جسٹری کرادیا جائے اور سرمایہ کرامت مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں

صرف کرنے کو اوسکے حوالہ کر دیا جائے انجمن قائم ہو کر جسٹری کرادی گئی

مگر کچھ بھی یہ خدشہ نہ ہا کہ آیا شیعوں کی فقہ ایسی انجمن کو جائز ہو یا نہیں تسلیم

کر لی یا نہیں بالآخر یہ قرار پایا کہ ایک لاکھ پچیس ہزار نقد کی زمیندار کی جائیداد خریدی جائے وہ وقت ملا اور انہیں کے کارکن یعنی بورڈ آف ڈائریکٹرز اسکا متولی کر دیا جائے اور حقوق مرثیہ وغیرہ جنکے وقت میں فقیہ و شواہد ہیں وہ جناب سر راجہ محمد علی محمد صاحب پریسڈنٹ بورڈ کے نام بعض تین روپیہ ماہانہ تاحیات مولانا سید کرامت حسین صاحب بیع کر دیے جائیں مولانا سید کرامت حسین صاحب نے ذریعہ بیعنامہ مورخہ

چند حقوق مرثیہ وغیرہ جناب سر راجہ محمد علی محمد خان صاحب کے نام بعض مبلغ تین سو روپیہ ماہانہ تاحیات خود بیع کر دیے اور ذریعہ وقت نامہ مرقوم یکم اپریل ۱۹۱۳ء ایک لاکھ پچیس ہزار کی زمیندار کی جاہانکے نام جناب راجہ صاحب موصوف نے ذریعہ بیعنامہ مورخہ

بیع کی تھی وقت کر دی اور ارکان بورڈ کو اسکا متولی کر دیا۔

جناب سر راجہ محمد علی محمد خان صاحب نے اپنی خرید کردہ جائیداد بنام مولانا سید کرامت حسین صاحب فروخت کر دینے سے اور بعد وقت ہونے جائیداد کے اسکا انتظام اپنی ریاست کے ذمہ رکھنے سے جو سچی مدد مولانا سید کرامت حسین صاحب کی فرمائی مولانا سید کرامت حسین صاحب لکھنؤ اسکی بڑی قدر کرتے رہے۔ اور سر راجہ صاحب کو کمال شکر گزاری یاد فرماتے رہے۔

جب یکم اپریل ۱۹۱۳ء کو وقت نامہ رجسٹری ہو گیا تب سید کرامت حسین صاحب اپنی نیند سوئے اور موت کے آجلے کا کھٹکا جو انکو گھلائے دیتا تھا وہ جاتا رہا بعض دوستوں سے انھوں نے کہا کہ اب موت جب چاہے آئے میں حاضر ہوں یکم اپریل ۱۹۱۳ء کے بعد بجز علم اور تعذبات کے

شوق اور چند دوستوں کے ساتھ رہنے کے دنیا کی کوئی آرزو سید کرامت حسین صاحب کو سوا اسکے باقی نہ رہی کہ مسلمان لڑکیوں کا یہ رسم جو لکھنؤ میں نومبر ۱۹۱۲ء سے شروع ہوا ہے وہ درجہ کمال پہنچ جائے لیکن اس کے کامل ہونے سے پہلے مر جانے کا احتمال مودی نے فرمایا کہ کرامت حسین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری کوشش سے مدرسہ کامل ہو جائے تو خوشابخت اگر نہ ہو تو اسے بسا آرزو کہ خات شدہ۔

جتنی کمائی تھی سب سرمایہ کرامت میں دیدیتے سے سید کرامت حسین صاحب کی آمد فی فسطا دوسو چالیس روپیہ ماہوار کی۔ مگنی تھی اسی میں وہ اپنے قریب اعزاء کی مدد کرتے تھے اور ہائیکورٹ کی جج کے ضروری اور لازمی تنعم کے بعد بہت عسرت سے بسر کرتے تھے کھانا لباس مکان خدام سب میں نمایان قلت تھی احباب کی دعوت و ہمانی بھی مشکل تھی امور خیر میں باسانی مالی زبردہ نہیں کر سکتے تھے لیکن ثبات و استقلال ایسا تھا کہ اس عسرت میں بھی طبیعت کی وہی حالت تھی جو جج کے تنعم میں تھی۔ لہذا قرضو اہمال کم و لا تا سوعلی ما فاتکم پر عمل کی دل سے سعی تھی اور نمایان کامیابی بھی تھی۔ دنیا کی نمائش کو چون کا کھیل جانتے تھے۔

چھبیس سٹائپس برس مسلسل کوشش کرنے اور وہ لاکھ کا سرمایہ دیکھنے کے بعد اون صاحبوں میں سے جن کا سید کرامت حسین صاحب کے مقابلہ یا مخالفت نہ تھی بعض ایسے بھی ملتے تھے جو ان کے سامنے ہلکی قدم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جناب نے بڑا کام کیا ہے، سید کرامت حسین صاحب جواب دیتے تھے کہ سچ قدر دانی میری خدمت اور روپیہ دینے کی یہ بات کہ میں فائدہ اٹھائیں اپنی صاحبزادیوں کی تعلیم و تربیت سے وہ فائدہ

مسلمات بتائیں میری تعریف بالکل غیث ہے نہ اس سے واسطہ کو فائدہ
ہو سکتا ہے نہ موصوفت کہ میں آفتاب لب بام ہوں میری تعریف قبر میں
ساقی نہ جائیگی

اس باب کو مولانا کے ایک لکچر جو اوٹھوین نے ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع لکھنؤ کی
تعلیمی کانفرنس کے دوسرے اجلاس منعقدہ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۵ء بہ مقام
قیہ باغ بارہ درمی لکھنؤ میں دیا تھا ختم کرتا ہوں لیکن لکچر کی نقل کرنے سے
پہلے اس تہید کی نقل کرتا ہوں جو ہمارے لکھنؤ کے عزیز ڈپٹی مشنری ڈاکٹر
خاص نہایت فرما جناب مشرین ایم جا پلتنگ آئی سی ایس نے لکھی ہے
اس صوبہ میں کم و کم ایسے ہیں جو آئرلینڈ مولانا سید کرامت حسین صاحب
سابق جج ہائیکورٹ کے نام نامی سے واقف نہیں ہیں اور مولانا صاحب
موصوفت کے خدمات ملکی کے معترف نہیں ہیں۔ جس طرح نرسید احمد نان
صاحب مرحوم اس صوبہ میں پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لڑکوں کی تعلیم کا
بیر اٹھا کر ایک درسگاہ کی بنیاد ڈالی اور اپنی ساری عمر اسکی خدمت میں
صرف کی۔ اسی طرح جناب مولانا ممدوح اس صوبہ میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں
نے تعلیم نسوان کو ترقی دینے کے لیے علی تدا بیر اختیار کیا ہیں اور ان مقاصد
کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات اور وقت اور ساری عمر کی کمائی وقف فرمائی
یہ لائق اور تجربہ کار حاجی تعلیم نسوان کے خیالات اور تجربات سے ضلع
لکھنؤ کے باشندگان کو مستفیت ہونے کا موقع دینے کی غرض سے ممدوح سے
اس بات کی خواہش کی گئی کہ اس ضلع کی تعلیمی کانفرنس میں تشریف
لا کر تقریر فرمائیں۔ اور میں نہایت شکر گزار ہوں کہ مولانا نے یہ درخواست
منظور فرمائی۔

حاضرین اس تقریر سے اس قدر مسرور ہوئے کہ ممبیاں ڈسٹرکٹ بورڈ نے
 باتفاق رائے اسلئے طبع کرانے کی خواہش کی۔ اس خواہش کے پورا کرنے
 میں مجھے خاص خوشی ہوئی کیونکہ اس تقریر کو بدیہ نامہ رین کرنے میں مجھے اس
 بات کا موقع ملا کہ اپنے ضلع کی تعلیمی حالت کے پیش نظر اس کے آئندہ ترقی کی تہا
 بہم پہونچانے میں مدد مانگوں۔

سوچتے ہوئے کی حالت زار دکھلانے کی غرض سے ذیل میں چند اعداد و ج
 کیے جاتے ہیں۔

تعداد لڑکیوں کی جو تعلیم پاتی ہیں اسکول جاسکتے والی لڑکیوں کی کل آبادی
 کی وہ فیصدی تعداد جو اسکولوں میں
 تعلیم پاتی ہیں۔

صوبہ	۱۹۰۷ء	۱۹۱۲ء	۱۹۰۷ء	۱۹۱۲ء
برما	۱۶۴۷۰۶	۲۲۶۶۸۵	۵۶۷	۷۶۲
بھوٹا	۱۰۸۷۱۶	۱۵۳۰۹۰	۵۶۹	۷۶۸
بنگال	۱۲۷۸۰۰	۱۹۴۱۱۴	۳۶۱	۴۶۶
مالک متحدہ	۴۰۰۱۱	۵۲۳۲۹	۱۶۲	۱۶۲

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ بمقابلہ دیگر صوبہ جات کے ہمارے صوبہ کی
 حالت کس قدر قابل افسوس ہے اور یہ امر نہایت قابل تشویش ہے کہ گودگیر
 صوبہ جات کے لوگ اس قسم کی تعلیم میں آگے قدم بڑھا رہے ہیں لیکن ہمارے
 بالکل ساکن ہے۔ کیونکہ ۱۹۱۲ء میں ہر صوبہ کی تعلیم پانیوالی لڑکیوں کا اوسط
 بمقابلہ ۱۹۰۷ء کے زیادہ پایا گیا لیکن صوبہ ہند میں جو اوسط ۱۹۱۲ء
 میں تھا وہی ۱۹۰۷ء میں قائم رہا۔

شعلہ لکھنؤ کی حالت بھی مثل دیگر مقامات ضووبہ ہذا کے ہے۔ خاص شہر میں لکھنؤ
کی خواتین کی تعلیم کی حالت بہت تسکین دہ ہے اور جو اسکول اس طبقہ کے
لیے قائم ہیں ان سے لوگ نہایت مستعدی کے ساتھ فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر قابل
اسلام کی خواتین کی تعلیمی حالت قابل توجہ ہے اور جناب مولانا کریمت حسین صاحب
کے انتظام میں جو مدرسہ مسلم گرلس اسکول کے نام سے قائم ہے اس میں طالب علموں کی تعداد
صرف ۲۴ ہے جس میں سے ۷ ابورڈ ہیں۔

شہر کے باہر شعلہ کی حالت بہت زیادہ قابل افسوس ہے اور دیہات و قصبہ
میں ہندو اور مسلمان دونوں طبقوں کی تعلیمی حالت بہت توجہ طلب ہے
اس معاملہ میں جو صاحب عملی تدابیر ہم پہنچانے میں میری مدد فرمائیں ان کا میں
بہت شکر گزار ہوں گا۔

مولانا کریم صاحب قدرت نے آدمی کو ایسا بتایا ہے کہ وہ آرام سے جینا چاہتا ہے
کا لکچر دکھ سے بھاگتا ہے۔ دنیا میں جتنی چیزیں آدمی نے ایجاد کیں وہ سب
اسی لیے کہ آرام ملے۔ آگ اسی لیے دریافت ہوئی۔ زبانیں اسی لیے بنیں
لکھنا پڑھنا اسی لیے۔ جانور اسی لیے پے۔ کپڑے۔ گھر۔ بستیاں۔ کھیتی۔ تجارت
علوم و فنون اسی لیے ہوئے۔ قوانین۔ سلطنت۔ قوانین سب اسی واسطے
حد یہ ہے کہ آدمی صرف اسی چیز کو اچھا کہتا ہے جس سے آرام ہو اور سیکو
بُرا کہتا ہے جس سے دکھ ہو اگر راحت اور اذیت سے قطع نظر کریں تو نہ کوئی
چیز اچھی ہے نہ بُری۔

جو چیزیں آدمی نے ایجاد کیں وہ ماحول کی پیچیدگی سے کبھی مضرب بھی ہوئی ہیں
لیکن اصلی غرض آرام ہے جب آرام سے جینے اور نسل چھوڑنے کے لیے

ملہ آدمی کے گرد گرد جو آب و ہوا حیوانات و نباتات و دیات و قوتیں ہیں ان کے مہرے کو ماحول کہتے ہیں

آدمی قوموں کی عورت اختیار کرتے ہیں تب انہیں تقسیم محنت لازم ہوتی ہے
 جسے یعنی راحت سے جینے کو جتنے کام درکار ہوں انکو آپس میں بانٹ لے
 ہیں کچھ کھیتی کرتے ہیں کچھ لباس بناتے ہیں کچھ مکان کچھ حفاظت کرتے ہیں کچھ
 سداق کچھ تعلیم کچھ معافی وغیرہ وغیرہ۔ اس تقسیم محنت سے راحت کا مجموعہ بڑھ
 جاتا ہے گو ماحول کی پیچیدگی سے گو تہ اذیت بھی ہوتی ہے۔

پہلے تقسیم محنت جو گھر میں شروع ہوتی ہے وہ مرد و عورت کے کاموں کی سبب۔
 ہندوستان کے جس حصہ میں ہم رہتے ہیں وہاں متوسط طبقوں میں تقسیم
 محنت حسب ذیل ہے۔

مردوں کے لیے کماتا۔ عورتوں کے لیے گھر کا انتظام
 گھر کے انتظام میں بہت سے کام کرنا پڑتے ہیں۔ مثلاً جو روپیہ گھر میں آئے
 اوسکو کفایت سے اٹھانا۔ مکان اور مکان کی سب چیزوں کو صاف و صحت
 بخش اور آرام دہ رکھنا۔ مکان کے سب اسباب کو اپنی اپنی جگہ صاف پاک
 حالت میں رکھنا۔ حسب حیثیت صلح اور لذیذ غذا کھانا وقت پر گھر والوں کو
 دینا۔ حسب حیثیت سادہ اور آرام دہ کپڑا گھر والوں کے لیے مہیا کرنا بیماروں
 کی دوا کرنا۔ انکی تیمارداری کرنا۔ شادی اور غم کی صحبتوں میں اسراف سے
 بچنا اور آرمہ کے سامان اکٹھا کرنا۔ اولاد ہو تو انکے کھانے کپڑے۔ تندرستی
 معافی۔ اخلاق۔ عادات۔ ابتدائی تعلیم کا ذمہ لینا۔ یہاں یہ عرض کرنا چاہیو
 کہ اچھی اور ادب پیدا کرنا اور انکو اچھی طرح سے دنیا میں صحت و راحت عزت
 کے ساتھ رہنے کے قابل بنانا عورتوں کا بہترین کام ہے اور مردوں کا بہترین
 کام یہ ہے کہ وہ عورتوں کو اس قابل کر دیں۔ بچوں کے عمدہ ہونے میں
 عورتوں کے عمدہ ہونے کو بڑا دخل ہے۔ اصل میں بچہ مان ہی کا ٹکڑا ہے

و جیسی مان ہوگی ویسا ہی بچہ جیسا درخت ویسی ہی اوسسی شاخ۔ بچے کو ان نل میں اپنے خون سے پالتی ہے۔ پیدا ہونے کے بعد کم بیش دو سال اپنے دودھ سے جو خون بے بنتا ہے اوسکے بعد چند سال اپنی گود میں اسلولہ سے مان کے ارٹ اور تربیت سے بچوں میں مان کی خصلتیں پیدا ہوتی ہیں مالی کو جو نسبت باغ کے کسبی درخت سے ہے اس سے زیادہ مان کو بچے سے گرمالی بچے کام سے وقت نہ تو درخت برباد ہوگا۔ ایسا ہی اگر مان اولاد کی پرورش کے علم سے بے بہرہ ہو تو بچہ بگڑ جائے گا۔

جن ہم کاموں کا میں نے ذکر کیا انکی قابلیت کو لڑکیاں ساتھ لیکر پیدا نہیں ہوتیں گریستی کے کام کر سکنے کے قابل ہونے کو برسوں کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

گر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آئندہ نسلیں دنیا میں صحت۔ راحت۔ عزت سے رہیں تو ہمو و اجب ہے کہ ہم اپنی لڑکیوں کو ایسی تعلیم و تربیت دیں کہ وہ خانہ داری کے فرائض کو اچھی طرح سے ادا کریں۔

اچھو چاہیے کہ لڑکیوں کی صحیح تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہ گھٹیں۔ کوشش کی عملی صورتیں یہ ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص اس بات کا پختہ یقین حاصل کرے کہ لڑکیوں کے جاہل رہنے سے گریز امن نہیں ہوسکتی۔ تندرستی نہیں ہوتی۔ صفائی اور برکت نہیں ہوتی۔ اول دکان معقول تعلیم و تربیت نہیں ہوتی۔ مردوں کے اخلاقی درست نہیں ہوتے۔ تربیت کو اگر بطور خود سوچنے سے ایسا یقین حاصل نہ ہو تو اسکول زمزم سے کہ وہ اس دون سے ملے جنہوں نے اپنی عمر میں اس مسئلہ پر

غور کرتے ہیں لگا دین ہیں اور اسے دریافت کر کے پختہ یقین حاصل کرے
 پختہ یقین حاصل کرنے کی اسلیئے میں اسے دیتا ہوں کہ جب تک کسی کو کسی
 بات کا پختہ یقین نہ ہو تب تک وہ اس بات کے لیے دل سے کوشش نہیں کر سکتا
 پختہ یقین حاصل کرنے کے ساتھ ہی ہر شخص کو لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو
 ان سب نقصوں سے پاک کرے جو عورتوں کی تعلیم اور باتریت ہونے
 کی بابتہ قسمتی سے شائع ہیں۔ اور اصل میں سب کی سب بے بنیاد ہیں
 سچی تعلیم و تربیت کی روشنی مرد کو مرد اور عورت کو عورت بنا دیتی ہے اور
 جو بڑا سیانہ مردوں کے سر پر چھوپی جاتی ہیں وہ تعلیم و تربیت کی خامی سے ہیں
 نہ صحیح تعلیم و تربیت سے۔

پختہ یقین اور بے تعصبی کے بعد ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ عام رسے کو
 بشدرا مکان عورتوں کی تعلیم کی طرف اتنا مائل کرے کہ ہر شخص اپنی لڑکی
 کے جاہل رکھنے کو بڑا عیب سمجھنے لگے۔ عام رسے بڑی قوت ہے اور سکی
 وجہ سے ہم لوگ بہت سی بُری عادتوں کو پسندیدہ گمان کرتے ہیں
 اگر واقعی کوشش ہو تو عورتوں کا جاہل رکھنا ہم سب بڑا عیب و رگناہ
 جانتے ہیں۔

عام رسے کو عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف مائل کرنے کے ساتھ ہی ہر شخص
 کو لازم ہے کہ جتنا وقت روپیہ وغیرہ وہ عورتوں کے مکتب اور مدرسے جاری
 ہونے کے واسطے صرف کر سکے اور اس کو فرض جان کر صرف کرے و دیادان
 سے بہتر کوئی دان نہیں ہے اور جو شخص لڑکیوں کے مدرسے جاری کر لے
 میں کوشش کرے گا وہ دیادان کی مدد کرے گا۔ مدرسے جاری کر دینے
 میں کوشش کرنے کا اچھا ذریعہ یہ ہے کہ لوگوں میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت

سے نہ بچیں خواہ بیش پیدا کر سہا جب ایسی خواہش پیدا ہوگی تب مدرسے
میں داخل ہائیں گے۔

رہنمون رہنا بہترین مکان، پابستین۔

بہترین مکان دنیا میں علم کا جتنا ذخیرہ موجود ہے اس تک پہنچنا آسان
نہیں ہے۔ جسے بغیر صحیح خرچ رکھنا ممکن نہیں۔ تندرست رہنا کیونکہ تندرستی
ضروری ہے اور سچے کاموں کی قدرت نہیں رہتی ہے۔

پاک صاف رہنا اس لیے کہ اس سے جسمانی اور عقلی اور اخلاقی صحت کو فائدہ
ہوتا ہے۔ مکان و لباس و سامان کو پاک صاف رکھنا اس سے صحت و حریت
ہوتی ہے۔ سادہ و آرام وہ لباس کو پسند کرنا۔ لذیذ اور صحت بخش کھانا پکا سکنا
ضروری اور آرام وہ لباس بنا سکنا۔ خانہ داری کے ضروری کاموں کو تیز
اور سلیقہ سے کرنا۔ کاسے، پھینس، بکری، گھوڑا وغیرہ جانوروں کو اس طور سے
پالنا کہ ونسے فائدہ اور آرام ہو۔ ترکاریوں اور پھل پھول کے درختوں کو پون
پون تاکہ اونسے منفعت اور راحت ملے۔

ہماری موجودہ حالت میں فن زراعت لڑکیوں کے لیے بہترین تعلیم و تربیت
ہے اس سے لڑکیوں کا بہت سا وقت صاف ہوا میں گزرتا ہے۔
دانش سے صحت کو فائدہ ہوتا ہے۔ اخلاق پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے فطرت
سے بلا واسطہ ربط ہو جاتا ہے۔

ماحول میں جن چیزوں سے روزانہ سابقہ ہے ان کے مفید اور مضر اثرات کو جانتا
مفید اثر سے فائدہ اٹھانے اور مضر اثر سے بچنے کی پختہ عادت ڈالنا۔
بچوں کے جسم و عقل و ذہن کے بالیدہ ہونے و پرورش کے اصول کو جانتا
اور ان پر سلیقہ سے عمل کرنے کی مشق کرنا۔

عفت رقی مخت. التزام توت فیصلہ غایت ایضاً یہ ہمدردی۔ درست

تقریباً سب سے زیادہ سہولتیں۔ سادگی کی نچتہ علامت

یاد رکھو کہ یہ ایک سرکاری لڑکیاں تندرست با علم و عمل شہزادوں اور ملکی خاندانوں کی

و باطنی قوتین عده از میان تب تک بیماری آیت نباید بر هر چه در قوتها آید

بعض لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو کیون ٹیڑھا دین کیا ناکو تو کرتی کرنا ہے۔ فیسول

ہے وہ نہیں جانتے کہ تمدنی جسمانی و اخلاقی و عقلی کی غرض تو سری نہیں

ہے اور اسکی فطرت یہ ہے کہ آدمی دنیا میں راحت و عزت سے رہے اور دن

کو آرام دے۔ انکو بیماری۔ مضیبت۔ جہل سے بچا دے۔

ابھرتے ہیں گھر میں پڑھاؤ مدرسہ نہ کھینچو یہ اس کے بھی نہ لڑے متوسل

لوگوں کو تنہا سجدہ و رکعت کہ وہ بڑی بڑی تنخواہوں کی نیکیا و رعالم استانت

رکھیں جو نئے شاگردوں کے لیے عمدہ نمونہ بن جائیں۔ ایک گھر میں قصبہ

تہذیب نفس اور صحبت کا وہ سامان کہ ان جو عمدہ مدرسہ میں مونتہ ہے اس کے

اوسی قسم کی ہے کہ ایک شخص کے کہے کہ شہر و روستے کے کہاں پڑیں تو وہ شہر

سے ایک ایک گھر بنا دینگا اور آرام سے رہنے کے لئے جتنے کام ضروری ہیں

وہ خود ہی کہہ دے گا۔

بعض کہ اندیش ہے کہ مدرسہ میں جانے سے اخلاق بگڑتے ہیں۔ کسی مدرسے

دریہ میں جہان تہذیب نفس بہ درستی اخلاق و اصلاح روح معاشرہ میں

غرض نہ وہاں تو اخلاق کا گونا گونا گوارے سے لکھ کر عروہ و سہولت و حیا و جسمانی

افلاک و اجرام سماویہ میں جو کچھ ہے اس میں ہر شے میں ایک ہی جہت ہے
اخلاق و عیال و صحت کے لیے یہی رفقہ ہو نیک و بد میں رتن کرنا اور سے عمل کرنے جہت

سنة الترميم بمكة المكرمة -

۱۰۰ اشارے کے معنی آئے ضروریات مرد و سرخستہ کی ضروریات کہ مقدمہ رکھنا۔

پرست ہوتا ہے۔ یا پھر سکول والی گزٹنگ آف شہر ہے۔
 انٹرنل لوگ کہتے ہیں کہ رشتہ پرستوں کی برابری کرنا خیر حال
 سے جتنی کا خیال ہے۔ رشتہ پرستوں کو مردانہ رشتہ سے کام لینا چاہیے، سوائے
 تین سکنے والی عورتوں کے۔ خیر مرد عورت کے، ان نہیں کیا باتیں۔ عورتیں کوشش
 کریں جتنے عورتیں ہوں، برابر ہو کر دوشہ دوش پوری زندگی جی سکیں
 یہ جو راستہ، اور بڑے سے حد تک پیو پچھن اور انکو پہونچنے میں مدد
 دین اور ان انسان کے کانٹ کر دینے میں پورا حصہ لین۔

میں نے یہ لوگ عورتوں کے بایں ہوتے ہیں مرد کرتے ہیں وہ خدا سے پاک
 ہے، نگار میں ورنہ، انسان کے بدترین دشمن ہیں اور آئندہ نسلوں کے
 دشمن اور تباہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر کسی قوم کی عورتیں بڑی ہوں تو اس
 قوم سے بدتر کسی قوم نہیں ہو سکتے۔

یہ وقت ایک بڑی ضرورت عورتوں کی تعلیم کی یہ بھی ہے کہ ہمارے لڑکے تعلیم
 پانچا سترہین کر لڑکیاں جاہل رہیں تو انکو لچھے پڑھے لکھے شوہر نہ دیں گے۔
 ان کو سب سے بدتر بات ناقل ہیں اور اپنے محسنوں کی مرہانی سے بھی نہیں
 فائدہ اٹھاتے ہمارے ماحول اور عایا پرور لائنٹ گورنر بہادر حضور سرزمین
 میں، اس بے انتہا بہ نئے سچی انسانی ہمدردی سے لڑکیوں کی تعلیم کی طرف
 توجہ دے رہا ہے۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۵ء کو انجمن اعلیٰ تعلیم نسوان کا پر شکوہ
 جلسہ سینٹ ہال لاہور میں ہوا۔ ملاحظہ ہو پانچواں دسمبر ۱۹۱۵ء

حضرت لائنٹ گورنر بہادر بالاقابہ خود صدر انجمن تھے ذیل کے رزلویشن قرار پائے
 ۱۔ پوزیٹو ہو جائے مگر اگر وہ اور لڑکیوں کی تعلیم پیچھے پرگئی۔
 اس لیے شہروں کے ہر محلہ میں بہان بارہ لڑکیاں مل سکیں ابتدائی مکتب کھولنے

کی کوشش ہو۔ بہنیں پڑھ کر لڑکیاں ثانوی مدرسوں رسکندری اسکول میں
 پڑھ جائیں اور جہاں ضرورت ہو وہاں ثانوی مدرسہ کھولے جادیں۔
 سیکھی ہوئی استانیات ملنے کو ثانوی مدرسوں میں استانیوں کے کھانے کے
 درجے کھولے جادیں۔

(۲) ہندو مسلمان اور خصوصاً مسرتوں کے اونچے گھروں کی لڑکیوں کی
 تعلیم کی ترقی کی غرض سے معززین کو ترغیب دیا دے کہ وہ اپنے گھروں کی
 لڑکیوں کے پڑھنے لکھنے کے واسطے درجہ کھول لیں انکی قسم کی مدد ہو
 اور بہت بڑھائی جاوے کہ درجہ کھولیں اور انکو قائم رکھیں۔
 ۳۰ ثانوی مدرسہ جانتا ہو سکے اور غیر ملازم لوگوں کی نگرانی میں دیے
 جادیں جنکو عورتوں کی تعلیم میں سرگرمی ہو۔

(۳) جہاں جہاں ثانوی مدرسہ کھلیں وہاں وہاں انجمن اعلیٰ تعلیم نسوان
 کی شاخیں بھی نگرانی کو قائم ہوں جو اپنے کام کی رپورٹ مرکزی انجمن کو بھیجیں
 اور مرکزی انجمن اونکے کام کے نتیجوں کو سالانہ رپورٹ میں شائع کرے۔

(۵) یہ جلسہ ادب سے حضور میں گورنمنٹ صوبہ ہائے متحدہ آگرہ و اودھ بہار
 گزارش کرے کہ جہاں ضرورت ہو لڑکیوں کے ثانوی مدرسوں کی ہودہاں
 مدرسہ کھول دینے کی مالی ذمہ داری گورنمنٹ قبول فرمے اور میڈیٹل بورڈ
 کو ہدایت دے کہ وہ اپنی آمدنی کا معین فیصد لڑکیوں کی تعلیم میں لگا دے
 سماجوں میں سے زیادہ اور کامراعات چاہتے ہو بحیثیت عاقبت بین عیال کے
 آپریشن ہے کہ اس بڑی پرورش کی قدر کرو۔

اب بھی ہم اپنی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت میں دل توڑ کر کوشش کریں
 ملہ ثانوی ہائے سکندری۔

ہو جسے زیادہ نااہل اور پھلہریہ و کدو دینا میں نہ ہونگے

صاحبزادہ کی قیادت کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم ہمیشہ بہترین غلامی کی دو تین
بھگتا کریں۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس وقت یورپ کے محاربہ عظیم میں گریٹ برٹن
اور امریکن ریپبلک کے لوگ اپنے ملک اور آئندہ نسلوں کی حفاظت کیلئے
کھڑے ہوئے ہیں اور کمر و بار دے پے قربان کر رہے ہیں اور ہم اپنی لڑائیوں
کے پڑھانے اور آئندہ نسلوں کے درست کرتے ہیں تعلیم دلائیے جان بچاتے ہیں
یہ چند سطرین اضافہ کرنے کے بعد اس باب کو ختم کرتا ہوں۔

بارہویں اپریل ۱۹۱۵ء کو حضور بیگم صاحبہ ولی ریاست بھوپال واسطے معائنہ
مسلم گزٹ اسکول کے تشریف لائیں اور حضور ممدوح کا بڑی دھوم دھام سے
خیر مقدم کیا گیا جناب بیگم صاحبہ اسکول کے معائنہ سے نہایت مسرور ہوئیں
اور باظہار ہمدردی و خوشنودی بارہ سو روپیہ سارا نہ عطا فرمایا۔

ابن

تصانیف

اول بیت جہان نے سے پہلے مولانا سید کریم حسین صاحب کی جو تصانیف تھیں وہ مشرقی زبانوں کے متعلق تھیں جنہیں عربی و فارسی خطوط مسائل نحو و فقہ پر اس نے رائے مشکل اشعار عرب کے شروع علم کلام کے بعض مباحث لکھے مگر ان میں سے اب مولانا کی کتابوں میں کوئی بھی نہیں ہے کہیں اور ہوں تو ہوں مولانا کی پہلی تصنیف نجاست طعام اہل کتاب کے مسئلہ پر ہے جس کا باب اول میں ہے۔ یہ بھی اس پایہ کی تصنیف تھی جیسا کہ گورہوا ہے کہ اجازت ہے کہ اس کے لیے اسی تصنیف پر مولانا سے کہا گیا۔ لندن سے واپس آنے کے بعد سب سے پہلے ادغون نے اردو میں تعلیم نسوان پر ایک رسالہ لکھا اور طبع کر دیا دوسرا رسالہ عربی میں لکھا جس میں وضع و تعریب کا مقابلہ کر کے وضع کو تعریب پر ترجیح دی اور بیان کیا کہ عربی نشری زبان ہے اور انگریزی ایسی نہیں بتایا کہ اصطلاحات علوم کے جو لفظ ہوں وہ مثلاً ہوں ایسے ہوں جس سے

مشائخات بین سکین اور ثنایت کیا کہ تہذیب سے زبان عربی میں ترقی ہوگی
 بیکر ایسی حالت ہوگی جسے دنیا دعوت کے لیے امیر کے یہاں سے سرب سامان
 مستعار لے کر یہ رسالہ طبع ہوگا اور مکان جینے میں قلت ہو گیا۔
 میری کتاب نگریزی میں رٹ اینڈ ویوٹی۔ الحقوق والفرانشس کی سکو
 یورپ و امریکہ میں چھپنے پر اس کتاب کی لکھی ہے اور سمین وہ رائین
 جو ننگستان دامر کیسے اسکی بابت آئی تھیں وہ نقل کر دی ہیں اسلئے میں
 اس وقت اپنی ہی تقریر کے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں میری تقریر انڈین ڈبلی سٹی
 آف انڈیا مورخہ ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی۔

ترجمہ تقریر | یہ ایک رسالہ حقوق و فرانشس اور ان کے ارتقا و معرفت و ترویج
 و تقسیم درجات پر بموجب اصول قانون فقہ کے ہے جو سید
 کرامت حسین صاحب پبلسر ایٹ ایڈل ٹیل ایڈوکیٹ عدالت العالیہ
 لائیکورٹ مالک مغربی و شمالی کی تصنیف ہے لائڈین پریس آبادین طبع
 ہوا ہے قیمت اسکی چھ روپیہ ہے۔

یہ نادر رسالہ مصنف کی ضخیم اور نہایت مفید تصنیف شرع محمدی کے مسئلہ ہبہ کا
 ایک جزو ہے جسکو مکمل ہونے اگرچہ کچھ زمانہ گزرا مگر اسکی اشاعت کی ابتک
 نوبت نہیں آئی ہے۔ سید کرامت حسین صاحب اپنے عہد کے ہندوستانی علما
 میں سے ایک بلکہ غالباً کامل ترین فرد ہیں۔ یہ عربی کے جید عالم ہیں اور حیرت
 انگیز سادگی و صفائی سے عربی عبارت تحریر فرماتے ہیں۔ انکی عبارت عظیم الشان
 طور پر جامع و مانع ہوتی ہے۔ وہ کبھی بیکار یا فضول لفظ تحریر ہی نہیں فرماتے

فارسی زبان پر انکو ویسی ہی مہتمم با انسان قدرت رسالہ سپرد ہے کہ ان کے
 وہ فلسفہ منطق اور علم ہندوین کا مل دین اور علم الکلام میں حوالہ فراہم فرماتے
 یزبان عربی ایک بالکل اچھوتی تصنیف فرمائی ہے جس کا منہ مہر ائمہ زہد و
 صفات کا شائع ہو گیا ہے۔ مولوی کرامت حسین صاحب کا ترجمہ ان کے
 نہایت سلیم اور اعلیٰ پایہ کا ہے۔ وہ تریب قریب تمام دیوان حافظہ کے حافظ ہیں
 اور اردو کے مسلم الثبوت شاعر امیر غالب و آتش کے تصانیف کا بہت
 بڑا حصہ علاوہ ہیشمار اشعار عربی کے انکارانہ بریاد ہے انگریزی زبان پر کمال
 قدرت حاصل ہے باوجودیکہ جو ان ہو جانے پر اونہوں نے انگریزی
 کی تحفیں شروع کی تھی اسکا ثبوت اس انگریزی تحریر کے نمونہ سے ہم پہنچ سکتے
 ہیں جو بلا انتخاب ان کے اس رائے سے اخذ کیا گیا ہے جو مقررہ مہر کے مجوز دی
 ہے۔ مولوی سید کرامت حسین صاحب سیر شاہد رجہ اتم بلا قانع سادہ مزاج
 شخص ہیں۔ انکی ذات تنگ خیالی۔ حرص اور تعصب سے بری ہے اور وہ
 اعلیٰ اسول کے آدمی ہیں۔ حقوق و فرائض پر جناب ممدوح کا رسالہ ان کے
 آیات کمال میں سے ہے جو مصنف کے غم خورد قابلیت پر روشنی ڈالتا
 ہے۔ یہ انکی تبحر علمی اور زبردست قوت ادراک کے مجموعہ کا نتیجہ ہے یہ ایک
 اچھوتی تصنیف اس لفظ کے ٹھیک ٹھیک صحیح معنوں میں ہے۔ امریکہ اور
 انگلستان کے اخبارات کے اقتباسات ذیل سے کچھ رائے اس تصنیف کے
 اصل جو ہر پر قائم ہو سکتی ہے۔ چکا گولیکل نیوز میں مذکور ہے۔ مضمون اس قدر

۱۵ اصل کتاب نامہ فقہ لسان ہے اور سلسلہ عربین مطبع نو کشور لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے۔

۱۶ سورہ انکی انگریزی عبارت کا نمونہ اصل تقریر یعنی تقریظ میں درج کیا گیا ہے اردو میں
 ترجمہ غیر ضروری خیال کیا گیا۔

نمازہ اچھوتا اور اس ملک کے تمام مضامین سے اس قدر الگ ہے کہ اس تصنیف کے بچکنے میں بجاوہیت زیادہ دیکھی محسوس ہوئی۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے کہ ہر شخص کو پڑھ کر مستفیذ ہو سکتا ہے۔ سوال الائق ماہر قانون اور نچتر کار عالم اور متم با نشان تو اسے مدد کہ اسے شخص کے ایسی تصنیف کوئی اور پیش نہیں کر سکتا۔

آرٹھل ٹائٹل نے حسب ذیل رقم کیا ہے۔

یہ تصنیف ایک ایسا نسخہ ہے جس سے اعلیٰ ترین عالمانہ خیالات کا نہر ہوتا ہے۔ مصنف کے خیالات ایسے جید اہل فکر کے خیالات ہیں جو اپنے عادلانہ رائے میں غیر متر نزول غیر جانبدار و رروش خیال ہو۔ تو زیعات اکثر نہایت نازک ہیں مگر مفق نہیں اس ہندوستانی ماہر قانون نے اصول پر جیسے عور و غرض کیا ہے جن کو اس نے اس قدر بین طور پر پیش کیا ہے اور ایک ایسے قابلیت اور قوت دماغی کا ہسم کو ثبوت دیا ہے جس کے ماننے پر ہر سر زمین کا نہایت تجربہ کار سے تجربہ کار فقیہ فخر و مباہات کر سکتا ہے انڈین پریس الہ آباد میں دو سو صفحے پر یہ کتاب چھپی ہے۔ چھپائی نہایت قابل تعریف ہے اور ہر کو یقین ہے کہ ان ملکوں میں حقوق و فرائض کی بڑی قدر کی بسٹس آف دی پیش و نظر از ہے۔ اس تصنیف میں سر کر امرت حسین نے اصول فقہ کے بنیاد کے بموجب حقوق و فرائض کے تقسیم و ریات تو زیعات تعریفات و ارتقا کا بیان فرمایا ہے۔ بعد ازاں انھوں نے حقوق کی تقسیم قانونی۔ نظری اور اخلاقی طور پر کی ہے اور حقوق و فرائض کی توزیع کر کے حقوق کے تقسیم مخصوص بالذات اور حقوق مخصوص بالشرع کے طور پر فرمائی ہے۔

اور اس مضمون پر قابلیت کے ساتھ بحث کی ہے اور بید سہولت کے ساتھ
ایسے بڑے استدلال سے کام لیا ہے جسکی نظیر شاذ و نادر قانونی ادب میں
نظر آتی ہے۔

لائبریری برکریا ہے ایسے متعلم کے نقطہ نظر سے جو علم قانون کے اس شعبہ کو
ذہن نشین کرنا چاہتی ہے۔ ایسے بید مضامین سے ملبوس ہے جو اعلیٰ پیمانہ پر مفید
اور بلاشبہ خاص غور و توجہ کے لائق ہے۔

پارلر گزٹ کتاب ہے۔ شرح محمدی کے ایک نہایت دلچسپ مسئلہ کی
قابل تہ لیت بحث کی گئی ہے۔ اسکی صاف صاف ترتیب اور روشنی طرز
تحریر کی کامیابی ہی قانونی کمال کے شایان شان ہے جسکو مصنف نے
دکھلایا ہے۔

۴۔ پوکٹی کتاب سائنس آف لاء عالم قانون انگریزین لکھی جسے بن تھم مارک بی جالیٹ
اسٹن وغیرہ کی کتب اس سول قانون کو بغور مطالعہ کیا ہو اور
اوسکے بعد سائنس آف لاء پڑھا ہو وہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ سید کراہت حسین صاحب
کی یہ تصنیف کس درجہ کی ہے یہ کتاب سٹی پریس الہ آباد میں سن ۱۹۰۲ء میں
چھپ گئی۔

۵۔ ایک مختصر پیار ورق کا رسالہ انگریزی میں لکھا جسکے نام کو زیر اس
ترکی میں لکھا ہے۔ سلیم فارادی پر اگر کسی آتش چھتری کا سرچین
مسلمانوں کی ترقی کے اصول اور اسکی اعلیٰ ترین درجہ میں غور سے دیکھو
تو دنیا کو اسے میں سمجھئے۔

۱۱۔ کتاب دی انڈیا اوپین آف دی پرائمری عربک وکس تین سالہ اصول
افتخار نامہ کا اور چند مصادر کا ہے یہ کتاب عربی کے علم کے

یہ بیورو سٹی میں داخل ہے۔

(۷) سید کریم الدین صاحب نے ہمیشہ پر ایک کتاب مبدوء انگریزی میں لکھی اس کتاب میں تمام مسائل کے اصول شرعی کو بتایا ہے بدلت یا ہج یا قیاس میں مسائل پر بھی ہے و انکو بھی لکھا ہے جتنے مسائل کتابوں میں نہیں آتے اور وہ پٹن آتے ہیں انکو بھی تحریر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس یا بت فقہ میں حکم نہیں نکلتا سوائے اس سے سوائے ان تک جتنے فیصلے ہمہ کے متعلق ہو سکتے ہیں اور تفسیر خیاں کیے جاسکتے ہیں اور سب پر احاطہ کیا ہے جو محکم باتیں ان آیت میں قابل لحاظ ہیں انکو نوٹ کر دیا ہے نظائر پر یومی کو نسل و عدالتہا یا سیورٹ میں جو مسائل ایسے ملے ہوئے ہیں کہ احکام شریعت حنفی کے موافق نہیں ہیں انکی فہمی کو شائستہ طرز سے ثابت کیا ہے ہمہ پر انگریزی مصنفوں نے جو غلطیاں یا فروگزشتیں کی ہیں انکو بھی دکھایا ہے فقہ حنفی اور فقہ شیعہ کا اکا مقابلہ بھی کیا ہے لیکن محاکمہ نہیں کیا ابھی تک ایسی مبدوء کتاب انگریزی میں ہمہ پر نہیں لکھی گئی "رائٹ اینڈ ویوٹی ان حقوق والفرائض" اسی کا مقدمہ ہے حیف ہے کہ ملک کی ناقد شناسی اور مصنف کی تنگ دستی سے یہ کتاب بطبع نہ ہوئی۔ اور مجھ کو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ مسودہ کہاں ہے۔

(۸) فقہ لسان عربی فیالوجی میں زبان عربی لکھی اور میرے کہنے سے منشی پراگ نرائن صاحب مالک مطبع نو لکشور دیس لکھنؤ نے سال ۱۹۱۶ء میں طبع کرادی یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اور ہزار ہا الفاظ علامہ مصنف نے حکایت اصوبت کی طرف مبنی کہے ہیں اس کتاب کے ملنے کا پتہ مطبع مذکورہ (۹) رسالہ فی امور العامہ۔ وجود ماہیات حقیقت وغیرہ میں جو غلطیاں چکا اور متکلمین کے مصنفات میں تھیں انکی اصلاح اور ترجمہ اس مختصر رسالہ

میں بربان عزلی جناب مولانا نے فرمائی ہے اس کتاب کا ایک ایڈیشن
چھپ چکا تھا مگر پھر مولانا نے تفصیل سے اسے وسعت دی ہے متکلمین اور مناظر
کرنے والوں کے لیے یہ کتاب ایسی ضروری ہے جیسے سپاہی کے لیے تلوار۔
(۱۰) علم الاخلاق میں سید کرامت حسین صاحب نے ایک رسالہ اردو میں لکھا
جو اس قابل ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے ہاتھ میں ہو اوسکے مفہام میں مرد
ہوں سالہ ۱۹۱۷ء میں جب شمس العلماء علامہ سید علی صاحب مرحوم بلگرامی نے
اوسکو دیکھا تو وجد میں آگئے فرمایا کہ کیمرج میں ایک ماہر فلسفہ متناکریتے تھے
کہ اس پر داز پر ایک کتاب علم الاخلاق میں لکھی جاوے میں اسکو انگریزی
میں ترجمہ کرونگا یہ تو بے مثل کتاب ہے اوسی زمانہ میں ہنریائیس سرسلطان
محمد خان صاحب دی آغا خان الہ آباد اشرف لاسے مولانا سید کرامت حسین
صاحب کے جہان ہوئے علامہ بلگرامی نے رسالہ کی بڑی تعریف ہنریائیس
سے کی اونھوں نے فرمایا کہ کاش فارسی میں ہوتا تو میں بھی پڑھتا کی خوش
پوری کرنے کو سید کرامت حسین صاحب نے اس رسالہ کو پندرہ دن سے
کم میں بمقام کوئٹہ سالہ ۱۹۱۷ء میں فارسی میں ترجمہ کیا۔

مولانا سید کرامت حسین صاحب کی فارسی پر اس نے طرز کی تھی ہنریائیس نے
فرمایا کہ حال کی فارسی میں ہونا چاہیے اور اُنکے حکم سے آغا عبد الرحیم خان
صاحب شیرازی پروفیسر فارسی بہار الدین کلچر جو ناگڈھ نے حال کی زبان
فارسی میں ترجمہ کیا ہنریائیس کا خیال تھا کہ فارسی ترجمہ طبع ہو پیناچ سالہ ۱۹۱۷ء
میں مطبع بل انڈیا اسلامی پرنٹنگ ورکس لکھنؤ میں طبع ہوا اور الہ آباد دیو پوری
کے بی سے کوہس میں داخل ہو بنابناب عماد الملک جناب سید حسین صاحب
سالہ ۱۹۱۷ء رسالہ علم الاخلاق سالہ ۱۹۱۷ء میں مطبع خشى نولکشور وقع لکھنؤ میں بار دوم چھپا۔ اول بار
سالہ ۱۹۱۷ء میں ہند پریس الہ آباد میں طبع ہوا تھا۔

بکرامی کی توجہ سے اردو رسالہ علم الاخلاق میں اس یونیورسٹی میں بی ایس کے
کورس میں داخل ہو گیا ہے۔

(۱۱) مولانا سید کرامت حسین صاحب نے ایک رسالہ اردو میں "افراد کا سب" لکھا ہے۔
اس میں ثابت کیا ہے کہ سب سے پہلے صلاح جو مسلمانوں میں ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر مرد و عورت اپنی ضروری معاش خود پیدا کر سکے
دوسرے پر بوجھ نہ ڈالے آخر میں شیعہ دہشتی احادیث سے کسب معاش کے فضائل لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ یہ رسالہ تصویر عالم پریس لکھنؤ میں چھپا ہے
(۱۲) ایک اور رسالہ اردو میں لکھا ہے جس کا نام الدین والکون ہے۔ الدین میں خدا کی ہستی کا ثبوت ہے ایسی دلیلیں درج ہیں جو کسی اور مبسوط سی
مبسوط کتاب میں بھی نہیں ملتیں جب جناب مرحوم مولوی محمد حسین صاحب آباویں نے جنکی عمر سے زیادہ تھی اور جنکو تمام عمر علوم عقلیہ سے حاصل و انس تھا
مولانا سید کرامت حسین صاحب شرح تفسیر پڑھنا شروع کی اور جنکے درس میں اسی کے ساتھ ساتھ شفا و اشارات بھی آجاتے تھے اور سکھاتا تو فرمایا آج میں آخر عمر
میں مسلمان ہوا، الکون میں اسپنسر کے الکون والفساد اور یوشن اینڈ ڈسولوشن کے معنی اور خلاصہ بیان کیا ہے۔ اس رسالہ کو جناب ذاب سجاد علی خان صاحب
عرفت اچھن صاحب رئیس بنجاری ٹولہ لکھنؤ نے سال ۱۹۱۱ء میں چھپوایا۔

(۱۳) ایک چھوٹا سا رسالہ شیعوں کے عقائد اصولیہ میں بچوں کے لیے لکھا ہے اس کا نام "سچا عقیدہ" ہے۔

(۱۴) جناب سیدہ علیہ السلام کا ترجمہ اس اختیار سے لکھا ہے کہ وہ انسان
نہیں اور کتاب میں کوئی بات خرق عادت کی درج نہیں کی ہے۔

(۱۵) حالات حضرت امام حسین علیہ السلام۔ یہ مختصر سا اردو میں رسالہ ہے آج

مولانا نے حضرت سے بشریت کا پہلا وکھایا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ آپ کے
 اخلاق حمیدہ اس پدے کے تھے کہ حضرت کو کمال انسانیت کا نمونہ کہنا بالکل صحیح
 اور درست ہے۔ حضرت کی شجاعت۔ عدالت۔ سخاوت۔ احسان۔ زہد۔ تسلیم
 و رضا۔ سبہ خیر کے صحیح و اقعات تاریخ اسلام سے مستنبط کر کے بیان بیان
 ۱۶۰۔ حاکم الامیر المؤمنین علیہ السلام بھی بزرگات اردو ایک مختصر رسالہ کی
 صورت میں اسی طرز سے لکھے ہیں جیسے امام حسین علیہ السلام کے حالات۔
 (۱۷) امراتہ بین صفت نسوانی اور عورت کی علت و خلق و اسکی تشریح و مانی
 فن عمل و اعضا و اسکی نشو و نما۔ اسکی وہ خصوصیات جن میں سے مردوں کو
 کچھ نہیں ملا اس کے خدمات نفسانی عالم تمدن میں اس کے فرائض اور پردہ وغیرہ
 پر بحث فرمائی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جسکی نسبت سید ممتاز حسین صاحب سے
 مولانا کریمت حسین صاحب نے مرنے سے تین چار گھنٹہ قبل گفتگو کی تھی۔

یہ تین آخر الذکر کتابیں طبع نہیں ہوئی ہیں۔

(۱۸) عدالت کو ہر مجوزہ کے کم کر نیک اختیار نہیں ہے۔ یہ بھی ایک رسالہ انگریزی
 میں لا جواب ہے جسکا ذکر باب سوم میں ہو چکا ہے۔

(۱۹) طلاق کا علم حنفی شرع میں بیوی کو ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ اسے
 نو لکھنؤ پریس الہ آباد آٹھ فروری ۱۹۱۵ء میں طبع ہوئی اور اسکا ذکر بھی باب
 سوم میں ہے۔

(۲۰) لا وند شیعہ بیوہ اور مسئلہ عقار۔ یہ رسالہ بھی انگریزی میں بے مثل ہے
 اسکا ذکر باب سوم میں آچکا ہے۔

(۲۱) مسلمانوں کی تعلیم پرائیڈریس۔ یہ ایڈریس بھی انگریزی زبان میں بہت
 اعلیٰ تصنیف ہے۔ اسکو جناب نواب سجاد علیخان صاحب عرف اچھن صاحب

(۲۲۱) بیس بیجاری نوالہ وٹھا کر نوالہ بیس بیجاری صاحب تعلیقہ اراکیر پورہ تعلیقہ سیدنا پورہ پتہ نمبر ۱۰۱
(۲۲۲) مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کی نسبت اسے۔ یہ بھی انگریزی میں ہے۔
(۲۲۳) تعلیم نسوان پر اردو میں کچھ۔ جو آخر باب پنجم میں درج ہے۔
(۲۲۴) مکاتیب عربیہ۔

(۲۵۱) مقدمہ میر عون علی بنام بانو بیگم کے بارے میں رائے۔ یہ مقدمہ بیٹی
ہائیکورٹ میں ستمبر ۱۹۷۱ء میں دائر کیا گیا تھا۔ جناب مولانا کرامت حسین صاحب
سے مدعی نے رائے طلب کی تھی۔ یا تو بیگم کا مذہب حنفی تھا اور رائے خاوند کا شیعہ
سید کرامت حسین صاحب نے بہت سے مسئلے اس میں طے فرمائے ہیں منجملہ
رائے ایک مسئلہ یہ ہے کہ بانو بیگم نے جب یہ الفاظ ”مہر معاف کیا“ اپنے خاوند
کی راش پر کہے تو فی الواقع اسے مہر معاف کر دیا یہ رائے نہایت شرح و بسط
کے ساتھ لکھی ہے۔ اس کا ذکر باب سوم میں آچکا ہے۔

حالت وقت تصنیف | جب مولانا سید کرامت حسین صاحب کسی مہتمم
بالشان تصنیف کی جانب متوجہ ہوتے تھے تو انہیں
حالت خاص سامی ہو جاتی تھی فنا فی التصنیف کے مرتبہ کو پہنچ جاتے تھے
تمام دنیا و اشیاء سے غافل ہوتے تھے کھانا پینا سونا تمام ضروریات ہست
ناتو رہ جاتے تھے لہذا دم خیر کرتا تھا کہ کھانا حاضر ہے تو جی میں آتا تھا کہ اسکو
اے کریم اللہ میں کوئی ملاقات کو آتا تھا تو بہت ہی گراں ہوتا تھا کہ مروت سے
ملنے تھے۔

ہوئے تھے نہکات یوں یہ کام کر نہ پڑے نہ تن کی خیر نہ ہنگو پر وانیہ پسیر نہ ک
خوشتر تھے در دریدہ بہ تر شک جاتے تھے نہ مرین در دشت یہ ہوئے اشاعت
بیکہ رضا میں بہ غور کرتا تھا اور بیکہ نہ چاہے ہوگا

نہ ہو جائیں وہ صرف اسطو سے اپنے کو اس کمرصیف کے مضامین پر غور کرنے سے باز رکھ سکتے تھے کہ ہوا خوری کو پیادہ جائیں اور صحرائیں دور جا کر غلط کے دلکش اشعار آہستہ آہستہ اور کبھی باواز بلند پڑھیں اسطرح دماغ کو سکون ہو جاتا تھا۔ اس پر ایک قصہ یاد آگیا ایک مولوی صاحب نے اپنے ایک شاگرد رئیس زادہ کو مصدر فیوض پڑھایا جب وہ پڑھ چکا کہ بازارِ حاد وہ بازار گیا جب واپس آیا اس سے دریافت کیا تم نے کیا کیا کیا۔ اس نے جو چیزیں بازار میں دیکھیں تھیں بیان کیں کہا پھر مصدر فیوض پڑھو پھر بازار بھیجا پھر دریافت کیا پھر اس نے وہی کہا قصہ کوتاہ تین مرتبہ یہی ہوا جو کتنی بار جب رئیس زادہ بازار سے واپس آیا تو اس نے مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں کہا کہ میں نے بازار میں اسم دیکھا فعل دیکھا ماضی بعید ماضی قریب دیکھی جہد دیکھا مصدر فیوض دیکھا مولوی صاحب خوش ہوئے اور فرمایا اب تم مصدر فیوض سمجھے۔

روزِ کچھ نہ کچھ تصنیف کرتے تھے اور اس قدر جلد کہ میرا نام وقت تصنیف ہوتا تھا کہ کسی کتاب سے نقل کر رہے ہیں صبح کے وقت اکثر تصنیف کرتے تھے۔

مولانا کے ترجمہ میں بہت سی حیرت افزا باتیں ہیں انہیں ایک تم انکی سیاسی معلومات اور قابلیت ہی ہے۔ افسوس ہے انکی سیاسی قابلیت کی مطالعہ شہرت دنیا میں نہیں ہوئی۔ عام عقیدہ کی بنا پر جو مشہور شہر سے قائم ہوتا ہے اسے روزانہ پڑھتے بھی ضرور تھے اسی قسم کی تصانیف پڑھا کرتے تھے جس قدر نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب تھیں وہی انگریزی میں یا اور زبانوں سے ترجمہ ہوئی ہیں، لہذا تو پڑھا تھا یا اس کے مطالعہ سے آگاہ تھے۔

آج واقعیت کے فوراً ملنے پر دنیا مشکل سے تیار ہوگی مگر حقیقت شناس اس وقت بھی قدردان تھے اور عام طور پر آئندہ ممکن ہے کہ زمانہ ان باتوں کی تذکرہ کرے۔

سلی نظریں جو آجکل کے سربراہوں اور وہ مہبران قوم کی طرح ہندوستان کے سیاسی جلسوں اور انجمنوں اور کانگریس اور کانفرنسیوں میں شرکت اور دلچسپی لیتے ہیں انہیں دیکھتی تھیں اور جتنے نزدیک سیاست کا مفہوم اور رہبر قوم یا لیڈر ہونے کا معیار صرف اسی دائرہ تک محدود ہے کہ ایسے جلسوں میں داخل ہو کر تقریریں کرے اور ریلیوشن اور سجاویر میں اپنا نام شامل کر لے اس کے لیے بھی یہ ذکر اسی طرح حیرت انگیز ہے جس طرح ان لوگوں کے لیے جو علم سیاست سے واقف ہیں۔ مولانا سیاسی مفاد کی نہ تک پہنچ کر قابض بن باتوں پر کس سہولت اور سنجیدگی سے رائے زنی میں کامل مہارت رکھتے تھے اور باوجود اس کے کہ شہ عزت میں بسر کر کے کیوں اس طرح زندگی ختم کر دی نہ حد اعتدال سے گزرا جانے والوں کا ذکر نہیں سیاست کا مفہوم سمجھنے اور ملک کے بہبود کے لیے عملی پہلو اختیار کرنے میں مختلف اعتدال پسند طبیعتیں جو لحاظ اپنے جوش اور تجربہ کے مختلف رائیں رکھتی ہیں ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ ملک کے حقیقی سود و بہبود کے کیا طریقے ہیں اور صحیح معنوں میں سیاست یا پالیٹکس کا کیا مفہوم ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مولانا اپنے کو قولا و فعلا ایسے جلسوں اور اس کی کارروائیوں سے الگ رکھتے تھے مگر اپنے وسیع معلومات کی بنا پر وہ ہر حالت میں امور سیاست پر بہتر سے بہتر رائے دیتے تھے جب کسی بڑے سے بڑے پالیٹکس کے مسئلہ میں ان سے کسی سے گفتگو ہوتی تو اس کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا اگر غور کیا جائے اور پالیٹکس کی وسعت پر نظر دوڑائی جائے اور اپنے مشرقی

اور مغربی علوم کے بحر کے علاوہ مختلف مسائل و مباحث و علوم و فنون اور خود
 مختلف ملکوں کے پالیٹکس اور عربی اور انگریزی ادب کے بہت سے مضامین
 سے انکی واقفیت پر غور کیا جائے جنکے جاننے کی ایک زبردست پالیٹیشن
 کو ضرورت ہے تو اپنی پالیٹکس کے جاننے والوں کی تعداد کا دائرہ چھوٹا کرتے کرتے اس
 نتیجہ پر پہنچا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں کم ایسی مثالیں ملین گی جسکی ایک فرد مولانا
 تھے اور ان میں وہ تمام قابلیت موجود تھی جو ایک بڑے سے بڑے پالیٹیشن
 کے لیے ضروری ہے اسکو چاہے ملک کی خوش قسمتی کہا جائے یا بد نصیبی کہ
 وہ اس قسم کی دلچسپی سے ہمیشہ علیحدہ رہے اور انھوں نے اپنے اشغال کو
 چھوڑ کر اس میں حصہ لینا کچھ ضروری اور قرین مصلحت نہ سمجھا مگر واقعہ ایک
 زبردست پالیٹیشن تھے۔

عظیم الشان اسلامی وفد | باوجود پالیٹکس سے الگ رہنے کے مولانا اپنے
 دوستوں کے اصرار سے سالانہ عین نامور وفد کے

ساتھ حضور وائسرائے لارڈ منٹو کی خدمت میں بمقام شملہ حاضر ہوئے جب
 مسلمانوں کی درخواست کا مسودہ جو جناب نواب عماد الملک سیہ حسین صاحب
 بلگرامی نے مرتب فرمایا تھا غور کے لیے ایک جلسہ میں لکھنؤ میں پیش ہوا اور وقت مولانا
 نے یہ رائے دی کہ اس درخواست میں ضروریہ اضافہ ہو کہ مسلمانوں کے
 اطمینان کے لیے ہائی کورٹ کی عدالتوں میں مسلمان جج مقرر ہوں۔ حاضرین
 نے اس رائے کو پسند کیا اور یہ رائے درخواست میں بڑھادی گئی۔ چنانچہ
 ہلکتہ۔ مڈراس۔ پٹنہ۔ بمبئی۔ الہ آباد۔ پنجاب میں مسلمان ججوں کا افتتاح
 اوقات مختلف ہوا۔

دسراہ وفد اور دسراہ قدیمین مولانا شریک ہوئے مارچ ۱۹۱۵ء میں

حنور والہ اس کے کی خدمت میں کیا تھا اس وفد کے ایڈرس کے ابتدائی میں لکھا تھا کہ "جم نمائندے" مولانا نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ مجھ کو تو کسی سے اپنا نمائندہ مقرر نہیں کیا ہے چنانچہ اہل دہلی وغیرہ کا ایک جلسہ مقرر ہوا اور مولانا کو نمائندہ مقرر کیا جب مولانا نے ایڈریس پر دستخط کیے۔ اس سے بھی مولانا کی احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔

سیاسی امور (پالیٹکس) سے اسوجہ سے علیحدہ پالیٹکس سے علیحدہ رہنے کی وجہ

تھے بلکہ انکو یقین تھا کہ مسلمان بلحاظ اپنی نادار ملی نا اتفاقی و اخلاقی و عقلی ماحول کے ان دشواریوں کے مقابلہ کو آمادہ نہیں ہیں جن سے سیاسی امور میں مقابلہ ناگزیر ہے وہ اس طرف مائل تھے کہ مسلمانوں کو سر دست اپنی دولت و علم و عقل اخلاقی میں ترقی کرنا چاہیے اور سیاسی قوت خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ وہ جس موضوع پر کوئی کتاب یا مضمون لکھتے تھے ہر گوشہ پر نظر رکھ کر بہت مکمل لکھتے تھے۔ انکی وسیع متلو علم اور جامعیت اور تجربہ علمی اور اصابت رائے سے اوسمیں کچھ ایسی باتیں پیدا ہو جاتی تھیں جسکی امید ہر شخص سے نہیں ہو سکتی علمی پالیٹکس پر انھوں نے جس قدر لکھا ہے وہ تحریرات اپنی قسم میں بیش بہا اور لا جواب ہیں۔ افسوس ہے کہ انکی زندگی نے وفات کی اور وہ اس سلسلہ کو ختم کرنے سے پہلے دنیا سے اٹھ گئے۔ مولانا کی وفات کے چند ماہ بعد سالہ ایٹ اینڈ ویٹ کے ستمبر ۱۹۵۱ء کے نمبر میں پالیٹکس پر جو مضمون مولانا کا شائع ہوا ہے وہ اگرچہ نہایت مختصر ہے مگر پالیٹکس کے دریا کو کوڑہ میں جی طرح بند کیا ہے وہ اس کے لفظ لفظ سے عیاں ہوتا ہے پہلے مضمون انگریزی میں ہے ناظرین کی دلچسپی کیلئے اسکا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

علم و عمل

انجمن انگلشیہ کے موافق ہر ہندوستانی کو یہی ملکی حقوق حاصل ہیں جو انگریزوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ انگلستان کا وزیر مال، وزیر اعظم یا ہندوستان کا گورنر جنرل ہو سکتا ہے۔ لیکن مغائرا نہ امتیازوں نے عملاً ہندوستانیوں کی ترقی کی قریب قریب تمام راہیں بند کر رکھی ہیں تمام شورش اور برہمنی کا سبب یہی تفریق ہے اور یہ روز بروز قوت پکڑتی جاتی ہے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت برطانیہ سے رعایا کی عقیدت کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

وہ لوگ چاہتے ہیں ہندوستانی ہوں چاہے برطانوی الاصل جن کے دل سے یہ لگی ہوئی ہے کہ ہندوستان اور دیگر مقبوضات برطانیہ کی بیہودہ کے لیے برطانوی حکومت کا قیام ناگزیر ہے انکو یہ اپنا مقدس فرض سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک ایسی انجمن قائم کریں جسکی یہ غرض ہو کہ ہندوستانیوں کے لیے جو موانع پیدا کر دیے گئے ہیں وہ دور ہو جائیں۔ ایسا کرنے سے برطانیہ کی حکومت کی بنیادیں عالیہ کے دیون پر قائم ہو جائیں گی موجودہ حالت تو یہ ہے کہ یہ بنیاد ایک شورش انگیز کوہ آتش فشان پر کھڑی ہوئی ہے۔

انجمن مذکور کی ترتیب کے لیے ہر ایک قومی جماعت ایسے بے نفس کام کریں جو انکی مطلوب ہے جو ذاتی وجاہت کے ساتھ علم و تجربہ رکھتے ہوں اور وسائل معاش سے مستغنی ہوں اور اپنی زندگی اسی مقصد کے لیے وقف کریں اور ہندوستان کو اس بلند پایہ پر پہنچانے کے لیے وقت محنت اور دوستی فرمائیں جو اسکی گذشتہ عظمت کے شایان شان ہو اور اس نصب العین کے مناسب ہو جو برطانوی مدبرین سلطنت میں روح پھونکنے والا ہے۔ انجمن کے

ایس معقول سرمایہ کے ساتھ جینی چند و جہد کا سامان ہوا اور وہ برابر اس وقت تک کام کرتی رہے جب تک یہ نصب العین پورا نہ ہو جائے کہ ایک ہندوستانی کو وہی نئی حقوق حاصل ہوں جو ایک انگریز کو

سیری تجویزان امور کو عملی صورت میں لانے کا مطالبہ پیش کرتی ہے جو آئین نگارش کے محض نظریہ کی صورت میں عطا کیا ہے۔

(۱) یہ تجویز ہندوستانیوں کے، ویر و ایک مشترکہ مطلوب یعنی مجبور یوں کے دقلع کو پیش کر رہی ہے جو برطانیہ کے نصب العین کے مطابق نہیں۔

(۲) یہ تجویز غیر متضاد مسائل پیدا کیے ہوئے شخصی اور جماعتی فوائد کو آپس میں ہم آہنگ بنا دیتی ہے۔ اس سے برطانوی رعیت کو مساوی طور پر یہ موقع ملتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی اپنی انفرادی ترقی اور اپنے اپنے ملک کی ترقی عامہ کے لیے کر سکتا ہے کرے اور یہی امر بنی آدم کی عالمگیر اخوت اور فطرت کی عالمگیر شفقت ماوری کے حصول کا پہلا ذریعہ ہے۔ اور یہ تحریک حکومت برطانیہ کو ہندوستان میں اتنا ہی پائدار بنا دیتی جتنقدر انسانی اوارات مستقل ہو سکتے ہیں۔ یہ تحریک رعایا کے جذبات سے اپیل کرے گی اور اس بات کا احساس پیدا کرنے میں معین ہوگی کہ کسی اور نظم و نسق سے وہ فوائد مترتب نہیں ہو سکتے جو برطانیہ کے آزاد اور سادلانہ حکمرانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہی بات اس قابل بنا دیتی کہ مختلف مذہب و ملت کے افراد مذہبی اور معاشرتی ہم درواج کو بلا سے طاق رکھ کر تمام ملک کی مشترکہ بہبود کے لیے دوش بدوش ہو کر کام کرنے لگیں۔ اسی بات سے ان انگیزدن میں بھی جو معاشرتی تنگ خیالیوں سے مبرہن ہیں یہ استعداد پیدا ہو جائے گی کہ انسانی ترقی کے مقصد کے لیے ہندوستان کے لیے کچھ کام کرنے لگیں سلطنت برطانیہ کی توسیع

میں اس سے مدد ملیگی اور اسی سے سلطنت برطانیہ کے حدود میں عرب ترقی
ایران اور وسط ایشیا کے وہ حصے بھی شامل ہو جائیں گے جنہیں مسلمان
آباد ہیں اور جہاں تک میری نظر کام کرتی ہے میں ملکوں میں کسی مملکتی حرب و ظن کا خیال
بھی نہیں ہے۔ اگر ان ملکوں کی رعایا کو آج یہ یقین ہو جائے کہ ان کے ملکی حقوق
بے کم و کاست دی ہوئے ہوں گے جو انگریزوں کے ہیں تو ان کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ
اس مہتمم بالشان جمہوریت میں کیوں نہ شامل ہونے کو ترجیح دیں جو اس وقت
حکومت برطانیہ دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ کوئی ایک قدم اور آگے بڑھے اور یہ کہ اگر مساوی حقوق
اور مساوی مواقع کے ساتھ جمہوریت میں ملک چین کو برطانوی شہری حقوق
عطا ہو جائیں تو وہ اسی کیون نہ ترجیح دیں اور اپنے کو کشمکش سے بچائیں بلکہ
نظام جمہوریت انسانی ترقی کا مرکز ہو جائیگی اور زیر دست کو زیر دست کے
لیے کام کرنے کے مقدس مواقع نصیب ہوں گے۔ تمام اقوام کو خواہ کمزور اور
قلیل التعداد ہی کیوں نہ ہوں ایسے نظام جمہوریت کے زیر حمایت تقدیر آزمائی
کے موقع مل جائیں گے جنہیں سب کے سب اپنی اپنی استعداد کی مناسبت سے حق
بٹانے کے لیے آزاد ہوں گے۔

سوسائٹیاں جو نسلاً بعد نسل ایسے افراد بکثرت پیدا کرتی ہیں جو اپنی مایحتاج کے
موافق جسمانی اخلاقی اور دماغی اعتبار سے بہترین ہوتی ہیں وہی چھا جاتی ہیں
اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بین الاقوام اکتسابی مقابلہ میں یہی جماعتیں بہت پیچھے
دوسری جماعتوں کی جگہ لے لیتی ہیں۔

یہ قانون فطرت ہے لیکن قانون ہی کے روستے زیر دست سے یہ ایسا
کیجائی ہے کہ وہ اپنی طاقت کو اپنے زیر دست کی خدمت میں نہ کرے

نہایت واقفدار کیوجہ سے اکثر قوتیں مٹ جاتی ہیں اور اونکا زوال ہو جاتا ہے
 سراسر اقوام کی شیرازہ بندی کو جس طرح میں تجویز کرتا ہوں اس میں زیر دست
 کی مدد کرنے کے ذریعہ سے زیر دست محفوظ رہ جائیگا اور زیر دست کا سہارا
 پا کر زیر دست کو پھلنے پھولنے کا موقع مل جائے گا اور اس طرح قانون الہی کی
 پوری پوری تعمیل ہو جائیگی۔

حکمرانوں کو اصول مماثلت کے رواج دینے اور اس خطرناک اور بدترقی
 شورش کے دبا دینے کا موقع ہاتھ آئے گا جو لازمی طور پر اگر آج نہیں تو
 کل ایک عظیم شکل و صورت اختیار کرنے والی ہے۔ اسی سے مختلف ممالک
 کو ایک ہی سطح پر بھٹکا رہوئے اور اپنے اپنے معاشرتی صیغوں کا مقابلہ
 کر کے تدریجاً بہترین صورت کو منتخب کرنے کا موقع نصیب ہو گا۔ اس سے
 ایک بڑی مقدار میں وہ طاقت جو خونریز جنگ و جدال میں مفت بر باد ہو جاتی
 ہے بنی آدم کی خدمت کے لیے محفوظ رہ سکے گی۔ یہ منطقت کو امن و امان
 اور سرسبزی کی دولت سے مالا مال کر دیگی اور انگلستان کا سب سے زیادہ
 طاقتور ملک اور حقوق بنی آدم کے مقصد کا سب سے بڑا حامی بن جائیگا
 افسوس ہے کہ مولانا کی زمانہ نے قدر نہ کی۔ انہی تو تصنیف کا کام لیا جاتا
 اور اونکا مزاج اور طرز زندگی بھی ایسا تھا کہ وہ سوکھی روٹیوں پر اس کام
 کو انجام دیتے وہ مفلس تھے۔ بقاء زندگی کے لیے کسب معاش لازمی تھی
 کسب معاش سے جس قدر وقت بچتا تھا وہ تعلیم نسوان کے نذر ہو جاتا تھا۔
 جس قدر تصنیف ان کی ہے اس سے حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس وقت
 تصنیف فرماتے تھے پھر وجہ روپیہ نہ ہونے کے تصانیف کا چھپوانا و شوار
 تھا۔ تصنیف کی جرات نہ ہوتی تھی۔ اس خیال سے کہ اگر تصنیف کی تو کس

چھپے گی۔ کئی کتابیں غیر مطبوعہ پڑی ہیں۔ نہیں معلوم چھپیں گی یا نہیں کی
 جیو ٹیک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں ہیں۔ المختصر ان کا قصہ کتاب
 اور مینے ایک اپیل بھی آخر سال ۱۹۱۶ء میں لکھ دیا تھا کہ شرع پر انگریزی میں ایک
 میسوط کتاب لکھیں گے۔

اب اسی کتاب لکھی جانی ممکن نہیں۔ افسوس ہزار افسوس کہ مولانا کی اور
 میری یہ تمنا مولانا کی قبر میں دفن ہے۔
 ”اے بسا آرزو کہ خاک نشین ہے“

باب ہفتم

نور سے۔ قواسم جسمانی و دماغی اور طبی دقت

وفات سے چار سال پہلے یعنی سال ۱۳۱۳ء میں مولانا کے جسمانی اعتنائ کی وجہ سے
پیش اور وزن کا خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس سے ناظرین
کو مولانا کی موجودہ وقت و قیامت کا اندازہ ہو سکے گا۔

مطبیقہ امتداد بائیں ٹیٹ ۱۶ انچ سید ۳۳ انچ
کمر ۲۲ انچ - گردن ۱۶ انچ - بازو ۱۴ انچ
ران ۲۰ انچ - دو سر ۲۳ انچ - کلائی ۷ انچ - مونڈھے ۱۰ انچ
ماپن ۱۰ انچ - وزن ۱۳۵ پونڈ - اعظم ۱۴ انچ - سیر
رنگ سا فولا پشانی فراخ - انگلیں سیاہ سیاہ پر اثر - لب گت
ہمیشہ باہم پیوستہ - زبان با یک تکرار - ابرو با یک باہم پیوستہ
دائری - موچھین گنتی سیاد - سر بڑا مائل بلول - دانت چھوٹے برابر
باہم متصل خوب سفید خمین سے شالہ رنگ چند باقی تھے جسم گدھا

کسی پر وقت و روزنی چیزوں کو پاسابی کرنا چاہیے۔

جناب صاحب سید سراج حسین صاحب قلم و قریب و کلام اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر

حسین صاحب کو تیرا نام و تو زمین اپنے پند و موعود مفتی سید محمد علی صاحب

سید سراج حسین صاحب سید کرامت حسین صاحب کی چھوٹی

نہایت ہی اعلیٰ مقام پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔ یہاں پر تھے۔

جو کئی تصویر ۱۹۵۰ء پر مقام لہندہ کی گئی تھی۔

یا پتھوین تصویر جنوری ۱۹۵۰ء کی جی کے لباس میں ہے۔

پتھوین تصویر ۱۹۵۱ء کی ہے جو ایک دوست کی فرمائش سے لکھی۔

تین تصویریں دستیاب ہوئیں وہ اس کتاب میں درج ہیں۔

مولانا سید کرامت حسین صاحب کا دل غلطہ کمزور تھا
اس کے سوا باقی تمام اعانتا تندرست و خوشبو تھے

بخاشی اور یہ داشت کی قوت و نہیں بہت تھی ایک بار سرکاری ضرورت

سے ٹھہری۔ میل گور۔ اونٹ کی ڈک لگا کر اہرا سے کالنجہ گئے۔ وہ میں

پھر گمان میں شب یا شہر ہوئے دوسرے دن دس پہ پہنچے صاحب

پھر ٹیکل بھجئے۔ سے ضروری معاملہ ٹھہرے گئے ایک دوست کے خیمہ

اکر گیا تاکہ ناپادہ کا خیر کا قلعہ دیکھنے گئے وہاں سے دو پہنچے من کے خیمہ

واپس اگر ڈک پر سوار ہوئے پھر کھاری میں شب یا شہر ہو کر دوسرے

دن شام سے پہلے اہرا پہنچ گئے۔ آبد و رفت میں ڈھائی سو میل کی

مسافت تھی۔

ایک بار نرسنگ گڈن سے سیور جاتے تھے گورے کی سہاری تھی یا شہر

دو موٹر تھا۔ اور ہو کر چلے تھے کہ فصلی تپ آئی منزل تک اس حالت میں

منزل پر پہنچ کر بیوش ہو گئے دو تین دوست آئے شرب کو غذا نہیں

ہوئی دوسرے دن صبح کو ہرا ہیون نے اصرار کیا کہ آرم کر لیجیہ کیا

کہ سیور چکر آرم کرونگا باوجود فاقہ و تپ کی ضرورت سے بلا غلا آئی

چلے گئے وہاں دوپہر کے بعد پہنچ کر ساگو دانہ کھا۔ آرم ہوئے تین سے سات

پیا تپ زائل ہو گئی شرب کو آرم کیا دوسرے دن صبح کو یاد بہ سال

نصف کے سب ضروری کام انگریزی کے انعام دیئے اور تیسرے دن وہ
 نرسنگ ہو کر نہ گئے تھے جتنے جیسا کٹر ہوا کہ مٹی بون میں بیٹھ کر
 گھوڑا دوڑا کر آئے تھوڑی دیر گھٹ کر غسل کیا کھانا کھایا اور شام تک باہر
 کاہ اتی اور انتظامی کام کیا۔

مولانا سید کریم حسین صاحب کے یہ سب فہم بہت
 ذکی محسوس اور جدید اور سراپا تھا تاثیر سوتھے جو اثر برہنہ تاثیر
 ہودہ تون تازہ رہتا تھا سستہ ۷۰ اشعار سننے ایکس پیر پر اثر تھا ہمیشہ
 اسکے لمس کے تمام تفصیلی جزئیات اور وہ وقت بس وقت پھر اٹھا اور وہ
 کیفیت جو مشن بنے پیدا کی تھی ایسی تازہ تھی کہ گریہ چھوٹنے کو دو تین منٹ
 گزرے ہیں۔

انگریز انگریزوں کے عصاب لامسہ ایسے نازک تھے کہ خفیت
 سادہ بہت گران اور موڈی ہوتا تھا سستہ ۷۰ میں ایک بار
 وہ لکڑیاں گھیریاں بنانے کو کاٹ رہے تھے اتفاق سے بائین ہاتھ کی ٹکڑی کی
 آگلی میں ایک لکڑی ذرا زور سے ملی خون تونہ نکلا مگر وہ اس کے عدم مستعدی
 کے دالان کے اندر جا کر چپکے چار پانی پر لیٹ گئے قریب تھا کہ بیسٹ
 بوجا میں بھاؤ نے پوچھا کیا ہوا عرض کیا کچھ نہیں ذرا اونٹن میں چوٹ لگا
 گئی ہے نہ ہریت ہے۔

نارنگی کے چھلکوں کا مرتبہ سب سے پہلے وفد انھوں نے
 سستہ ۷۰ میں چکھا تھا اسکا خاص مزہ کبھی نہ بھولا تھا۔

تورت شانہ ایسی قوی تاثیر رکھتی کہ خوشبو انکو بہت فرحانہ
 کرتی تھی اور بوسے بد سے تندرستی پر اثر ہوتا تھا۔

بہت سے بہت اکر وقت روزہ نہ عطر لگایا کرتے تھے۔ گلاب۔ جوش حسرت
بہت پسند کرتے۔ میرنشی ہوسنے کے عہد میں ایسا واقعہ پیش آیا جس نے گویا
عطر سے تڑپ کرادی اور جسکا ذکر قبل اس سے ہو چکا ہے گو قوت شامہ عمر بچہ اتنا ہی
راخبر رہی یقیناً اٹھارہ سال کے سن میں تھی

اچھی آواز خواہ آدمی کی ہو یا پرند کی یا کسی باجے کی وہ سب انکی
بہت ہی خوب تھی ۱۸۶۳ء میں ایک خوش آواز شخص

اونکے سامنے بہت ہی دلکش بچے میں یہ مصرع گایا تھا "دیا بگو چہ اجباب
گر تو میلزیری" "تھوڑی دیر کو حسن صوت سے از خود رفتہ کر دیا تھا اور چو لطف
اوس وقت آیا تھا وہ ہمیشہ تازہ رہا ۱۸۶۵ء سے پابند شریعت ہو گئے غنا سے
پرہیز کیا اور سب معذکے وسیلے سے بہت سی لذت اوٹھانے سے محروم ہو گئے
حسن خوش کے شوق اور غنا کی حرمت ہی نے اونکو بلبل پالنے اور سکی آواز
سے لطف حاصل کرنے پر مجبور کر دیا تھا کسی زمانہ میں وہ کنکر کے کنوین واقع
مولہ بنیادی ٹولہ لکھنؤ سے چار بجے صبح کے اوٹھ کر اپریل میں عیش باغ گیا وہیں
کئی سیر اسٹانے جاتے تھے اور وہاں سے جیسا ہوتے تھے تو راہ میں ایک
شاگرد کو مینڈ می پڑھاتے تھے ولایت سے واپس آنے کے بعد وہ یہ تائیر
جہنما سے پہلے تقاضا مل ہو گیا تھا لیکن پابندی وضع سے ہندی ناچ گانے
کی صحبت میں نہ کہنی شریک ہوتے تھے نہ چھپ کر گانا بجانا سنتے تھے انگریز
محافل میں جہاں گانا بجانا ہوا وہیں شریک ہو جاتے تھے مگر کانوں کے مانوس
نہ ہونے کی وجہ سے متبلذذ نہ ہوتے تھے لندن میں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم نے شہنشاہ
میں جبکہ وہ پرنس آف ویلز تھے مولانا سید کریمت حسین صاحب کو بھی ادھو
میں بلایا تھا اور اس کے بہت نامی قوال و بان گانے تھے مولانا سید

پا بند کرتا رہا۔ رنگوت میں ہولانا سید مراد مت حسین صبارب کو نیرنگ بہر تپند
تھے ہکا گلہری ڈانٹتی۔ ہاکا نارشی ریشمی کپڑوں کا دکھتا پسند تاگوں ہمیشہ
کر سیون میں سپید لباس پہنا تھیں۔ سسے کے بعد جاڑوں میں شہری باناس
مرغوب تھی اسلئے کہ اسکا رنگ شوخ نہیں ہوتا۔

حافظہ اسٹیج جو لوگ نہایت زیر و سرت، غیر عجمی حافظہ کے دیکھے ہیں
اسکی نام حسب ذیل ہیں۔

مستزاد بی علیہ سنن۔ مستزاد سوات کھوش کلکتہ، مستزاد وناٹہ
پشوری، مستزاد سوات، مستزاد فیض آباد، مستزاد کن شہنا
ایر وید، مستزاد بڑا سٹینس، مستزاد عابد علی خان والی، مستزاد سہیل محمود
ایچ ایم، مستزاد امہ آباد مولوی سید احمد حسین صاحب اعلیٰ شہ مقام
امروہوی مولانا سید کرات حسین صاحب۔

ایہ بات مشہور ہے کہ گائیڈ سٹن نے بحیث کی ایجنٹ
گائیڈ سٹن کا حافظہ اس قدر دھچکپ کر دیا تھا کہ عمدہ ناول کا ذکر آتا تھا۔
بحیث میں ہوتا ہی کیا ہے سو اسلئے کہ اس مدین اس قدر خیریت اوس
میں اس قدر اس میں اس قدر پیشی ہوئی یا اس قدر کی۔ فلان جیسے پر ٹکس
بحیثیت بڑھایا گیا۔ یا فلان پر کیا گیا۔ گائیڈ سٹن بحیث پر پہنچ کر سب
میں تمام پہنچ جاتے ہیں۔ بات کہہ دیاں سبے حفظ دے رہے ہیں
ایک ٹیٹ ایک پر یہ باتیں نہیں سہے، سیکڑوں رقومات کا یاد رکھنا ہوتا ہے
آسان، دھنیں سب ناول میں ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ مقام تھیر کا یہ ہے
ذخیر کر دیا، ٹکس پر تقریر کر رہے ہیں کسی نمبر سے بڑھا۔ فوراً جواب یا
جواب دیا ایک محفل بات ہے ہر مقرر کو بغیر جواب دینے آگے نہ بڑھنا ہے

سر سالار جنگ شانی نواب لائق یگان بہادر کی نسبت
سر سالار جنگ شانی
یہ حکایت مقبرہ نوون کی زبانی سنی ہے افتتاح نظام
نواب

ریاست کا جلسہ بہت پر جاسہ ہے۔ تہمت
نواب شانی کا حلقہ

نواب شانی کو مات ستارن بخت کی گئی ہے۔ اسپیش لکھنوی دی گئی۔ نواب
لائق علیخان بہادر پرستے ہی نہیں وزیرین راجہ بہت آگے نہیں پرستے
نواب صاحبوں نے جرات کر کے عرض کیا کہ وقت جاسہ قریب ہے ایک
نواب شانی کو مات ستارن فرمایا جان دیکھا جائیگا۔ قصہ کوتاہ سوار میں
نواب شانی نے اس میں بیٹھے۔ جو صاحب ساتھ تھے اونسے فرمایا ذرا اسپیش تو دینا
اور خود نے اسپیش دی۔ اسپیش کو دیکھا۔ جلسہ میں پہنچے اور اسپیش میں سب
دنک ہو گئے۔ سب سادہ نوگ جو جانتے تھے کہ اسپیش لکھنوی تھی۔ اور
صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی۔ وہ بھی نہایت عجلت میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے
وہ سب اسپیش دی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسپیش فی البدیہہ ہے۔

نواب لائق علیخان بہادر نے مجاہدین میں بند و تانی لباس میں دیکھا تھا
میرے ایک شاییت فرمائے کہ دعوت کی تھی میں بھی شریک تھا۔ ہرمون
کے بعد جی سے پرکے کھانے پر سٹرکار ڈھی رزیدنس سیدر آباد کے پنا
نہو کی۔ ذرا پہچان لیا اور جہان دیکھا تھا وہاں کا پتہ دیا۔ یہ لکھتے لکھتے ایک
ورواقتہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یاد آگیا۔ لہذا تھوڑے دیر کا

کلب کوئے نیشہروٹ ہال گارڈن میں
شہنشاہ بدویدہ شہر کا حلقہ
ہمارے بادشاہ ایدر دہشتہم جو اس وقت ولیعہد
تھے شہر میں رہتے

لارڈ نارٹھ بروک معہ تمام ممبران انتظامی کمیٹی کے دروازہ کے باہر جان
سوار می ٹھہرے گی منتظر تھے۔ مین بھی بحیثیت ممبر انتظامی کے حاضر تھا
یہاں تک کہ سوار می آئی۔ حضور ولیعہد برآمد ہوئے۔ لارڈ نارٹھ بروک
نمارب لئے سر چر ڈھیل سابق گورنر بمبئی کو اور کپڑا اور پھرا اور ممبران کو
پیش کیا۔ جب کچھ پیش کیا حضور نے فرمایا مین انکو برس روز پہلے دیکھ چکا
ہوں انکو مجھ سے ملوانی ضرورت نہیں۔

جب پہلے کچھ دیکھا، اسوقت مین انگریزی لباس میں تھا اور جب رینڈ
بروک سے پیش کیا تھا اسوقت مین ہندوستانی لباس پہنے ہوئے تھا
حضور نے بہت سے ہندوستانیوں کو لندن میں بھی دیکھا ہوگا۔ غیہ تو مرے
آدمیوں کو پختا تھا بہ نسبت اپنی قوم اور ملک والوں کے مشکل ہوتا ہے
تک کہ حضور نے ایک مرتبہ کہاں بھر قیل ایک سنٹ سے سیہ دیکھا تھا۔ لیکن
غیر پختا رہا اور اسے تھکا۔ اس وقت حضور کے ساتھ انوشی کا
شریف تھا۔ اس وقت لارڈ نارٹھ بروک کے زیر اثر
لارڈ پیرس و میکڈالارڈ نارٹھ بروک کی شہادت فرماتے۔

لارڈ پیرس و میکڈالارڈ نارٹھ بروک کی شہادت فرماتے۔
لارڈ پیرس و میکڈالارڈ نارٹھ بروک کی شہادت فرماتے۔
لارڈ پیرس و میکڈالارڈ نارٹھ بروک کی شہادت فرماتے۔

لارڈ پیرس و میکڈالارڈ نارٹھ بروک کی شہادت فرماتے۔
لارڈ پیرس و میکڈالارڈ نارٹھ بروک کی شہادت فرماتے۔
لارڈ پیرس و میکڈالارڈ نارٹھ بروک کی شہادت فرماتے۔

یہ دونوں ادعا کو بحیثیت معہ صحیح مفہوم کے یاد رکھتے اور دوسرے مواقع پر زبان
ضرورت نہ ہو ویسا ہی بیان کر دیجئے ہیں بلکہ اس سے بہتر جامہ لفظی دینا کہ
نہ اسے کہتے ہیں۔

سید محمود کا حائقہ | سید محمود کا حائقہ
 سید محمود کا حائقہ | سید محمود کا حائقہ
 سید محمود کا حائقہ | سید محمود کا حائقہ
 سید محمود کا حائقہ | سید محمود کا حائقہ

مولوی سید احمد حسین صاحب علی اشد نقلاً
کا ذکر ہے کہ وہ حلقہ میں قیامت کا تھا میرے
ساتھ رہا۔ اس کے بعد سے اس نے پڑھتے تھے۔ وہ مولانا کے گھر پر
آئے اور یہ تو میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جس بات کو وہ کیسے ہی بھولی تو ہولی کہوں
موتن بیابان پر لٹا کر مگر کتا ایک عجیب و غریب صورت و جامع شخص تھے لیکن
فیوض ہزار فیوض ان لوگوں میں شمار ہے جنکو زمانہ کی تاثیر می سننے پر
تو نہ جاتا کہ دن عمت آئی اور کب کئی اسپر ایک واقعہ آیا، گیا ایک مدت
پس حضرت نفیس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا چون پرسش سے متوجہ ہو کر بیٹھے
ایک موڈ سے پر حضرت نفیس کے پاس میں بیٹھ گیا۔ بہت سے لوگ موجود تھے
پہلے سے حاضرین حضرت نفیس کا ذکر کر رہے تھے سلیم و مزاج آدمی سے
نام نہ ہو کر چودہ ہی ذکر چھڑا۔ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق تعریف کرتا تھا
بہت سے مسن لوگ تھے جنھوں نے حضرت امیر کا زمانہ بخوبی دیکھا تھا۔
کے رہنے والے اور ملحق بھی ۵۰-۶۰ برس اسطرح کا لقب و مخوان حضرت

کی تعریف میں عجب لطف آتا تھا جناب نفیس بھی گرجا کرتے تھے کہ ہوسے ہوئے
 بیٹھے تھے۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ ایک صاحب نے ہانا کا جواب نہیں
 دینے کہا جواب تو ہے، یہ میرا کہتا تھا کہ تمام حاضرین دنگ ہو گئے۔ میری
 عمر اس وقت کوئی ۲۶-۲۷ برس کی ہوگی۔ سمر لوگ ایسی نظروں سے دیکھنے
 لگے کہ بن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ عجیب گستاخ و بدتمیز آدمی ہے۔ آداب محل
 سے مطلق واقف نہیں۔ جناب نفیس بھی یا تو نیچا سر کیے ہوئے بیٹھے تھے
 یا چونکے ہوئے۔ میں سب کو دیکھ رہا ہوں اور چپ ہوں۔ آگے پر نہیں کہتا
 سامعین پر تحیر کا عالم طاری ہے وہ میری جموشی سے ان کی حیرت بڑھتی جا رہی
 ہے جب میں نے دیکھا کہ حیرت کا پیالہ لبریز ہو چکا اور میں دلمین خوب فرس رہا
 اور کھٹا چکا تو میں نے جناب نفیس کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا کہ جناب سے کیا
 کا جواب ہمارے ناقدری ہے یہ کہتا تھا کہ حاضرین نے وہ تعریف کی کہ بیاد
 سے باہر ہے۔ بہت دیر تک رطب اللسان رہے۔ میری گستاخی اور بدتمیزی
 بآداب و لیاقت ہو گئی اور فقرہ شرب المثل ہو گیا

مولانا کا ذہن و حافظہ | مولانا سید کرامت حسین صاحب کا ذہن و حافظہ بیقریب تھا
 مولانا نے خود بار بار مجھ سے فرمایا کہ ذہن کا یہ حال تھا

کہ پڑھتا جاتا ہوں اور خود بخود یاد ہوتا جاتا ہے۔ مولانا پوری جوانی کو نہیں پہنچے
 بین حضرت فردوس آباد مولانا سید ناہا حسین اعلیٰ القدر مقامہ کی جوانی بہت
 سوائے علم کے چرچے اور ذکر کے سب سے شام تک اور کوئی ذکر نہیں۔ مولانا
 کرامت حسین صاحب جناب مفتی صاحب اعلیٰ القدر مقامہ جناب سید
 مفتی صاحب قبلہ وغیرہ سے پڑھتے بھی ہیں اور طلباء کو پڑھاتے بھی پڑھتے
 بہت دن طریقہ پڑھانا ہے۔ پڑھانے سے علم پرمیشل ہو جاتی ہے۔

انجیل ابلاغہ سے عشق تھا۔ قرآن شریف اور انجیل ابلاغہ مثل حق کے تھے۔ انجیل ابلاغہ کے سونے صفی روزانہ یاد کیے تھے۔ صحیفہ کاملہ کی جو دوائیں انھوں نے منسوخ سے پہلے اپنے استاد حافظ سید انور علی صاحب کو بعد نماز صبح پڑھتے سنتے تھے وہ ان کو ہر قسم کے اذہار ہو گئی تھیں اور مرتے وقت تک یاد تھیں۔ دیوان تمہنی و حاسہ۔ دیوان حافظ کا بڑا حصہ حفظ۔ میر تقی میر۔ غالب۔ انیس کے بہت سے شعریاد تھے۔ خصوصاً حضرت انیس کے۔ انگریزی میں شکسپیئر کے شعر۔ انگریزی انشادوں کی عبارت کی عبارت۔ اسپیئر اور کیلی کے فقروں کے فقرے۔ انگریزی مقفین کے عمدہ فیصلوں میں سے بجاؤں کے جملے۔ لکچرٹ اور دیگر مسٹن کا ایک فقرہ اسپینچ کا پسند آیا وہ بھی یاد کر لیا۔ دیوان کنوئی خود یاد ہو گیا۔ بڑھاپے میں حافظہ تھا۔ جوانی میں یہ حال تھا کہ مجھ سے کہیں بڑھاپا کہ جب تک کما کرتے تھے کہ ہم بچوں کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بچوں کیا کر سکتے ہیں اب بڑھاپے میں سمجھا۔ بیشک مولانا کا ذہن و حافظہ وہ نہ تھا جو جوانی میں تھا اور یہ ممکن بھی نہیں۔ لیکن بڑھاپے میں بھی وہ عالم تھا کہ ہماری ذہن و حافظہ ان کے ذہن و حافظہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ جو بات سن لی بہت کم بھولتے تھے۔ جوانی میں ایک مرتبہ میں یاد ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ خود فرمایا کرتے تھے اور پڑھتا جاتا تھا اور خود بخود یاد ہوتا جاتا تھا۔ پیری میں جوانی کی بات کہان۔ لیکن تین مرتبہ کے پڑھنے میں بڑھاپے میں بھی یاد ہو جاتا تھا۔ مولانا سے بہتر قیافہ شناس سے نہیں دیکھا۔ وہ قیافہ قیافہ شناسی اور باتوں سے شکلم کے نسبت اسے قائم کر لیتے تھے اور بیشتر فیسی تھانوس۔ وہ اسے صحیح ہوتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ پسلی کے درمیان میں درمیان شخص سے کہتا تھا۔ یا اچھا ہے۔ یا سوچو۔ یا کہ جس کے

بعد اسکو لغویا اچھا پایا۔

مولانا تعلیم نسوان کے شہداء فدائی عاشق تھے۔ اس ملک میں اسقدر قور
و فدا دوست ہو سکتے تھے کہ بیان ست ماہر سپہ اور چوتھوں اونکو اس گاہ میں مدد
دیتے انکی اکثر فہم لپیٹ و مدح کرے اور انکو پسند کرتے تھے یا این ذمہ جہد و جہد
برایں بہترین انکو سمجھتے تھے۔ تعلیم نسوان میں مدد دینا مولانا کی آنکھ پر ایسا پردہ
نہ دے لگاتا کہ وہ ان شریفوں کی برائیوں کو نہ دیکھ سکیں۔

مولانا نہایت زود فہم و ذکی الطبع و عقیل تھے۔ دین سے دینوں
تاریخ و فلسفہ نوراً سمجھ جاتے تھے اور اسی آنکھ کی تپان و آواز سے
تلاوتی تھی کہ مولانا نے ہر پہلو پر مسئلہ کے نظر ڈال لی اور اسکا مذاکرہ
پاس بجلی تھی کہ کو بند گئی۔

انکرت و فلسفہ و قانون کے نہایت دقیق و پیچیدہ مسائل پر
قوت فیصلہ مستحضر تھے اور انہیں اپنی جدا گانہ سے قلم کر سکتے تھے۔
سائنس کی مشق سے قوت فیصلہ میں مقتدرہ کمال حاصل کر لیا تھا۔ پیچیدہ
سبب پیچیدہ عالموں میں وہ تمام واقعات پر غور کر کے ذرا طبعی عمل مقرر کر لیتے
تھے اور وہ اختیار کرتے تھے چپا تو سے بنی بدن سیدی راہ بیونی تھی
وہ مسائل سے معاملہ کرنے میں وہ بعض اوقات عالمہ اور مروت کو مار دیتے تھے
اور شریہ ہوتا تھا کہ جہنم سے بیجا بھیج دیا کر سکتے تھے۔ جہاں سے رہتا
ساف نہ ہوتا تھا۔

قوت ملازم اورین بہت زیادہ ہیں گزیدہ چیزیں باہر دوسروں
قوت ملازم از بدترین باب ایک سانسہ تو باقی جی بندرم ہو بہو دیں
ایک ولایت میں ایک صاحب کو اپنی غناس اثبات ہوئے ایک راہ میں

فرمایا کہ او پائین باغ میں ٹھہرے مولانا سید کرامت حسین صاحب نے انکار کیا انھوں نے سبب پوچھا تو جواب دیا کہ اس وقت تو رزہ رست لطف آگیا یہاں تیسہ ایک لے جو دین روح ہو جا رہا جب کہیں پائین باغ دیکھو گا تو آپ زیادہ آسکے اور اذیت ہوگی اس وقت تو یہ جواب دیدیا بھلا ہوا تو تملازم کا کہ بعد میں جب کہیں کوئی پائین باغ دیکھا تو ان صاحب کا کہنا اور اپنا انکار کرنا یاد کیا وہی بات ہوئی جو ایک بخیل کی حکایت ہے کہ ایک دوست عازم سفر ہوا بخیل سے ملنے گیا کہا کہ سفر میں جاتا ہوں اپنی نشانی کی ایک انگوٹھی دیکھئے تاکہ سے دیکھ کر آپ کو یاد کرتا رہوں بخیل نے کہا کہ جب سفر میں آپ اپنی انگوٹھی خالی دیکھیں تب یاد فرمائیے کہ انگوٹھی مانگی تھی اور میں نے انکار کیا تھا۔

اقصویٰ کرنے کی قوت بھی مولانا کرامت حسین صاحب میں بہت تھی ۹۲ء تک انکی یہ حالت تھی کہ جب اپنے کسی خاص دوست کو کہتا چاہتے تھے تب انھیں بند کر کے انکی صورت سامنے کر لیتے تھے اس ظاہری سے کہ مانند انکے باطنی جذبات اور حسات جذبات اور احساسات ابھی بہت ہی جدید سریع التأثير تھے، وہ جو اثر دیتا تھا وہ دوتوں میں تھا اگر کوئی شخص یا چیز پسند ہے تو بہت زیادہ اور اگر کسی چیز یا شخص سے نفرت ہے تو اعتدال سے گزری ہوئی۔

مولانا سید کرامت حسین صاحب کی تصانیف ان کے ذہن نقادانہ اور طبع وقاد کے شاہد ہیں کچھ اور لکھنا عہد شاہد ہوگا۔

ایک دن کسی فاضل جید سے کسی مسئلہ پر بحث فرما رہے تھے انداز بحث وہ لوگ جو اس مسئلہ سے بالکل واقف نہیں وہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مخالفت کو مبرا انا زیر کر رہے ہیں یہ گد لگا یا وہ بول لگا یا یہ بچھاڑا وہ بچھاڑا

یہ چیت کیا وہ چیت کیا مجھے حجب لطیف آتا تھا جس کا بیان ممکن نہیں۔ بحث میں
جوش تو آجاتا تھا لیکن عقدہ کیا معنی مشکل مقامات پر معقول جواب دیکر حرج
پر اس خوبی سے حملہ کرتے تھے کہ، دن سننے والوں کو یہی لطیف آتا تھا جو اس مشیت
سے باطل بناوا تھا ہونے لگے جس پر بحث ہو رہی ہے۔

مذاق سلیم کے اشعار پر وجد اور غالب کی نازک خیالی کی اکثر تشریحات
کیا کرتے تھے جھوٹے جانتے تھے اور ایسے شعر غالب کے پڑھتے
نجاتے تھے۔

مذاق و حسن بہ کائنات سے دارد ہزار بار ہر و صدم ہزار بار ہیں
مولانا اس تنقید میں نظر ڈالنے والا اور فوراً شعر کے حسن و قبح کو پرکھنے والا اپنے
لحم دیکھا ہے مولانا کے اپنے تھے ایسا انیسامیرے نظر سے نہیں گذرا جیسے
یہ وہ صاحب ایک مولانا اور ایک نواب عماد الملک سید حسین صاحب بلوچ
تیس کے شعر پڑھتے اور دیکھ کر تھے بہت سے بند اور سلام کے شعر ان کے
یاد تھے اکثر فرمایا کرتے تھے، دیکھو فردوسی سے بڑ گیا، شک پر سے ٹکری
انہیں کے اس شعر کو پڑھتے اور جھوٹے شعر
کیا تار جہانناہ سے بٹا کر نہ تھیں انہیں یہ چاہتی ہیں کہ کیا کریں
در ایس کے اس شعر پر بھی وجد کرتے تھے۔

نہ دینا تیرہ دینا نہ یہ عز و شرف دیکھا علی کو دیکھ کر اندر نے اپنی طرف دیکھا
ان سے بہت زیادہ سنا کہ جاننے والا میں نہیں دیکھا، اکثر کہا کرتے تھے کہ جناب
سید حامد حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ اور سپہ سالار میر تقی میر
کو بنا دیا جب ذکر بہنا تھا (اور اکثر ذکر آیا کرتا تھا) جناب مولانا حامد حسین صاحب
اخذ و جناب کی جو مدح و ثنا فرماتے اور دیر تک رطب اللسان رہتے تھے

یاسی کے مولانا کریم حسین صاحب سچے معروف تھے اور اسکی نشر کے دلدادہ
 تھے۔ لیکن کمال کیا ہے فلسفہ وغیرہ کے مضامین ایسی انگریزی میں لکھے ہیں
 کہ یہ تمام خوبیاں نشر کی موجودہ این عبارت سلیس سلجھی ہوئی۔ الفاظ مختصر
 جیسے "مضمون خیر، طرافت و مذاق فقرہ فقرہ ہے پکارتا ہے۔ اوستے یہ دیکھا دیا کہ یہ
 دقیق و راسخی مطالب ایسی انگریزی عبارت میں لکھے جاسکتے ہیں کہ جس میں
 تمام فن و فنون کے پامے جائیں۔

مولانا نقاد سخن ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر کہتے تھے اور جب کہتے تھے خوب
 کہتے تھے۔ انیسویں کی نسبت فرماتے ہیں۔ شعر

یہ نہ بانی ہے گذرنا ہے ہی میں بیند ہے اسی شغل میں مرنا ہو ہی میں
 غلامی بند تر ملائے ہو چکو تو میرا نہیں کئی زبان کا چہرہ معلوم ہوتا ہے اُنکے ہی
 ناک کی جھلک پانی جاتی ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ مولانا کے انتقال سے چند روز قبل میں نے مولانا سے کہا
 افسوس! یہ ہے افسوس! آپ کی زمانہ نے قدر نہ کی میں نے آپکی ناقدری کا فوٹو
 اس طرح کھینچا ہے۔ شہر

یہ منزلت ہے تیرا تیرا دنیا کی ملا کے خاک میں ذکر کمال ہوتا ہے
 میں بیات نہیں کرتا کہتا ہوں۔ مولانا پر اس شہر کو ستر اتر ہو، میری بھئی انکے
 کسم پیر تیرا۔ مولانا کی چشم بھی ڈبڈبائی۔ جب میں نے یہ شعر مولانا کے سامنے پڑھا
 مان خدا کے سو اور کچھ نہیں تھا۔ وہاں پہ جاکے ٹھہرنا ہی سلسلہ دن کا
 نہ نہ، حید کر رہے تھے اور فرمایا، "تم شاعر ہو، مولانا کی اس تعریف پر میں ہمیشہ
 شہ و مباحات کرتا ہوں۔

منتخب پسندیدہ قرآن مجید، پنج بدغہ، صحیفہ کاملہ۔ اسون کافی صحیح کساری

سک مجھو بیاد تیرا دیکھا ہے بہت آسان بہت خوب ہے لیکن یہ باقی ہیں جو تیری سحر
 میں سے ہر سال ملتا ہے یہ میری مافی اُمت ہے۔ مگر ایسے خوشگوار ہوں اور دنیا پر دل سے

مقامات برہمی۔ الفاظ کتابیہ۔ محض ابن سہیتا۔ مقلقات حماسہ مشہور
 فرہنگی۔ مفتاح سکاکی۔ کشاف۔ مجمع البیان ز منشری۔ رضی فی النجۃ۔ جواہر الکلام
 سون بزدوری۔ شاہنامہ فردوسی۔ دیوان حافظ۔ دیوان غالب شاعری
 و ساف۔ توقیعات کسری۔ ابواب الجنان۔ انوار سہیلی۔ مراۃ میر انیس دیوان
 میر دیوان آتش۔ اور انگریزی میں شکسیر۔ ہربردٹ۔ اسپنسر وارڈ۔ ہکسلی
 یہ کتابیں مولانا کو بہت پسند تھیں۔

مولانا آیۃ اللہ سید حامد حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کی صحبت
 معلومات کا اظہار نہ کرنا

کی برکت سے یہ عجیب حالت مولانا کرامت حسین

صاحب میں پیدا ہوئی تھی کہ بلا ضرورت اپنی معلومات کا اظہار نہ کرتے تھے
 اگر شاعری کا چرچ نہ ہو تو جو لوگ مدتوں صحبت میں رہیں انکو معلوم نہ ہو کہ شعر پسند
 ہے اگر بندہ حق کا ذکر نہ ہو تو کوئی نہ جانے کہ وہ بڑے قادر انداز ہیں اگر قانون
 کا ذکر نہ ہو تو کبھی شبہ بھی نہ ہو کہ قانون جانتے ہیں ادب حدیث تفسیر حکا ذکر
 نہ سے اسکی بابتہ جلیس کو خبر بھی نہ ہو اس عدم اظہار کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ نہ
 اچھی طرح آگاہ نہ ہوتے تھے وہ انکی صورت سے انکو بلید الذہن جانتے تھے
 چند جناب ایک مقام پر ایک بار کا پور میں ہم تھے کہ ایک ایسے صاحب
 بھی تشہ لیت لائے جنکو مولانا سید کرامت حسین صاحب سے رہتی تعارف
 نہ تھا مولانا سید کرامت حسین صاحب کے ایک بڑے قدردان سے کہا کہ
 ”مجھکو یہ شخص احمق اور بلید نظر آتا ہے“ قدردان صاحب نے اسکو مولانا سید

کرامت حسین صاحب سے کہا اور دونوں نے بہت قہقہہ لگایا۔

بچپن میں مولانا سید کرامت حسین صاحب کو تازہ کپا لگی اور وہ
 طباشیر زیادہ مرغوب تھی گوشت میں تھی کے ساگ کی خوشبو بہت بلی

معلوم ہوتی تھی کہیں روغنی روٹی اپنے ہاتھ سے اتنی دیر سینکتے تھے کہ کہ گرمی و
سخت ہو جائے اور سکو کمال رغبت سے کھاتے تھے یہی ابتدا تھی دن طباشی کی
کمانوں کی جو مولانا سید کرامت حسین صاحب نے حاصل کیے تھے مولانا فن طباشی
میں پیش تھے کباب قورمہ قنجن فرغفر پلاؤ مچھلی وغیرہ اسباب پکاتے تھے
اپنے علم و ذہانت کے زور سے ان چیزوں کے پکانے میں ایجا دو خزانہ کرتے تھے
یکبار نو بخون نے عشرہ محرم ۱۲۷۶ء میں پلاؤ کی کچرپ بہت سی کھائی و ذرا گ
اور دھنی رات کو دو تین بار سے بھوئی اور پلاؤ سے ایسی سخت نفرت ہوئی کہ جب
دوسرے دن اس مکان میں گئے جہاں پلاؤ پک رہا تھا تو تلو و سکی پوسے پ
آگئی سالاہا ساں پلاؤ سے نفرت رہی ۱۲۷۶ء میں وہ نفرت رفتہ رفتہ زائل
ہوئی، اسکے بعد وہ نکین کھانوں میں عمدہ پلاؤ کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے
خود بھی اسکا پکانا سیکھا تھا۔ اور اسکے پکانے میں کمال ماسن کیا تھا پلاؤ کے
بعد پسند کے کباب شوق سے کھاتے تھے اور پکاتے بھی تھے، یسے کھانوں
میں چوگنی شکر کار و وہ نفیس بالائی کے ساتھ مرغوب تھا اسکے پکانے کی ماسن
ترکیب یہاں کی تھی جس سے وہ کبھی اینٹھتے نہ تھے۔ مزیات میں یاد ام کو بشوق
کھاتے تھے بوز یاد ام کو بہترین حلویات جانتے تھے اور اسے بنانے کا ایک

سے فروری ۱۲۷۹ء کی ۱۹ تاریخ اپنے پوکس والے بنگالہ نمبر ۳۵ کلاڈر وڈ لکھنؤ پر خود پلاؤ پکایا تھا
شب کو بیچے دسترخوان پر نوابان چو لکھی میں سے نواب شاہ مرزا اور نواب ستا و عالم مرزا
عرفت اپنے نواب حب اور نواب ہمایون مرزا صاحب جن صاحب اور نواب سجاد علی خان مرزا صاحب باری
اور نواب حکیم محمد عید و سید افضل علی صاحب پر سے لے لکھی صاحب کنستوری اور
حکیم سید علی محسن صاحب آبرو اور دہریں موجود تھے نواب سید سکندر صاحب بھی مدعو تھے مگر وہ علامت کے
شریک منہو کے یہ فری دعوت تھی و آخری پلاؤ مولانا نے پکایا۔

نستہ خود ایجاد کیا تھا پیری حلو اسوہن ایک بیڑے ماہر سے ایسا بنانا چاہا
تین حسین سیر بھر سنگ میں چونسٹھ سیر گھی پڑتا تھا خستہ پوریان ایسی ایجاد کی
تھی کہ جنہیں برابر کا گھی جذب ہو جاتا تھا یا پست باؤنی میں ایک صاحب ایسا
دیا پکا کاتے۔ ہسین فی سیر آٹھ سیر شکر دیتا تھا کبھی اوس میں یہ خرابی ہوتی تھی کہ آٹھ
ہو جاتا تھا۔ مولانا سید کرامت حسین صاحب نے ایسی ترکیب نکالی کہ اسکا انحصار
ناممکن ہو گیا چند چیزیں اور اضافہ کر کے جس سے فروغ کو وہ گونا گونا گونا گونا

انگور۔ سیب۔ ناشپاتی۔ زرد آلو۔ شفتالو۔ فلی۔ انہ وغیرہ۔
غوب چیزیں اس میں کوٹھے اور لکھنؤ کا خرزہ شدید سیانہ سے تروتروبی سے

سیب اکثر وہاں کرند کے ساتھ کھاتے تھے چونکہ وہاں نہ سیب نہ سیب
تھا۔ آٹو شلجم۔ کاجر۔ سیم کے بیج ترکار دیو تھیں پسند کرتے تھے۔ شباب میں وہاں
بھونی وال پر دان پکیتی تھی لیکن ۳۵ سال کی عمر کے بعد سے کھانا پھور دینا
اسلیے کہ موافق نہ آتی تھی مسور کی دال بہت رغبت سے کھاتے تھے مرمت
کی تفلیان بہت پسند تھیں خود بھی پختہ قسم کی مٹائے سے محنت میں سے درمیان
انگریزی ملائی کے ساتھ جیسا کہ یہ کہنے بہت برف میں تاکر بہت ہی پسند
کرتے تھے تیرہ وری پکڑاؤ شہر میں سب کو شہر پر ترویج دیتے تھے
دانہ خوری بیہ کا گوشت میں پسند اور عمدہ تھی بھی مرغی کے چارہ بیٹے شہر
روزانہ انھوں نے بالائے تمام سلسلہ سے آخر عمر تک باسستنا جینا دیکھا
کھاتے۔ مولانا فن نمایاں رہی بیچ جواب دہ تھے پنیان مرہ بوزات ملوے مرہ
بہت سی قسم کے بناتے تھے۔ م کے مے کو سب مرتب پر ترویج دیتے تھے
کوئی دس برس کا عرصہ ہوا کہ آم کے مے بے بنائے کے شوق نے عود کیا
مولانا نے کئی مرتبہ مے بنایا لیکن قاشین کچھ کر نہیں سکا۔ یہاں سے کہ

وہ جس نے رکاب دار کو لگے بھید و جو پار میں رہتا ہے اور جس کا نام بھی نہیں
 ہے یہ ایک پر نامشہور رکاب دار تھا۔ وہ میرے پاس اکثر آیا کرتا تھا اور میں
 اس سے بہت مہربان و مہر و خیر دیکھتا تھا۔ قصہ کو مہینے اسکو بلایا اور یہ وقت
 اس سے بہت باریک بینی سے نہوگی مولانا کے سلسلے آم کی قاشوں کو
 دیکھ کر اس وقت فوراً سمجھ جائیگا۔ میں اسکو آہ آباد بھیج دیا اسنے مولانا کو قاش کے
 دوست دیکر بتایا یہ قاش غریب کے بعد میں الہ آباد گیا مولانا نے اپنا بنایا ہوا
 ایک یاوش سگری نہ تھی ویسی ہی مسلم بھتی جیسی اس مشہور رکاب دار کی بتائی
 ہوئی قاشین دیکھ کر بہت شہرہ زیادہ صاف ٹھکانے دیکھ کر نہایت تعریف کی
 اور کہا کہ اس بیچارے کا بدار کو میر کمان۔ آپ نے کیمسری کے
 میں نے فرما اسکو صاف کیا ہے مولانا مسکرا دیے جیسا ہی تجربہ اور ہر
 وہ دیکھ کر ہی وہی غذا میں نفع کو لذت پر سبقت ہو گئی کبھی اوسے سبب
 سے کہ شربت بھوسہ کی روٹی بھی اوسے مٹا اور جوش کیے ہوئے ساک و زکایا
 ہیں آخر میں تہ سب ذیل تھی۔

تو وہ جس کے درمیان یہ غسل آدھ پاؤ دیا کوئی سیر بھر دی تو وہ سیر نہ
 وہ شربت مگر قریب سات بجے کے آدھ پاؤ دنیا سیر بھر دی پاؤ بھر نہ
 تیر دیکھ کر سب تک شربت انڈے بادام وغیرہ نہیں کھاتے تھے مگر اس
 سے تھکے اور بادام شروع کر دیے تھے اور آخر وقت تک یہی غذا رہی
 آخر وقت دیکھا ہے کہ مورنا سوکھی بھوسہ کی روٹی پانی میں ڈال کر کھا رہے ہیں
 مورنا سوکھی روٹی کھا کر ہی اوسے طرح شکر خدا بجالاتے تھے جیسے بہترین نعمت
 اور کئی کئی کھا سکتے تھے اور وہی کی تعریف میں دیکھتا ہے جب وہی کا
 اور کئی کئی کھا سکتے تھے اور وہی کی تعریف میں دیکھتا ہے جب وہی کا

کرنے کی ہدایت کرتے تھے غذا کے ایک گھنٹہ بعد مولانا ایک بڑے گلاس میں پانی پیتے تھے اور اکثر وہیں تھوڑا سا نمک ملا لیتے تھے۔

لباس سید کرامت حسین صاحب کو بچپن میں ذرق برق لباس کا بہت ہی شوق تھا۔ لیکن انکے والد جتنا کہ زندہ رہے ہمیشہ مارکین

کے انگرے اور پاجامے دیتے تھے جنکو وہ کراہت سے پہنتے تھے۔ عید الفطر اور

عید الفصحے میں تین سکہ کا انگرکھا ملتا تھا سالہ ۱۳۶۴ء میں سید کرامت حسین صاحب

نے عید الفصحے میں عید کی کہ ہم تو یک محل کا انگرکھا لیتے اور ان کے والد نے

ڈانسر پوری کر دی تھی مگر سید کرامت حسین صاحب کو ہمیشہ یاد رہا کہ

وہ اوسکو ہنکر بہت تھمتے ہوئے عید گاہ گئے تھے لکن وہیں طلب علم

کے زمانے میں تین سکہ کے انگرکھے اور چھائیں کے پانچون دار پاجامے پہنتے

تھے مگر جناب آیت اللہ مولانا حامد حسین صاحب کی اجازت نہ تھی کہ انگرکھے

کے نیچے کرتا ہو۔ ٹوپی و بیلی پہنتے تھے لیکن سیدھی اس طرح نہ پہنتے تھے جیسے

اب ہوتی جاتی ہے اور جسکو لکنو کی پُر ظرافت اصطلاح میں اتر دھن کہتے ہیں

یعنی کہ وسکے گوشے کا نوں کی طرف ہوتے ہیں فراغ تحصیل کے بعد سولہ

میں خاص مواقع پر عمامہ بھی ہوتا تھا۔

جب سید کرامت حسین صاحب چیرکھاری گئے اور ریاست کے دربار میں

جائینکو اچکن بنوئی وہ پھولدار ریشمی کپڑے کی عتی اوسکو ہنکر وہ صاحب

پولیکرٹل ایکٹ سے بھی ملے تھے اس سے پہلے لگتا ہے کہ اسوقت تک خوشنما

تھی لباس سید کرامت حسین صاحب کے لیے دلفریب تھا اور پلاس و حریر

کی انداز میں کیسا نہ ہو چکا تھا بعد میں اس لباس کو یاد کر کے اپنے اوپر خوب

پہنتے تھے۔ چیرکھاری پہننے کے بعد جب نیا گاؤں گئے انگریزی شروع کی

انگریزوں کو دیکھا تب اونھوں نے برق لباس کو نہ موم جان کر چھوڑ دیا مگر گران بہا اور بہترین ہونے کا خیال باقی رہا سفید یا ہلکے دھیمے رنگ کی شال اور بلینہ کو پسند کرنے لگے لیکن اس وقت تک اون اون کی دوسوی اور شہی کپڑوں کی طرف توجہ نہ تھا جو انگریز استعمال کرتے ہیں۔

میر منشی گری کے عہد میں چوڑیدار پاجامہ اور اونی اچھن اور عامہ دخل لباس ہو گیا۔ فلائین کے کرتے بھی جاڑ و نیم کام دینے لگے۔ نرسنگ گڑھ تک یہی حالت رہی جب لندن جیل کے قصبہ سے مہی ہوئے تو وہاں انگریزی لباس شروع ہوا مگر ٹوپی ترکی رہی جب لندن پہونچے تب انڈیا آفس کے ایک ڈیرہ کی ہدایت سے لندن کے اچھے خیاط کی دوکان سے عمدہ قسم کے کپڑے بنوے اور اس وقت سے انگریزی لباس استعمال ہونے لگا یعنی کوٹ پیلون۔ ٹالی۔ کارو غیرہ۔ ٹوپی انگریزی بہت کم پہنتے تھے۔ ٹوپی ایرانی ہوتی تھی عیسائی ہندوستانی جاسون اور مجالس عزاء وغیرہ میں جب جاتے تھے اس وقت شروانی اور ڈھیلہ موری دار پاجامہ پہنتے تھے کہ فرش پر بیٹھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اصلی مقصود لباس سے گرمی جائے سے بچنا ہوا اسکے بعد زمیت۔ مزاج گران قیمت پسند تھا اس لیے شاد سے عمدہ خوشہ کپڑے جو برق اور خوشنما ہوں ناپسند آنے لگے۔ مولانا سید کریمت حسین صاحب ایسے لباس کو جو گران بہا ہو جدید ہو بدن میں ٹھیک ہو بہ نسبت پیرانے اور برے سے ہوے لباس کے زیادہ رغبت سے پہنتے تھے اور سکے پہنے سے انکو فرحت معتدل ہوتی تھی لباس کی طرف سے بے پرواہی کو وہ مکر وہ جانتے تھے اگر اپنے کسی خاص دوست کو برے لباس میں دیکھتے تھے تو کہہ دیتے تھے نہ بد تقویٰ میں انکے نزدیک بد لباس ہونا داخل نہ تھا نہ کمال کی دلیل تھی

نہ دنیا سے الگ ہونے کی درویشی حقیقی انکی راسخین و پیرانی اور باطنی
 اور بدلیگی اور چیز جو حضرات علماء کے لباس میں رہتے ہیں یہ تدریجاً
 سیدہ سیدین صاحب اور کا بہت احترام کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے
 ہر بدن کے اندرونی حالات پر گاہی ہونے سے کچھ ایسی خلائق اس دنیا میں
 پہنچتی تھیں کہ قوت التزام کی وجہ سے اس لباس کو بولانا سیدہ کرامت حسین بہت
 اہم سمجھتے تھے۔ طلب علم کے زمانہ میں فیروزہ کی انگوٹھی پہنتے تھے شام
 میں صابون دینے کا بھی بعد میں ثواب کا سقیدہ بالکل جاتا رہا اور زمین
 کے سب سمجھنے لگے انگوٹھی ترک ہو گئی۔

ابتداء میں حالت وری تو شک استعمال کرتے تھے لیکن اس سے آگے نہ بڑھا
 بلکہ وہ سپر سید چادر بعدہ صرف کمر چادر نہاد رہے۔ تکبیر دینے میں ہوتے تھے
 نہ وقت میں چھ الرنا پست تھی جاڑوں میں کمر اور ہتھ تھے رحلت فرماتے سے
 تین چار سال قبل سے جاڑوں میں روئی کی مرتائی اور ایک روئی کا
 بھو اٹھیلایا سکودہ خود ساق پوش کتے تھے مستعمل تھا۔ زندگی کے آخر سال
 کے سہ ماہ میں لکھنؤ کی عمدہ نزدیکی رنائی رات کو سوئے وقت اور ہتھ لے کر
 کوئل کے ساتھ لگا لیتے تھے۔

اپنی چیزوں میں انکو یہ بہت پسند تھا کہ بہت
 جاتی سم کی چیزیں رکھنے کا شوق

مکان اپنے قسم میں بہترین ہوں۔
 میں جب وہ لکھنؤ میں طلب علم کرتے تھے اور انکو حقہ پینے کا شوق ہو گیا
 وہ دن سنے اپنی جیب خرچ میں جسکی تعداد پانچ روپیہ ہوا رہی کی تو بھانپ
 بدری کا حقہ سسے کو خریدنا جو مرتے وقت تک موجود تھا۔ اندر میں بڑے
 کاس لکھنؤ ساز کو تلاش کر کے اس سے کہا کہ میں سادہ قسم کی بہترین

تمری خریدنا چاہتا ہوں اوسنے کہا کہ میں ایک سادہ بہترین گھڑی بنا رہا ہوں وہ بن جائے تو آپ خریدیں مولانا کرامت حسین صاحب نے اس کا وقت تقریباً تین ماہ تک گزرنے کے وقت سے ملا یا اورنی ماہ ایک منٹ سے زیادہ کا فرق نہ ہوا تب مطمئن ہو کر و سکو خرید لیا اوسکو ایسی احتیاط سے لکھا کہ اس سے مرنے دم تک کبھی ہاتھ سے زمین پر نہ گری۔

مولانا سید کرامت حسین صاحب کے دل میں یہ بات بچتہ ہو گئی تھی کہ حسن وہی ہے جو آدمی کو سود مند ہوا اور قبیح وہی ہے جو مفسر ہو کھانے میں صدق سادگی کسی کا اثر تھا ایک بار ایسا ہوا کہ ایک ہی دسترخوان پر مولانا سید کرامت حسین صاحب سادہ دہی اور دیا کھا رہے تھے باقی حضرات پلاؤ۔ زردہ۔ شیر برنج کباب وغیرہ مولانا کرامت حسین صاحب کی غذا پر حاضرین کو فطرتی حیرت ہوئی انہوں نے کہا کہ جو میں کھا رہا ہوں وہی مفید ہے اور جو آپ حضرات نوش کر رہے ہیں وہ منظرِ خرافہ عرض کر سکتا ہوں کہ میں نوش جان کر رہا ہوں اور آپ حضرات نہرِ اولیٰ یہ اسے تھی کہ نہایت ہی سادہ اور جنید غذا کھانا چاہیے۔ گھی۔ شکر۔ مصالحون اور کیا ہوں بے معدے کو پیرا اور جسم کو ناپاک کرنا تمام مہلک مرضوں کی ابتدا ہے اور وہ آخر عمر میں اس پر عامل تھے کہا کرتے تھے کہ اب میں بصدقہ کھاتا ہوں کہ "خوردن برائے زیستن" کا کردن بہت۔

معاملات میں صفائی کے ساتھ اپنے اشیاء کی صفائی کا بھی صفائی اشیاء

حد درجہ خیال تھا۔ صفائی کے لیے بھپو ناروز ہو کھایا جاتا تھا۔ پلنگ کی چادر ہمیشہ صاف و شفاف ہوتی تھی۔ کمرہ کافرشل ہمیشہ نہایت صاف اور سنستھرا ہوتا تھا۔ گھر میں چٹنی پیرین کرسی۔ میز اور برتن وغیرہ تھے سب اپنی اپنی جگہ پر سلیقہ سے نہایت صاف ہوتے تھے بالخصوص کھانسی

میرا اور اسکی چادر دکھانے کی تو لیا ہاتھ پھپھنے کی تو لیا اگر فرض سب سامان نہایت
صاف اور اوجلا ہوتا تھا۔

بچپن میں مکان ادسکی صفائی اور ہوادار ہونیکا خیال ہی تھا
مکان کی صفائی عشا کے بعد شام کو کسین ایک چار پائی کی جگہ درکار تھی کوئی
سندوق یا بستہ اپنی خاص چیزوں اور کتابوں کے رکھنے کے لیے بڑا ہوتا
جب حج سے لکھنؤ واپس آئے تب اتنا خیال ہوا کہ پلنگ کی جگہ گھڑین مقرر ہو سکے
پاس ایک صندوق جو حسین وہ اپنی کتابیں اور خاص چیزیں زمین پانی کا ایک
جدا گانہ گھڑا ہو یہ سب چیزیں بالکل پاک اور صاف ہوں گھر کا کوئی اور شخص کسی
چیز کو ہاتھ نہ لگائے اسکے بعد جب طلب علم میں انہماک ہوا اور جناب مولوی سید
عنایت حسین صاحب مرحوم پرخکاری تشریف لے گئے تب عسرت کی وجہ
سے جسم و لباس و مکان کی صفائی متعذر ہو گئی اور سو اسکے کہ علوم میں کمال ہو
باقی چیزیں نسیانیا ہو گئیں۔

لکھنؤ سے جدا ہونے کے بعد جب علوم جدیدہ سے آگاہی ہوئی معلوم ہوا کہ خالص
ہوا کا صحت پر کیا اثر ہے صفائی کیسی ضروری ہے تب سے مکان کے صاف
ہو اور ہوادار ہونے پر بہت توجہ ہو گئی لندن سے واپس آنے کے بعد ضرورت
کو نہ مکان کو آراستہ کرنے کا بھی خیال رہنے لگا صاف اور ہوادار مکان کو جو ہونیکا
تغیر سے بچا رہے فرض عین جانتے لگے ایسا آراستہ کرنا پسند کرتے تھے کہ استعمال
کی ضرورتی چیزیں اوس میں ہوں تصویروں سے دیواروں کو پر کرنا فضول جانتے
تھے اکثر یہ خیال کرتے تھے کہ چیدہ آیتین حدیثین اشعار کہ نوشتہ کتب ہوں۔
سید کبرامت حسین صاحب کو بچپن میں گھوڑے کی سواری سکھائی
شہسوار کی اگر میرنشی ہونے کے بعد اونکو گھوڑے کی سواری کی ضرورت

جی ہوئی پسند بھی آنے لگی ہر کام کو حد تک کرنے کا قلبہ شوق تو تھا ہی انھوں نے گھوڑا پہچاننے کے بھی طریقے سیکھے اور چند سال میں خوب سشناخت کرنے لگے۔

میرہ منشی گری کے عہد میں اونکو بندوق کا شوق ہوا۔ رفتہ رفتہ اس میں کمال پیدا کیا۔ دس بارہ قدم سے تا گاگولی سے کاٹ دینا بہت آسان تھا۔ چند نشانے قابل ذکر ہیں۔ اونکے استاد نے پندرہ قدم کے فاصلہ پر مثلث کی دو ساقوں کی شکل میں تنکا لٹکایا کہ ایک ساق میں سے گولی سے اتنا اڑا دو کہ چھ اونگل باقی رہے مولانا سید کرامت حسین صاحب نے ویسا ہی کیا پھر فرمایا کہ دوسری ساق میں سے بھی او تنہا ہی اڑا دو کہ چھ اونگل رہ جائے دوسرا فیئر کیا اور دوسری ساق میں سے بھی چھ اونگل رہ گیا۔ استاد دو جد میں آکر شاگرد سے پٹ گئے۔ کہا اگر بادشاہ ہوتا تو جاگیر دار کر دیتا۔

شکار میں استاد و شاگرد گئے دوپہر کو میل کے سایہ میں آرام کو بٹھڑے پچاس قدم پر دریا میں ایک گھڑیاں اس طرح سے نظر آیا کہ اسکی تو مڑی کت دست کے برابر پانی سے اوپر تھی۔ فرمایا لو تمہارا امتحان ہے اسکی تو مڑی میں گولی لگاؤ۔ شاگرد نے عرض کیا نشانہ بہت ہی باریک ہے اور کھامیابی مشکل فرمایا یہ تو میں خود جانتا ہوں۔ لیکن کوشش تو کرو۔ مولانا سید کرامت حسین صاحب نے گولی لگائی اور تو مڑی اڑ گئی استاد خوشی سے بے اختیار ہو کر نیچے کودنے لگے۔

ہرن کے شکار میں چند دوستوں کے ساتھ ایک بار جانا ہوا میدان میں ہرن ایسے ہوشیار اور چوکتے تھے کہ صبح سے بارہ بجے دن تک نہ پیر کوئی نہ آیا جون

کامینا تھا لون چلنے لگی دھوپ ایسی سخت ہو گئی کہ رفل کو پتوں سے پکڑنا پڑا مینوں
 نے کہا اب چل کر کسی پھل کے درخت کے نیچے آرام کرنا چاہیے مولانا سید
 کرامت حسین صاحب نے کہا بہتر اور ایک پھل کے درخت کی جانب چلے
 تھوڑی دور چلے گئے کہ ایک کالا ہرن بھول کے نیچے سے اوٹھ کر بھاگا سو
 گز کے فاصلہ پر ہو گا مولانا سید کرامت حسین صاحب نے ہمراہیوں سے
 کہا کہ دیکھیے یہ ہرن میری طرف دم کے بھاگا جاتا ہے میں اس پر گولی چلاؤں
 ہوں یہ ہکر رفل اوسکی دم کی طرف سدھا کیا اور فرمایا ہرن گر پڑا دو ترکہ زنجیر
 گولی دم کے وسط میں سوراخ کرتی ہوئی گردن کی کھال میں رفل کی تھی۔ مینوں میں سے
 ایک صاحب جو مینوں شکار میں رہے گئے فرماتے تھے کہ اس سے بہتر گولی شکار میں
 لگتے مینے نہیں دیکھی۔ ہمارا بھو صاحب اوچھو کے ساتھ ایک بار شیر کے شکار کو گئے تھے۔ اسی کے
 وقت ایک بڑی چھیل سے گزرے اوسکے دوسری جانب سارس کھڑا تھا اپنے ہمراہیوں سے
 حضور ہمارا بھو صاحب نے مولانا کرامت حسین صاحب کی قادر اندازی کی ثنا کی ایک بیباک سے
 کہا کہ بھلا اوس سارس کو گولی سے شکار کر دین تو ہم جانیں کہ حضور کی تعریف میں کیا ہے حضور صرح
 مولانا سے کہا کہ ہاں مولوی صاحب گولی لگا دیے مولانا نے عرض کہ حضور جن صاحب نے کہا ہے
 وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ رفل کا منہ کس طرف ہوتا ہے اور دم کس طرف لیا کہ حضور تو اس فن سے
 ناگاہ ہیں بھلا اتنی دور سے کہیں سارس گولی سے مارا جاتا ہے فرمایا اب تو ہماری زبان سے
 نکل گیا تمکو ہمارا کہنا کرنا چاہیے نشانہ لگے یا نہ لگے مولانا نے عرض کیا کہ بہت خوب یہ کہہ کر
 دونوں رفل کی داہنی نال کو اندازاً فرمایا سارس اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں مولانا نے کہا
 کہ اب مجھ کو فاصلہ کا اندازہ ہو گیا حضور اب کی بار ملاحظہ فرمائیں یہ کہہ کر دوسری نال کھینچ
 کیا اور سارس گر پڑا مینگا کر سارس کو دیکھ تو اوسکی گردن میں گولی لگی تھی اور فاصلہ
 ناپا تو قریب تین سو گز کے تھا

ایست

حکیمناہ خیالات و عقائد مذہبی

اس امر کو دیا چہ میں بھی ظاہر کر چکا ہوں کہ چند باب اس ترجمہ کے میرے لکھے
 ایسے ہیں بعض حالات لکھو اگر (جنکو بوجہ شدید علالت کے خود نہیں لکھ سکا تھا)
 مولانا سید کرامت حسین صاحب کو سنا دیے تھے اور انھوں نے پاس فرمادیے تھے
 اور جب مولانا سے ان کے حالات کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے اپنے بعض
 حالات ۱۳۱۹ء تک کے مجملہ قلمبند کر کے مجھ کو عنایت کیے اور میں بعض ایسے
 واقعات تھے جنکو میں نے بعد ترتیب و اضافہ حالات بعد ۱۳۱۹ء اپنی عبارت میں
 لکھا اور بعض کو مجسّمہ داخل کتاب کیا منجملہ ان کے باب ششم ہے جس میں مولانا کے
 عقائد اور خیالات ہیں چونکہ مذہب شیعہ ازہ عقائد ہے اور عقائد ذاتی تحقیقات کا نتیجہ
 ہوتے ہیں اس لیے ان کے مقالات و خیالات کو حریف بکرت یہاں درج کرتا ہوں
 اور اوپر اسے زنی نہیں کرتا اس لیے کہ یہ معاملات مابین خود و خدا ہیں دنیا و
 اہل دنیا کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اتنا ضرور کہو چکا کہ مطالعہ کثرت فلسفہ مختلف
 مذاہب کے لوگوں سے ملتا۔ ان کے مذاہب کو باہم مقابلہ کرنا معاشرت اور پیرامری

اور نجی میں بشریت کے گونا گوں پہلوؤں سے آگاہ ہونا ان سب نے مولانا سید
کرامت حسین صاحب کے مذہبی۔ اخلاقی۔ سیاسی۔ اور شرعی رایوں میں
انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا۔

مولانا کے خود نوشت حالات ابتداء میں کٹر شیعہ اثنا عشری تھا۔ میر تقی میر
تھا کہ شیعوں کے سوا باقی تمام فرقے فی الہیات
ہونگے جب الفنسٹن صاحب کی ہندوستان کی تاریخ پڑھائی جا کر پڑھی اور فرافیر
میں کوہ قاف کا مقام مقرر پایا تب شیعہ خیالات پر اثر پڑنا شروع ہوا۔ اپنے والد
مرحوم کے حکیمانہ اور صوفیانہ خیالات پر غور کرنا علوم جدیدہ کو حاصل کرنا تیس سال
اسپینر کو اوپس کے بعد وارڈ کو پڑھنا یورپ کا سفر کرنا۔ ان تمام واقعات میر کے
خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا۔

مجھ کو کامل یقین ہے کہ انسانی عقل اور قوت ادراک محدود ہے
وجود باری میری رائے میں کہہ اشیاء کا ادراک فوق الطافت البشریہ ہے
میر عقیدہ ہے کہ خدا کے وجود کا مادہ دلیل سے محال ہے ایمان سے ہوتا ہے
جس کو خدا متناظر فطرتی اور طبعی نہ ہو وہ کسی دلیل سے اس کے وجود کو نہیں مان سکتا۔
خدا کی ذات اور اس کے صفات آدمی کی عقل میں نہیں آسکتے مذہب جو ہتھکڑیاں کر کے
(مؤلف) عبارت مندرجہ بالا مولانا نے بمقام کوئٹہ ملک بلوچستان ۱۳۱۹ھ
میں لکھی تھی ۱۳۵۹ھ میں مولانا نے راقم الحروف اور نواب شاہ زمان مرزا صاحب
ریش چو لکھی اور دیگر اجاب سے بیان فرمایا تھا کہ میں نے وجود باری تعالیٰ کو ہرگز
ثابت کیا ہے کہ جیسے وہ اور دو چار ہوتے ہیں یہ تذکرہ ایسے مختصر صحیفوں میں

مولانا نے سید کوٹہ میں لکھا تھا میں نے لفظ "میر" سنا دیا ہے اور میں یا مجھے جیسا موقع اس باب میں ہوا
کرامت حسین کو کامیاب کر لکھ دیا۔

کہ کبھی مولانا سے اون ادلہ اور برائین عقلیہ کے سنے کا اتفاق نہیں ہوا افسوس
ہزار افسوس۔

بشریت اور عصمت میری رائے میں نفیضین ہیں۔ جیسے خط
عصمت پر رائے

مستقیم کا مفہوم ریاضی ہے اور خارج میں اس کا موجود
ہونا محال ہے۔ ایسا ہی عصمت اخلاقی مفہوم ہے اور خارج میں موجود نہیں ہو سکتا

یہ دلیل کہ عصمت نہ تو تبلیغ احکام میں اعتبار نہ ہو میری رائے میں غلط ہے ان
احکام کے سوا جنہر شرعیاتین حاوی ہیں آخر تو ریاضی منطق طب وغیرہ علوم صحیحہ

کے بھی تو بہت سے احکام ہیں انہیں بھی تو بلا عصمت پورا اعتبار ہوتا ہے عصمت
کے یہ معنی ضرور بجا ہیں کہ جو حکم رسول ہوتا ہے وہ اتمت پر واجب العمل ہے

اور کوئی امتی نہیں کہہ سکتا کہ یہ حکم غلط ہے میں نہ مانو گا اگر ایسا جائز ہو تو تعالٰی
و تعالٰی شریر ہم ہو جاوین شرعیوں سے قطع نظر کر کے دنیوی قوانین میں بھی

سی بنا پر بادشاہ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی اصول مسلمہ میں سے ہے
نجاست کفار بھی میری رائے میں صحیح رائے نہیں ہے

طہارت و نجاست ایک بار میں نے ایک ہندو سے کہا کہ وہ عجیب خالق ہوگا
جو خود ہی تمام دیویوں کو ایک جوڑے سے پیدا فرمائے اور خود ہی حکم دے

کہ تھوڑے تم میں سے پاک ہیں اور زیادہ نجس۔
میری رائے میں استیاد کا حسن و قبح انسانی افعال و اغراض کے لیے

عقلی ہے۔ جو انسان کی حیات سے گانہ کے لیے سود مند ہے وہ حسن ہے
اور جو پرزیاں ہے وہ قبیح۔ قوانین فطرت جنکو مذہب میں احکام الہی کہتے ہیں

سرمدی ہیں انہیں تغیر محال ہے اور حقیقت میں یکسان ہیں علاقہ علت معلول
کا جبر عالم کی بنیاد ہے انہیں سے چند قوانین بنانے کے بعد تعالٰی و تعالٰی

کی حالت میں خود و صاموثرین جتنی بھی طاعت اور احکام کی ہواوتنی ہی قوم
 کی بہتری ہے اور جتنی ہی مخالفت ہواوتنی ہی بربادی اسلام کا یہ ارشاد کہ
 اوسکے احکام تا قیامت قائم رہیں گے صرف اوس ہی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب احکام
 الہی سے ہی سرمدی کلی احکام مراد ہوں اور ممکن ہے کہ ان الدین عند القدر اسلام
 کے بھی ہی معنی ہوں کہ دین صحیح پابندی اور انقیاد ہے
 احکام سرمدیہ الہیہ کی ایک بڑی شناخت یہ ہے کہ تمام اہل دنیا پوری خوش
 گزین کہ انہیں سے کسی کو چھوڑ کر دوسرا حکم بنا دین تو ہرگز نہیں بنا سکتے صحت
 کے لیے معتدل حرکت و سکون شرط ہے۔ اگر تمام اہل دنیا ملکر یہ قاعدہ بنادیں
 کہ صحت کے لیے مفرط حرکت و سکون شرط ہے تو ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔
 بقاء قوم کے لیے کم سرمدی الہی یہ ہے کہ افراد ظلم جلی و خفی سے باز رہیں اگر تمام اہل
 دنیا ملکر یہ قاعدہ بنادیں کہ بقاء قوم کے لیے ظلم جلی و خفی لازم ہے تو انکی غلطی ہے
 اور ظلم کے ساتھ قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔

جزئی احکام صحت و طہارت و معاملات و معاشرت میرے نزدیک نہ سرمدی
 ہیں نہ ہو سکتے ہیں اور نہ اسلام نے انکو ایسی فرمایا ہے یہ سب احکام ایسے
 ہیں جو آدمی خود حسب مصالح بناتے ہیں خود بدلتے ہیں اگر یہ احکام الہی ہوتے
 تو آدمی انہیں ہرگز تبدیل و ترمیم نہ کر سکتے اگر شریعتوں کے یہ جزئی احکام ایسے
 الہی احکام ہوتے جنہیں تبدیل نہیں ہو سکتا تو نسخ و فسخ ہونا جائز نہ ہوتا
 ایک شریعت کے بعد دوسری کی حاجت ہوتی یہ جواب کہ شریعتیں باعتبار
 زمان و مکان و اہم بدلتی ہیں اور بدلنا چاہیں یا تو اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ
 اسلام کے جزئی احکام کو بھی باعتبار زمان و مکان و مطیعان اسلام بدلنا
 چاہئے یا اس امر محال کا قائل ہو مابے کہ زمان و مکان و پیروان اسلام

حالتوں میں گول لکھون برس کیوں نہ گذر جائیں اور کتنا ہی انقلاب کیوں نہ ہو اس کے
 لیے یہی جزئی احکام موزون ہونگے جو آج سے شیرہ سو برس پہلے دیے گئے
 تھے یہ تو حقیقی و سیدین ہیں اور اسے قطع نظر کر کے اگر شریعتوں کے احکام کی تاسیخ
 پر نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شریعت کے جزئی احکام سو برس بھی
 کسان نہیں رہتے۔ حنفی۔ شافعی۔ حنبلی۔ مالکی۔ شیعہ اگر اپنی فقہ کی کتابوں کو ملاحظہ
 فرمائیں تو بہت سے ایسے احکام ملیں چسپاں بچوں فرستے متفق نہیں اور ایسے بھی
 ملیں گے جس میں ایک ہی فرقہ کے عالموں کو باہم اختلاف ہے حالانکہ ہر شخص
 مدعی ہے کہ جو وہ کتاب ہے وہی حکم الہی ہے کیا حکم الہی سرمدی کے ہی معنی ہیں کہ
 ہر شخص اس کو اپنی رائے کے موافق گڑھ لے حکم الہی سرمدی کیا ہوا پانی ہوا کہ
 جس طرف میں رکھا اسی کی صورت میں منظور ہو گیا۔

برائے رہنا صرف اویسین جزئی قوانین شرعیہ پر منحصر نہیں جنکے منشاء اپنی شریعتوں
 کو الہی شریعت مانتے ہیں بلکہ تمام جزئی قوانین کا خواہ ان کو الہی مانیں خواہ وہ بشری
 ہوں یہی حال ہے جو شخص جرمن یا فرانس یا انگلستان یا امریکہ یا برٹش انڈیا کی
 قوانین کی تار و پود دیکھے اس کو یہ بات عیان ہوگی۔

میری رائے میں مسلمانوں کے تئیں اور ادبار کی
 کسب معیشت میں سعی و جمع وجہ یہ ہے کہ صحیح اور سود مند علوم حاصل
 کر کے وہ مادہ اور قوت کے ان مرکبات سے نہ فائدہ اٹھاتے ہیں نہ صحت و
 دولت و عزت و قوت حاصل کرنے میں بہرہ یاب ہوتے ہیں اور ان میں زیادہ تر
 یہ عقیدہ عالمگیر ہے کہ جو کرتا ہے وہ خدا کرتا ہے انسان بے بس ہے اس اعتقاد
 کا یہ اثر ہوتا کہ انسان اپنی بہتری اور ترقی کی کوشش نہ کرے عین خداست ہے
 اس عقیدہ سے بھی اس کو تباہ کیا ہے کہ احکام جزئیہ مناسبت و معاشرت ابائی

اوتھیں تغیر و تبدل نہیں ہر کام میں وہ احکام سدا رہا ہوتے ہیں مسلمان ان کی پابندی کو بہترین منافع پر ترجیح دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں لا یادی لمن ما یبیک العقل جسکو عقل ہدایت نہ کرے اسکا کوئی ہادی نہیں اپنی عقل سے کام لیتا اور کورانہ تقلید کرنا ویسا ہی ہے جیسے کوئی اپنی ہنگامیں بھوٹ کر دوسرے کے سہارے پر چلے۔

معاشرت اور معاملات کی حالت میں کسی قانون مقررہ کی پابندی سلیس ہوتی ہے کہ سب اسکو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں نہ اسلیے کہ وہ بہترین ہے بلکہ ویسا ہی ہے جیسے ایک منزل پر پہنچنے کے لیے ایک شاہراہ معین ہے اور اسی پر چلتے ہیں انیسویں شاہراہ ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ بہترین یا غیر قابل تبدیل ہے۔ ذاتی غرضوں کو میں ارادی افعال کا سب سے زیادہ قوی محرک سمجھتا ہوں دنیا کی موجودہ حالت میں مذہب کو کبھی بڑا محرک شمار کرتا ہوں۔ اسلیے کہ وہ چند باتوں میں حجم غفیر کو متفق کر دیتا ہے زمان موجودہ میں میرے نزدیک ایسی تعلیم جس سے متعلم تندرست متمدنوں ویسے آزار دہندہ دنیا سے بہترین خیرات و بہتین اعمال حاصل ہے۔

نہری سے میں مدد و ہمت پر فخر نہیں کرتا کہ وہ پوری کوشش کرے کہ تندرست رہے ضروری کسب معاش میں مستقل ہوا پنا بوجہ ورون پر دوسرے بے نیام سے کسی بہت بڑی قوم کا فرد تصور کرے۔

میرے خیال سے کہ بہر شخص کا معاملہ خدا سے جدا گانہ ہے اوس میں کسی کو دخل نہیں۔ تین اعیاد سب معاملات چند سرری اصول پر مبنی ہیں اور وہ تمام عامہ کے کون سے کسی کیساں میں زمان و مکان و حالات کے تغیر سے ہر وقت میں تغیر و تبدل ہوتا ہے لیکن اصول معین اور غیر قابل تغیر ہیں انکی تعلیم

ترتیب میں انھیں کلی اور سرمدی اصول کو متعلقوں کے دلوں میں راسخ کرنا چاہیے۔

نسانی زندگی کا دستور اہل
فردگی کا دستور اہل میری رائے میں
حسب ذیل ہے۔

۱۔ جب تک انسان کے لیے محال ہے اس کی طلب میں وقت ہرگز نہ گمان نہ کرنا چاہیے۔

۲۔ قابل العلم میں سے جتنا جانتا بقاءِ صحتہ سود مند ہو وہ سب جانتا چاہیے۔
۳۔ کسب معاش میں مستقل ہونا چاہیے۔

۴۔ جسمانی۔ اخلاقی۔ عقلی۔ صحتہ و تکمیل میں جہانتک ہو سکے کوشش کرنا چاہیے۔
۵۔ زندگی پاک سادہ اور سود مند ہونا چاہیے۔

۶۔ کسی کو ستانا نہیں چاہیے۔

۷۔ جہانتک ہو سکے نوع انسان کی بیودہی کرنا چاہیے۔

۸۔ قول و فعل میں صدق و دیانت ہونا چاہیے۔

۹۔ معاملہ بینہ و بین الناس کو چند صحیح اصول پر جو تمام نوع انسان کے لیے ایک ہیں درست کرنا چاہیے معاملہ بینہ و بین احمد کو ہر فرد کی رائے پر چھوڑنا چاہیے۔

۱۰۔ نیکی کرنے میں احسان باقوم و رفاہ عام کو افراد کے ساتھ احسان کرنے پر ترجیح دینا چاہیے۔

۱۱۔ لا تقویون مالا تغفلون سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے جو ہو سکے وہ کرنا چاہیے۔
۱۲۔ نسانی سے بچنا چاہیے۔

۱۳۔ جو زمین رستے اور سڑکیں بنائے ہو۔

(۱۲) نیکی پورے خلوص سے کرنا چاہیے ناموری۔ شہرت۔ خطاب۔ خود غرضی سے بچنا چاہیے۔

(۱۳) صدق۔ دیانت۔ اعتدال۔ عفت۔ شجاعت۔ سخاوت۔ استقلال۔ مراغبیت۔ احتیال۔ ایثار۔ خود تراوشی۔ حسن عشرت۔ اطمینان قلب۔ مقلّم صفات حمیدہ ہیں انکی جہانت تک ہوسکے تمیل کرنا چاہیے۔

مجموع میں یہ خیال رہا اسخ سب نے کہ جو کرو حد کو پہونچاؤ
 نماز روزہ کا شوق اور جناب فردوس عتاب کی صحبت کا یہاں تک اثر تھا
 کہ اکثر جناب خاص سے کہتا تھا "اسی عبادت اور وقت ممکن ہے کہ آدمی کسی
 ندی کے کنارے پر رہے اور وہاں غذا کے لیے صرف چاول اور بالکر کھائے
 اپنا لباس خود دھوے" نیا لباس بھی بے غوطہ دیے نہیں پہنتا تھا۔ مجھے اہلسنت
 کی بنائی ہوئی زیر پائی پہنتا گوارا نہ تھا۔ یک کفش دوز نے مجھ کو یاد دہرایا تھا کہ وہ
 شیعہ ہے و سکی دوکان سے زیر پائی لیتا تھا۔ اب کثیرین غسل کو زیادہ پسند کرتا
 سادون بھادون میں ایک بار موسلا دھار میٹھ برس رہا تھا میں رات کے رشتے
 تین بجے اندھیرے میں تین میل پیادہ گیا اور بھری ندی میں باؤ دیکھ بہ جلنے
 کا خطرہ تھا ایسی جگہ جان گھاٹ نہ تھا غسل کے لیے در آیا اور گیلی سنگ بانہ جسے
 بوسے ندی سے نکال کر تھپر پر بنا دیا صبح ادا کی اوسکے بعد گیلے کپڑے پہن کر اپنے مقام
 کو واپس گیا۔ دعائے سمات پڑھنے کا چند سال تک التزام رہا ایک بار جمعہ کو بارہ بجے
 سے پیادہ کنٹور چلا برسات کا موسم تھا پانی برسنا شروع ہوا سسر کے بعد حالانکہ
 پانی برس رہا تھا ایک درخت کے نیچے نماز پڑھی جیب میں سے پرچہ چسپاں
 دعائے سمات اپنے ہاتھ سے لکھ لی تھی نکارا اوسکو بتائی وہ تار پڑھا اور کنٹور کی
 راہ لی راگتہ کے پاس سے دور تین تین ایک دور دوسری نزدیک گرا

نزدیک براہ بھوسلے کا خطرہ تھا۔ اسوجہ سے مینے چاہا کہ دور کی راہ اختیار کروں رفیق
سفر نے کہا کہ قریب کی راہ چلیے مینے کہا کہ رات اندھیری ہے میںدیر میں رہا ہے
بہک جانے کا اندیشہ ہے رفیق نے مسکرا کر کہا کہ میں اس راہ سے خوب آگاہ ہوں
ہرگز بھوسلے کا اندیشہ نہ کیجیے۔ قریب کی راہ بکراہت اختیار کی تھوڑی دور چلا تھا
کہ پانی اور زور سے برسنے لگا خوب تاریکی ہو گئی کبھی مکھنی بجلی کی چمک رات کی
تیرگی کو زیادہ دکھانے لگی زبجے رات کے قریب راستہ بھوسلے گئے تین بجے
رات تک ادھر دھڑکتے پھر سے شدت بارش سے تمام کہیں بھیک گئے
سردی سے دانت کڑکڑانے لگے۔ بدن کلنے لگا آم کے ایک باغ میں دو جگہ
پڑائی کو دون اور چادریں کی پیالہ رکھی تھیں میں اور رفیق دونوں اپنے اپنے
سب کپڑے اتار کر اون کچھو کچھو مینہ اور سردی سے بچنے کو کھنٹی گئے یہ اجہم
جتک گرم نہیں ہوا تب تک میں اوسمیں بیٹھا رہا گرم ہونے کے بعد غٹ خارش
ہوئی اور باہرکل آیا پھر وہی گیلے کپڑے پہن لیے اور راہ کی تلاش میں چلے
تھوڑی دیر کے بعد صبح کی روشنی جان ہوئی اور گرد و پیش کے مقامات نظر
آنے لگے تو پتہ لگا کہ بدو نہ اسے کے رگستان میں ہوں اور وہاں سے کنوڑ چلنے
میں کچھ دیر تو لگی۔

شبائین نماز شب کا شوق ہوا اور جناب آیہ اللہ فردوس گاہ نے بڑی
تعمہ کیا کہ تہایت دین کی تصنیف میں مینے ہوا اسکا ثواب نماز شب سے بہت
زیادہ ہے ابھی جوان ہو دو تین بجے شب کو جاگنا تندرستی کو خراب کر دیتا اس
خالص نصیحت کا اثر نہ ہوا اور پندرہ نماز شب پڑھتا رہا مولانا کرامت حسین
صاحب خوار کما کرتے تھے کہ نماز شب سے ذوق عبادت و خدا ترسی بڑھتا ہی
گناہوں کی طرف رغبت گھٹتی ہے (کبھی کبھی تو ایسا جو غلبہ ہوتا تھا کہ میں تہو

لڑتا تھا کہ تین مہر کر دے گا۔ اسی میں آیا ہوں اور میری سفید چادر میری کفن ہے
دو تین ماہ کے التزام کے بعد تندرستی پر بہت برا اثر ہوا اور یکدن نماز شب
کے بعد میں سخت بیمار پڑا تب اسکو بچھڑا

چوٹھاری رواتہ ہونے سے پہلے زمینداروں کے معاملات صاف کر کے کرنا تو
میں مقیم رہا۔ حکیم رحیم کوروتہ رکھا۔ دس سیبے زن کے قریب اپنی چھوٹی بیوی
صاحبہ کے یہاں گیا وہاں کھانا کھانکی فکر پر تھی۔ جب کھانا آیا تو وہاں
نے مجھ سے کہا کہ تم بھی کھاؤ مگر روزہ کا عذر لیا اسرار یہ کہ روزہ سترہ سب
ٹوڑ ڈالو۔ دعوت نہ کرو میں سے لکھا تو اس شہر کے قبیلوں کے رہنے والے
حضرات مشرین وہ سب تین ماہ کے روزے کھین چارہ ساجہ اس کے
بہت خوب تاہم قرار کرتے ہیں کہ تین ماہ کے روزے کھین گئے ہیں روزہ
ٹوڑا دوسرے دن سے روزہ کھنا شروع کیا اور چاروں صاحبان
بھی روزے کھنا شروع کیے کسی سے دور کے کسی نے چار گز تک
سچے دوست نے پورا ساتھ دیا اور آخر رمضان تک سے الا تہا
رہے ان تین ماہ میں مجھ کو قرآن ہید پڑھنے کا دلولہ تھا اکثر سترہ سے نماز سترہ تک
سوا قرآن شریف پڑھنے کے اور کوئی کام نہ ہوتا تھا پندرہ سیپارہ دست تائیں
سیپارہ تک ایک ہلکے نہایت پڑھتا تھا۔

بہو لفت (ماہ رمضان المبارک میں بعد سحر نماز صبح کا وقت ہوتا تھا
وہ جلسے سچو ابو تمزہ ثمالی کی روایت کے موافق امام زین العابدین علیہ السلام
سے منقول ہے کہ سرور پڑھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ چھوٹے چارہ سب سے
مورنا صاحبین صاحب قبل بھی اسی برائیت فرماتے تھے بیشہ زاد صاحب
اون کے ساتھ رہتی تھی سزا و حسنہ دونوں کی بھی کیا ہی تھی

پہلے چپہ۔ عاتق پڑھتے دیکھتے گئے۔

حیدرین اور تمازتیاں میں چھپکر ٹپھتے گا اہتمام نہ تھا۔ محرم کی چاند رات سے شروع
 ایک کچھنی کچنی سوکھ شہدائے کر بلا ٹپک چار پانی پر نہ سوتے تھے نہ گوشت اور
 لذیذ غذا نوش کرتے اکثر اگر فصل ہونی تو او بالکل دوروٹی کے ساتھ کھاتے درہ
 مسور کی وال کھاتے۔ عاشور کو فاقہ معمول تھا۔ اور دن بھر صبح سے فاقہ شکنی
 کے وقت تک زیارت عاشورہ اور غسل عاشورہ اور محشم کے بند اور مائی میر
 انیس اور بحار الانوار سے پڑھتے میں منصرف رہتے تھے۔ مکان اور سدن سائین
 بیٹھنے سے گریز کرتے اور کسی سے نہ ملتے تھے۔ فاقہ شکنی کے وقت نہایت معمول
 کا نامشروع کھروسے ساگٹ ٹھری مسور کی دل بے گمی کی اور مہوئے چانوں کا
 اند کہ اور جو کی روٹی کھاتے تھے اون کے ایک نیاز مند نے فاقہ شکنی کے وقت
 کچھ بہتر کھانا پیش کیا اوستہ ناپسند فرما کر واپس کیا اور جو اونکا اور سدن مہوی کھانا
 خواہ کھالیا۔ آتہ آباد میں بیر سٹری کے زمانہ میں چاند رات محرم کو اپنے ایک
 گانوں پر تنہائی میں چلے جاتے اور بعد سوکھ واپس آتے تھے وہاں ایک مجلس
 روزانہ صبح کو کرتے۔ اور اپنے علاقہ کے ضلع دار شعبان علی صاحب میر انیس
 کا شیعہ پڑھوا کر سنتے اور عاشور کو صفت دو تین آدمیوں میں خود حدیث پڑھتے
 ایک سال محرم میں۔ وٹے یہاں احمد حسین خان بہادر وہاں دیہات میں ہوتا
 انکی سمانداری کی اور اپنے ساتھ گوشت اور اچھا کھانا کھایا لیکن بعد ختم عاشور
 فرمانے لگے کہ ابکی سال مہان کی وجہ سے گوشت کھانا پڑا۔ ہائیکورٹ کی بھی گئی
 بعد سے لکھنؤ میں قیام مستقل فرمایا تھا یہاں پہلے سال اکرام الشہر خان کے
 امام بارگاہ میں مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ کی مجلس میں اکثر جاتے تھے مجلس
 خود سناپ کے زمانہ میں خود مولانا نے قائم کی تھی اور خود بھی حسب حکم

فردوس مہتاب مولانا حامد حسین صاحب حدیث پڑھتے تھے۔ لیکن بعد اسکے رہنے
 دو ایک مجلس میں شرکت فرماتے تھے کیونکہ مجلس صبح کو ہوتی ہے اور انکو بہت
 سویرے شہر سے فرش پر بیٹھا ضرر کرتا تھا تو اپنے پڑوس میں صبح کی ایک مجلس
 میں شرکت کرتے تھے کبھی کبھی اور میں خود بھی پڑھتے تھے مگر ہم کے دس دن جب
 ملک ہائے پاس بیٹھنے والے سے امام حسین علیہ السلام کا اکثر ذکر کرتے رہتے
 مجلس میں ہمیشہ پائین فرش بیٹھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ چھوٹے چچا صاحب فرمایا تھا
 نے ایسی ہی عادت ڈال دی ہے کہ کبھی سنت مصائب سنا پڑ نہ فرماتے
 تھے۔ خود بھی ہمیشہ مکی فضائل پر اکتفا کرتے تھے اور بہت روتے تھے کبھی
 کبھی اونکے ساتھ والوں کو اندیشہ ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو غش کر بائیں اور روخ مفا
 کر رہ جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے بنگلہ میں اپنے ایک خادم کی فرمائش سے
 بیان میں کھڑے ہو کر مجلس پر بیٹھا شروع کی کمرہ میں کچھ عورتیں مجلس سنانے کر
 موجود تھیں ایک خاتون کے رہنے کی آواز سنکر ایسے متاثر ہوئے کہ ایک
 شخص نے منجملہ حاضرین اٹھ کر انکو سنبھالا اور پڑھنے سے روک دیا۔

مولانا کی زندگی کے تذکرہ میں بات کا بیان دل میں ایک
 مجلس سے ہے۔ وہ چیز کا عالم پیدا کر رہا ہے وہ ایک خاص اثر ہے جو اون
 سو قاتل رہتا تھا۔ یہ بھی وہ مظلوم کہ بلا حضرت امام حسین علیہ السلام
 کر یا سکے۔ وہ غمرہ کا خود بیان کرتے تھے۔ بار بار دیکھا گیا ہے کہ جب
 اس میں بیٹھتے تھے وہ روتے تھے بے اختیار ہو جاتے تھے اور سہرت
 کر رہتا تھا۔ چکی زندہ جاتی تھی۔ وہ پھر نہ پڑھ سکتے تھے اور یہ حالت
 دس دن تک رہتی تھی۔ انکو بہت رقت طاری ہوتی تھی۔ وہ تو
 میں نے یہ سب کچھ اپنے دل سے انکا قلب بس قدر متاثر تھا اور ولایت

اور شہدائے کربلا کے، مصائب کے اشرقین کا دل میں ایسی حیات پر دوہا
ہو اٹھا جسکی تصویر اور سو وقت کے حالات اور جذبات میں کچھ ٹھیکہ بارہ ترقی تھی
مولانا، شاعری اور مغربی علوم کا برسرست عالم تھے۔ نیا کتب خانہ
اور فلسفہ و حکمت اور بہت سے علوم کی کتابیں پڑھتی ہوں اور عاصی کی تاریخ و
سیرۂ ۵۰ شائع کیا ہو خود مختار صاحب و تحل کا خاکہ بھی ہوا اسکا دل کسی اور چیز پر مطلق
سب قلوب ہو جاتے ہو۔ بدیکھا ہن نہیں کیا یہ کیفیت جس طرح ایک طرف واقعہ
اگر یا کی اہمیت اور صداقت کو ثابت کرتی تھی۔ اسی طرح مولانا کے دل کی قوت و عبادت کو ظاہر
کرتی تھی۔ تاریخ عالم میں واقعہ کریم کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ طرح دنیا میں لانا کی زندگی میں ان کے دل کی محبت اور قدرت
متاثر ہوئے۔ مثال میں اور نہیں ملتی۔ مولانا مجالس عزا کو ایک زبردست قوت
بہت بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ وہ مجالس کے بڑے طرفدار تھے مگر ایک ایسی
منبر اور بنا رہا۔ چیر سے اچھی طرح فائدہ نہ اٹھانے پر مجالس پر پاگور ہوا ہوں اور شادیوں
پر وہ کثرت فحش ہی کرتے رہے۔ انکا یہ خیال تھا کہ مجالس کے ذریعہ سے ہند
و قس اور اسلامی اخلاق و طرز معاشرت کی درستی اور فرد قوم میں بہت
کی ترقی کی راہ چھوڑنے کا بے مثال موقع نصیب ہوتا ہے۔ افراد قوم کی حالت
کو دیکھنے اور اس بات کے سمجھنے اور سمجھانے کا موقع ملتا ہے کہ ہم میں کتنے افراد
سیریں اور کثرت سے کتنے ایسے لوگ ہیں جو ہر گھر اور ہر خاندان میں زندگی کے
دن بیکار گزار رہے ہیں اور باب کما نیواسے کی محنت کے سہارے پر جی رہے ہیں
اور انکی زندگی سے قوم کے افراد واد بار پر افسوسناک بار بڑھتا چلا جا رہا ہے
وہ بلس کو دینی اور دنیوی ترقیوں کا ایک برا ذریعہ سمجھتے تھے مگر مجالس
کے یہ بڑے ترتیب اور خواندگی کے طریقہ میں کس قدر اصلاح کے متمنی تھے
مجالس میں جس طرح لوگ کودتے پھاندتے آتے جاتے ہیں اور سکودہ تہذیباً اچھا

سے بڑی مجلس میں ہونے لگے۔ رفت کہ اب اس مجلس میں کتنے آدمی ایسے ہو گئے جو کتب معاش کرتے ہیں
میں۔ ادھر و ادھر دیکھ کر کہہ رہا ہے

تہیں جانتے تھے انکا خیال تھا کہ بلا لحاظ مرتبہ اور منصب اور شان کے جسکو
 جہان جگہ ملے اوسکو مجلس میں وہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ مجالس میں تقسیم کو وہ
 پسند کرتے تھے مگر اس طریقہ سے کہ گھر بار رہن کر کے اور قرض کر کے اور خود نام
 و نمود کے لیے اپنے کو مٹا کر اپنی حیثیت اور وسعت سے زیادہ صرف کریں اسکو
 چھنا تہیں جانتے تھے اور ان جگہوں پر جہان اس طرح تقسیم ہوتی ہے کہ شہرت
 نیک رہا ہے اور مکیات بیکار رہی ہیں بہت ناپسند کرتے تھے۔ مجالس میں
 نہایت معتبر اعدادیث پڑھنے کے دل سے حای تھے اور نہ تنوعی اور ضعیف حدیث
 کا پڑھنا بہت ناپسند فرماتے تھے۔

اعیاد (۱) سید فطرت مولانا علی الصباح اپنے تمام مسلمان نوکروں سے
 کہتے تھے کہ آج منگوا کل فرصت ہے۔ صرف دن کے کھانے کا بند و بست کرو
 ورجہان جی چاہیے آؤ جاؤ۔ خود غسل کر کے تقریباً بجے نماز پڑھ کر اشرپیل نکلیے
 اور اپنے دوستوں میں جہان جہان جایا کرتے تھے جاتے مگر دین منٹ سے
 زیادہ توقف نہ کرتے معافہ کرتے ہی رخصت ہو جاتے اس طرح بہت دیر
 تک ملتے ملتے رہتے اور پھر بنگلہ پرواپس آکر نماز ظہر میں اور مغرب میں پڑھ کر کھانا
 کھاتے اور اسبجے رات تک سواری پر اون لوگوں کے یہاں جاتے جن سے
 دن میں عید نہ مل سکے تھے۔ الہ آباد میں سب سے اول عبدالرؤف صاحب
 بارٹھ کے یہاں جاتے اور ایک بھنگی نکلے یہاں مسلمان تھا جو پانچون وقت
 اذان دیا کرتا تھا اول اس سے عید ملے پھر عبدالرؤف صاحب سے معافہ
 کرتے تھے۔ دن اپنے تمام خدمتکاروں سے معافہ کرتے اور ہر مسلمان سے
 عید اور دن ۱۵ میں بھی اون سے ملتا تھا معافہ کرتے تھے خود سے بیان نہ کیا کرتے تھے
 اگر اون کے بل میں سے اگر کوئی چاکر مانے لانا تو کھالیتے اور باجبر سے

موسے جتوئین سے بھی کبھی کبھی کھاتے تھے عید الفصح کو قربانی ضرور کرتے تھے۔ لیکن گو سفید کی اور ملنا جلنا اسی طرح ہوتا تھا جیسے عید کے دن۔ مگر شرب کو جب واپس آتے تو فرماتے تھے کہ عید گاہ میں جمع ہو کر، ناز پر ٹھٹھنے میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ سب سے ایک جگہ ٹھوڑے وقت میں ملنا جلنا ہو جائے اور اس درپورہ گری سے نجات ملاتی ہے۔

(۳) عید نوروز میں مٹھائی منگا کر خود بھی کھاتے اور بعض دوستوں اور گھر میں رہتے والوں کو کھلاتے۔ سفید کپڑے صبح سے شام تک اس خیال سے پہنے رہتے کہ مبادا کوئی رنگ ڈالے تو قیمتی لباس خراب نہ ہو۔ چچی کے بعد جب سے لکھنؤ میں تشریف لائے تھے ہر سال اسڈن جناب مورانا سید نانا حسین صاحب قبلہ کی والدہ ماجدہ یعنی اپنی چچی صاحبہ معظمہ کے یہاں جاتے اور وہی سفید لباس میں جاتے تھے۔ لیکن کبھی اُنکے کپڑوں پر رنگ نہ دیکھا گیا۔ اسکا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ بارشری پاس کرنے کے بعد سے لوگوں کا ایسا خیال ہو گیا تھا کہ مولانا کو اب نوروز کے رنگ سے کیا واسطہ رہا ہو گا کیون اُن پر ڈالین۔ عید کو یہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو روز فتح مکہ کی عید بھی منانا چاہیے۔ آباد میں حضرات ذیل کے یہاں عید ملنے جاتے تھے بیرشری اودھی کی حالت میں۔

(۴) جناب سید عبدالرون صاحب بارشریٹ لا الہ آباد

(۲) خان بہادر سید زاہد حسین صاحب سابق کشر شہزادہ بہت ریاست گوالیار پیش پختہ دہلی کلکٹر رئیس محلہ چاک شہر لاہ آباد۔

(۳) جناب قبلہ مولوی آغا سید صاحب رئیس و پیشینازہ لاہ آباد محلہ رانی منڈی۔

(۴) جناب مولوی عبد المجید صاحب بارشریٹ لاہ آباد رئیس غظم چوہنور۔

ہر روز سب کے کام آنا وغیرہ وغیرہ۔ دنیوی نقطہ خیال سراسیمہ جماعت کی تاکید
 ہے۔ یہ سب باتیں ہم میں سے مفقود ہو گئی ہیں جو جماعت کی خوبیاں ہیں
 و کما مطلق خیال نہیں صرف خالی ٹولی جماعت میں جانا رہ گیا ہے۔ بس
 روحانی غنہ ذکر و فکر میں اکثر محو ہو جاتے تھے یہ انکی روحانی غذا تھی۔
 روزہ کے بھی موبہ پانا پابند تھے لیکن جب منہ دل کا ضعف روز پر ہوا
 روزہ کا تحمل ناممکن تھا، اور نہ شرفاء و پیر روزہ واجب تھا۔ یہ وہی ل
 تھا جو پلٹے چلتے ایک منٹ میں بند ہو گیا اور پورا تاسی نعمت ہمارے ہاتھ سے
 جاتی رہی۔ آخر اس بیماری دل نے اپنا کام تمام کیا۔ اب اللہ وانا الیہ راجعون

باب

”وفات و پھیر و کفن و تعزیت“

امیر نجیب حیر و قابل ذکر ہے کہ مرنے سے دو ڈھائی برس پہلے مولانا سید
 ابراہیم حسین صاحب کوئی نہ کوئی بات ایسی شکر کہ دیتے یا شعر پڑھ دیتے تھے
 کہ جس سے صاف معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی عمر کے پیمانہ کو پھیرا ہوا سمجھتے ہیں
 آئیے اس کا احساس کیا بلکہ مجھ سے پہلے جناب نوری سید آل محمد صاحب برادر
 سابق ڈپٹی کمشنر و بیرسٹریٹ لاجواؤن کے ساتھ، ایک بنگلہ ”ہیوس“ کا بنگلہ نزد
 مقبرہ بادشاہ قازمی الدین حیدر جس کو بخت کہتے ہیں واقع لکھنؤ میں رہتے تھے
 محسوس کیا اور بار بار ہاؤس کے ساتھ ذکر کیا مشفق حکیم سید مصطفیٰ حسین صاحب
 بیان کرتے ہیں کہ جس کسی مقام پر مولانا کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں زیادہ دنوں رہنا
 پسند نہیں ضرور اپنی قبر کی زمین کا بندوبست کر لیتے تھے قیام الہ آباد کے زمانہ
 میں بنی اونٹوں نے شہر الہ آباد کے محلہ دریاباد کی کربلا میں جو مسجد ہے، وہاں
 پشت پر و سادہ، یا آباد سے اپنی قبر کی زمین کا بندوبست کر لیا تھا۔ بند لکھنؤ

ہیں جب وہ امر لکھد میں عرسہ تک مقیم رہتے تھے وہاں زمین قبر کی تجویز کر لی
 تھی لیکن ججی کے بعد جب لکھنؤ میں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے تو حکیم صاحب
 موصوف نے اُن سے عرض کیا کہ جب طرح آپ اپنے آباؤ میں اپنی قبر کی زمین کا
 بندوبست کیا تھا یہاں کیون نہیں کرتے جواب دیا کہ لکھنؤ میں جہاں دفن ہو نیکا
 ہی چاہتا ہے وہاں کچھ توقع نہیں ہے اس کے بعد ہر زمین برابر ہے اور تم تو اس وقت
 ہو گے جہاں جی چاہے دفن کروینا لیکن حکیم صاحب نے اُن کی رحلت کے وقت
 لکھنؤ میں نہ گئے۔

میں کئی مہینے سے باہر تھا ماہ فروری میں سنا کہ مولانا علیل ہیں میں اُن کے دیکھنے
 کو آیا وہیں بنگلہ میں وہ رہتے تھے اسی بنگلہ میں ٹھہرا۔ مولانا بغرض تبدیل آب
 ہوا قیصر باغ میں جناب سر راجہ علی محمد خان صاحب تعلقہ ارمہود آباد کے مکان
 پر مقیم تھے چند روز میں قیام کیا اور ۲۲ فروری کو واپس چلا گیا افسوس
 مند ہزار افسوس کہ یہ آخری ملاقات تھی۔ بجو۔ اپریل کی صبح کو جناب نے اب
 سجاو عینخان صاحب رئیس لکھنؤ کا تار بمقام دیرہ دواں پور بچا جس کا ترجمہ یہ ہے۔
 مولانا کرامت حسین صاحب نے دفعتاً ایک بجے پہر کو بتایا ۱۹ اپریل تھا
 فرمایا۔ انا اندوان الیہ راجنون۔ یہ خبر سنا کر جو صدمہ ہوا وہ تحریر سے باہر ہے۔
 مکہ سا ہو گیا ۲۴ گھنٹہ تک آنکھ سے آنسو نہ نکلا۔ لیکن بعد یہ حالت تھی کہ آنکھوں
 سے دریا جاری تھا۔ ضبط کرتا تھا لیکن ضبط نہیں ہوتا تھا عبد الکریم عرف پیر
 ہی خیش عبد الواجد۔ ملازم ساتھ تھے او نہیں سے کسی ایسا چونکا ان۔ یہ۔
 مولانا کی خدمت کی تھی انکو دیکھ کر مولانا کا لکھنؤ زیادہ ہو گیا آنکھوں پر دریا بہنے لگا۔
 ایک ماں سے زائد ہوا لیکن دل کی چینی وہی ہے۔ اس ماں سے لکھتے ہیں
 دل کی چینی کچھ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ہاتھ بڑھانے والی حامد و لکھنؤ رشتہ ہے۔

یہ کوئی زندگی ہے کہ بدتر ہے موت ہے
پر دخل کیا مشیت پروردگارین
حامد۔ دس کو سنبھالو۔ خدا کا نام پو اور قلم اداؤ۔ اللہ باقی من کل فانی۔
حسب ذیل واقعات جناب ممتاز حسین صاحب جوپوری۔ جناب ڈاکٹر حسین
علی عباس صاحب کہنوی جناب شہ قادی صاحب۔ جناب نواب سجاد علی صاحب
جناب نواب شاہ زمان مرزا صاحب سے معلوم ہوئے ہیں۔

مولانا پہلے سے علیل نہ تھے۔ اُن کی زندگی کے آخری دن ان کی ظاہری صورت
صحت یا قرآن سے کوئی ایسے آثار نہ پائے گئے جس سے یہ شبہ بھی ہوتا کہ حج دنیا
ہیں ایسا عظیم واقعہ پیش آئیگا۔

اس صبح کو بھی مولانا حسب معمول اٹھے اور ویسے ہی خوش اور
بشاش تھے جیسے اور دن روزمرہ کے معمول کے موافق صبح کے
کاموں کو اسی طرح انجام دیا جیسا وہ کیا کرتے تھے۔ اس دن سات بجے صبح کے بعد کے
حالات جناب ممتاز حسین صاحب جوپوری نے اخبار ہمدرد مورخہ ۲۹ جون ۱۹۷۹ء
میں لکھے ہیں جنکا ضروری خلاصہ حسب ذیل ہے۔

پنجشنبہ کا دن ہے اور ۱۹ اپریل شنبہ کی صبح کو سات بج چکے ہیں۔ مولانا
گرامت حسین صاحب مرحوم کی دقات سے چند گھنٹہ پیشتر کا واقعہ ہے کہ مولانا لکھنؤ
میں اپنے پھوس واسے بیکہ کے شرعی برآمدہ میں کرسی پر اُجلا کر تلپنے بیٹے ہیں۔
مولانا کو اس وقت بھی صبح اور تندرست پایا نہ کوئی علامت نہ چہرہ سے اُٹھنا
بابکل اچھے حالت تھے۔ اُن کے جسمانی ذہنی اور انکی شگفتہ پیشانی کو دیکھ کر موت
کی آہی ہوئی یاد بچوں جاتی تھی۔ میں جتنی مرتبہ بھی اسے ملا یہ خوب یاد ہے کہ

اسلامی مہر مدد ایسا دیکھ پورے لئے ستر رزاسکول کے حساب و کتاب کا کام مولانا کی نگرانی میں کرتے تھے
دعویٰ کے پاس رہتے تھے
۱۹۷۹ء میں ممتاز حسین صاحب

اتفاق میں ہوا اس کے چھوٹے گھر میں آئی یہ کسی پڑیٹ میں موت کا ذکر ضرور بیان تھا
پہلے ناچہ ہوتے روز بھی مولانا اپنی نو تصنیف کتاب الکراۃ کے صفحے مجھے صاف
دیکھنے کے لیے دینے کو اوسکے کمرے میں گئے ایک ٹین کا چھوٹا بکس خود ہی اپنے
کمرے میں ڈھالا ہے اور میز پر رکھ دیا اور فرمایا کہ میری زندگی میں یہ کتاب چھپ
جاتی تو پھانسی کیونکہ موت کچھ کہہ کر تو آتی نہیں جو کام ختم ہو جائے فہمیت ہے
یہ سلسلہ میں فرمایا کہ جب طرح میں سوچا ہے اس طرح تو یہ کتاب ختم نہیں ہوتی
میں جا بجا انگریزی کے الفاظ ہیں جنہیں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے لیے
اردو زبان میں اس سے پیشتر کوئی لفظ موضوع نہیں ہوا میں نے موزوں اور جامع
ردو الفاظ ایسے انگریزی الفاظ کے لیے اس کتاب میں لکھ دیے ہیں مگر اسکی
سخت ضرورت ہے کہ ترتیب حروف تہجی وہ اردو کے الفاظ کیجا کر لیے جائیں
میرا کہ ساتھ انگریزی کے ہم معنی الفاظ بھی لکھ دیے جائیں اس طرح ایک
فہم ایسے الفاظ کا مرتب ہو جائے گا جو اس کتاب الکراۃ کے آخر میں لگا دیا
جائے کہ اسکے پڑھنے والوں کو بھی مدد ملے اور اردو ادب کو بھی فائدہ پہونچے
میں نے بعد مولانا کے طرز تشریح کے متعلق کچھ گفتگو رہی۔

اس دن صبح کو شانہ میں کچھ درد تھا اس لیے مولانا گریز
بستر مرگ کے حالات سکول تشریف نہیں لے گئے قریب ۱۰ بج کے
مولانا نے ڈاکٹر سید علی عباس صاحب کے پاس آدمی بھیجا جولاٹوش روڈ متصل
آمین آباد کے رہتے ہیں اور مولانا کے قدیم معالج ہیں۔ مولانا اپنے بنگلہ کے
لکھتے برآمد ہوئے بیٹھے تھے ڈاکٹر صاحب قریب اسی دن کے تشریف لے گئے
مولانا نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ آج قلب کی حرکت درست نہیں ہو رہی
میں قبل بھی کئی بار بیمار ہوا ایک ایک ہونٹ کر کے پانی پیتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب

بہشت دیکھی اور فرمایا کہ آپ نے ایشاک کھانا تناول نہیں فرمایا یہی باعث
 ضعف کا ہے اور اسی سے یہ حالت ہے آپ ابھی خاصہ نوش مسرہائیں
 ڈاکٹر صاحب کے آئے پر اور کوانا تناول فرمائی ہدایت پر مولانا نے واجد علی
 ملازم کو بلایا اور کہا کہ وہی لاؤ اور پھر کھانا میز پر لگانے کے لیے کہا مولانا نے
 اس روز معمولی غذا بلا ہوا پالک کا ساگ دی ہی اور آبی ہوئی لوی نوش
 کی ڈاکٹر صاحب نے کوئی دو بوتل نہیں کی انھوں نے صرف کھانا کھا لینا
 بچوڑ کیا۔ ڈاکٹر صاحب پر غیہ تھا وہ دوسرے کمرے میں جا کر سو رہے
 مولانا توڑی دیر بعد اپنے دوسرے کمرے میں آئے اور کھڑے نوارٹھ کے
 پٹنگ پر تکیہ ٹکا کر سر صاف رکھا اور لیٹے اتفاق سے اس روز قبلہ رخ
 لیٹے بارہ بجے کے قریب کا وقت تھا مولانا سے واجد علی ملازم نے اجازت لی
 اور چینی بازار چلا گیا۔ اسی اثنائیں ڈاکٹر صاحب کو سوتے سوتے بہت زور
 سے خراٹے کی آواز سنائی دی گہرا کر مولانا کے قریب آئے تو دیکھا کہ مولانا
 کا چہرہ اس طرح سمٹا ہوا تھا جیسا درد اور تکلیف کی حالت میں ہوتا ہے اور
 دونوں دانتوں کے درمیان میں زبان کی نوک تھی اور آنکھیں بند تھیں
 ڈاکٹر صاحب نے نبض دیکھی تو نبض نہ ملی قلب کی حرکت کا ڈاکٹر صاحب
 کو پتہ نہ چلا اس لیے قلب میں حرکت پیدا کرنے کے لیے انھوں نے یہ عمل کیا کہ مولانا
 کے دونوں ہاتھوں کو سر تک لیجاتے اور پھر نیچے لائے تھے۔ اسی اثنائیں
 مسر علی اوسط صاحب بیرسٹر چاوسی احاطہ میں اپنی کوٹھی میں رہتے ہیں
 آئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ کیا حالت ہے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا
 کہ رانا کا انتقال ہو گیا اور ہر مسر علی اوسط صاحب مزید اطمینان کے لیے
 غائب کرلے برڈو صاحب سول سرجن کو بھی لکھنے کے لیے اپنے بھائی

دراؤ نکویا۔ ادھر ڈاکٹر علی عباس صاحب نے مغربی برآمدہ میں آکر سید محمد ہمدانی صاحب کو آواز دی۔ سید ہمدانی صاحب فوراً آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مولانا کا انتقال ہو گیا۔ سید ہمدانی صاحب بیتاب ہو گئے لیکن اس حالت میں جناب راجہ صاحب محمود آباد کے یہاں روپیہ لینے آئے جہاں مولانا کا روپیہ امانت رکھا ہوا تھا۔ راجہ صاحب کلکتہ میں تھے انکے مختار صاحب مولانا کا روپیہ تجبیز و تکفین کے لیے لیا اس کے بعد سید محمد ہمدانی صاحب جناب مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی کی خدمت میں گئے اور اس سانحہ کی اطلاع کی جناب قبلہ و کعبہ نے فرمایا کہ غسل خانہ میں جو قریب امام باڑہ غفرانہ کے ہے غسل دیا جائے اور مردہ کی کٹوریہ کی کر بلا میں اپنی والدہ مرحومہ کی قبر کے قریب انکی قبر کا انتظام کرنا ہوں اس اثناء میں آپ چائے اور چناڑہ لائے مولانا نے سید علی اوسط صاحب کے پھوس واسے

وقت و جاسے وفات

بنگلہ میں مئی ۱۹۱۶ء سال کی عمر میں ۱۹۔ اپریل ۱۹۱۶ء

یوم پچنبہ کو بوقت ایک بجے دن کے انتقال فرمایا۔ اس وقت اس بنگلہ میں

ڈاکٹر سید علی عباس صاحب اور سید محمد ہمدانی صاحب کے سوا کوئی اور نہ تھا۔

انتقال کے تھوڑی دیر کے بعد لفٹ کرائی برڈ وڈ صاحب

سبب موت

سول مہجرین لکچر تشریف لائے اور دیکھ کر کہا کہ نہ کسی زہریلے

جانور نے کاٹا ہے نہ کسی قسم کے زہر کا پتہ چلتا ہے نہ کوئی مرض پایا جاتا ہے

قلب کی حرکت دفعتاً بند ہو گئی جسکی وجہ سے انتقال ہو گیا اور فرمایا کہ جیٹر چہر

سورانا کی زندگی خاموشی کے ساتھ بسر ہوئی سپیلر ج کی موت بھی ان کو ملی

سند اہم کی بھی ایسی ہی موت نصیب ہوئی۔

خبر وفات | تھوڑی دیر بعد مسلم گرجوں کے لوگوں کو اس سانحہ کی اطلاع دی گئی

اسکول میں ایک کھرام مچ گیا ایک ایسے محسن و ہمدرد و متقیق سرپرست کے
اس طرح اٹھ جانے کی خبر سے گرسری اسکول میں فوراً اپنی کردی گئی مگر چوڑی
لڑکیاں دیواروں سے سر ٹکرائی تھیں۔ شہر میں خبر پھیل گئی۔ مہترہ اور سرپرستوں
ہمد و ستانی برسر و کلام بھر میں پھوس سے ہنگامہ مینہ مچا ہو گئے۔ حکام بائیک
الہ آباد۔ اور مولانا مرحوم کے ذی و عاہت احباب دہلیزوں کو تار بٹھکے
پائیر کو بھی اس سانحہ کی اطلاع بذریعہ تار دی گئی۔

شاگرد طلبہ کی شرکت اس واقعہ نے بھی ایک عجیب و دانیگر اثر کیا کہ درویش
کے دو طالب علم جنکو اس واقعہ کی خبر نہ تھی حسب معمول

تین پار بجے سبق پڑھتے تھے وہ غصوں نے خلاف امید ایک عجیب سماں دیکھ
یا تو وہی مولانا تھے کہ کل تک اپنے ان شاگردوں کے آنے پر انکی بھی تامل کید
سب معمول کھڑے ہو جایا کرتے تھے یا آج ایک کھمبی چار پانی پر مہم پڑے
ہیں۔ کل تک تو انھیں طلبہ کو سبق دیتے تھے۔ آج ایک دنیا کو سبق عبرت دینا
ہیں ان طلبہ کے دل پر کیا گزری اسکا اندازہ کچھ اسی سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے
سو وقت سے تین بجے رات تک جب تک مولانا تال کٹورہ کی کربلا میں خاک کا
یونہی ہو کر ہمیشہ کے لیے نظروں سے پوشیدہ نہیں ہوئے نقش کا ساتھ نہ دیا

بنازہ قریب پانچ بجے شام کہ جنازہ دریائے گوتمی کے کنارہ والی سڑک سے
ایٹانالہ غفران آباد کے امام باڑہ کے غسل خانہ میں لایا گیا۔ جنازہ کے ساتھ مختلف
نکت و مذہب اور مختلف طبعت کے اشخاص تھے۔ ایک کامد رنمل شامیانہ
کے زیر سایہ جنازہ کو سیٹھ ہوئے آیات قرآنی اور کلمہ وغیرہ باواز بلند پڑھتے تھے

غسل خانہ مذکور میں اسے اور دین غسل دیا گیا
نسل میت و نماز جنازہ اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ قبل ذکر ہوا

کہ سیدنا محمد و آلہٖ الطیبین نو اسہ جناب مرزا محمد عباس صاحب مرحوم سابق ڈپٹی کمشنر
پورنا مرحوم کے خاص معترفین و قدر دانوں میں سے ہیں ایک کفن کر لیا گئے
سے سے تھے جس پر تمام قرآن شریف لکھا ہوا تھا اور جو تین ماہ تک برابر
سیدنا محمد و آلہٖ الطیبین علیہ السلام میں رکھا رہا اور قبر مطہر سے سن
لیا گیا تھا۔ مولانا مرحوم کے لیے یہ کم کر دیا کہ اسکے بہترین مستحق شخص یہ ہیں چنانچہ
مولانا مرحوم کو یہ پیش کیا اور قابل حرام کفن دیا گیا اسکے بعد جناب شمس اعلیٰ
مولانا سیدنا حسین صاحب قباہ مجتہد العصر نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ لکڑی
کی کر بلا روانہ ہوا۔ خود بنفس نفیس مال کٹورہ کی کر بلا قریب ابجے شب کو تشریف
لے گئے مشفقہ اکثر ناصر الدین حسن صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ڈی۔ بیرسٹر
ایٹ۔ کو جو محبت مولانا مرحوم سے تھی اسکا یہ اثر تھا کہ باوجود شواری ہونے کے
وہ جنازہ کے ساتھ پیادہ کئی میل طے کر کے مال کٹورہ کی کر بلا گئے اور دفن
کے وقت تک وہیں رہے۔

مال کٹورہ کی کر بلا میں اندرون احاطہ امام بارگاہ
[شانِ مدفن اور وقت دفن] مرزا کیوان جاہ کے قریب مسجد کے شمالی جانب
جہوترہ کے نیچے چنان مولسری وغیرہ کے درخت ہیں اور جس کے قریب دوسری
جانب جناب شمس اعلیٰ مولانا سیدنا حسین صاحب قبیلہ کی دادہ مرحومہ کی
میں قبر ہے مولانا سید کریمت حسین صاحب مرحوم ابجے شب کو دفن ہوئے
ان کے شاگرد ظیل قبر کو دفن کے وقت جب جنازہ رکھا ہوا تھا بحسرت اس قبر کو
دیکھ رہے تھے جب میں مولانا مرحوم دفن ہونے والے تھے۔ ان کے پاؤں پر قبر کی
نیم نرہ مٹی کا جب ڈھیر ہو جاتا تھا تو وہ پاؤں جھٹکا کر پھر اسطرح کھڑے ہو جاتا
تھے اور دفن ہو جانے پر بھی وہ کچھ سیدھے رہتے گویا تکی قباہی حالت وہ تھی جسکا

پور اپور ابیان میں تاحفی صاحب کے اس تہرین میں ہے جو مولانا مرحوم کے
جائزہ تقریرت میں پڑھا گیا۔

بہشتی شنگان علم نہ چھوڑینگے تیرہ دست خاک کھدین جذبہ ایک بحر بیکین
نہ کہ بعدیناب مولوی سید ذاکر حسین صاحب قبلہ برادر جناب شمس العلما
مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر ظالمہ العالی جناب
بعد فاتحہ رخصت ہو گئے۔

تیسرے روز اکرام اندر خان مرحوم کے امام بارگاہ
مجلس سوم و فاتحہ خوانی میں مجلس سوم و فاتحہ خوانی منعقد ہوئی۔ جناب
شمس العلما، مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر ظالمہ العالی، جناب
سر علی محمد خان تعلقدار محمود آباد اور لکھنؤ کے بعض رؤسا اور مولانا مرحوم کے
عزرا جو کثور وغیرہ سے آئے تھے۔ مجلس میں شریک ہوئے۔

مولانا نے کوئی اولاد یا بیوی نہیں چھوڑی تھے ایک بھائی مولوی
پس ماندگان سید رعایت حسین صاحب اور ان کے حقیقی بھتیجے اور داماد سید
شہل حسین صاحب بی اسے تحصیلدار کادمی پور ضلع سلطان پور قریب کے عزرا
ہیں۔ درخاندانی دیگر عزرائلی موجود ہیں۔

خباہرون اور زبانی اطلاعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف عنوان سے مختلف
مقامات پر تقریرت کے جلسے ہوئے تہذیب ماہ منی سالہ عزمین خصوصیت
ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء و دیگر اخبار میں تقریرتی جلسوں اور مجلس فاتحہ خوانی
اور عام اخبار ہر روزی کا ذکر اس قدر ہوا کہ ان سب کا تذکرہ یہاں خالی از ہوا نہیں
بارہ درمی قیصر باغ میں جو جلسہ تقریرت ۲۵ اپریل
لو بصدارت جناب رابعہ صاحبہ، آبا منعقد ہو

سے روزہ لکھنؤ قلم ناسخ میں واقع ہے مولانا خاں جہاد نے اس کی ریت لکھی ہے

جسلی کارروائی دوسرے دن کے اجباراً بدنام ہیں بھی شائع ہوئی ہے اس میں
 انریبل مرزا سمیع الدین بیگ صاحب بی اسے ایڈوکیٹ۔ انریبل پنڈت
 گوکرن ناتھ مصری اسے ایڈوکیٹ، نواب ذوالقدر جنگ۔ سید سجاد خیدر صاحب
 بی اسے سید علی اوسد صاحب بیرسٹر حاجی ریاض الدین حسن صاحب بی اسے
 بریلوی۔ چودھری سید محمد علی صاحب تعلقدار ردوولی۔ ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب
 ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ بیرسٹر ایف۔ لا۔ انریبل سید وزیر حسن صاحب بی اسے
 ایڈوکیٹ اور جناب راجہ محمد علی محمد صاحب تعلقدار محمود آبادی پندرہ تقریریں مابین
 یہ قطعہ تالیف شاعر نازک خیال جناب میرزا فاکر حسین صاحب ثاقب
 لکھنوی نے جلسہ تقریر مولانا میں جناب راجہ صاحب
 محمود کو دیدیا تھا۔

قطعہ ہمارے صبح

جلیل المراتب کرامت حسین	ہو خواہ ملت ہی خواہ قوم
وہ گنجینہ فضل و علم و ہنر	ایسٹوئے حکمت ہی خواہ قوم
وہ تعلیم نسوان کا خضر و سیاح	چراغ ہدایت ہی خواہ قوم
ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے آج	وہ سر فیضیت ہی خواہ قوم

یہ تاریخ کہتے ہیں ماتم نشین

گیا سو سے جنت ہی خواہ قوم

ہمارے لکھنؤ کے بالکال شاعر مولانا سید علی فتی صاحب صفی نے ذیل کی نظم پڑھی جس میں مجھلا

مولانا کی سہیزت اور علی کمالیات کا بھی ذکر ہے۔

میں نے اپنے نظم کے وقت اکثر چیخا جسے ایک دل چڑھا ہزار ہن دل برب کر چیخا اوتے

میں نے کرامت صاحب سے کہنے پر مولانا کی دعوت ہوئی۔

رہتا تھا کسکو موت کا ہر وقت انتظار
 کس دن نواز کی صفت ماتم بچسگی آج
 کون اس زمین ہند پر اک آسان تھا
 سہ تافتدم نمونہ خلق محسوسدی
 نلدستہ صفات و کمالات ہے عدد
 بحر العلوم منبع بہار علم و فضل
 فقہ و اصول کا وہ زیر دست مجتہد
 وہ فلسفی کہ جسکے مذاق سلیمین
 جسکا قلم شاکش موت و حیات میں
 آزادی انبات کا حامی بقید شرع
 مانا ہوا دیب زبان حجاز کا
 وہ سیرۂ جبین ماندہ افسانہ العرب
 نامہ ش زندگی میں بسر کی تمام عمر
 اعضا قوی تمام مگر دل بہت ضعیف
 پابند قول صادق الاقرار راست گو
 بزرگوار کوئی قوت جہان کی
 سب تشنگان علم نہ چھوڑینگے قبر دوست
 کیا تو یان پر نام کر مرث سین حرب
 بساں قبا ہائیکورٹ کے ایوان میں ہی
 ست اسیکے دل کو دکھایا نہ تھا کبھی
 خود بے شکرب مٹا دے نشان قبر

بین اسکے علم میں علم و عمل دو زبان سو کو
 ٹوٹے ہوئے دلوں نے جمائی ہی کیوں قطار
 اور اس علوقد پر اللہ رست نکسار
 یعنی وہ ہے شعار جہ اسرار کا تما
 مجموعہ مکارم اخلاق ہے شمار
 ہر حلقہ امثال و آئینہ ان روزگار
 حکمت کو جسپہ ناز شریعت کو افتخار
 زہرا جل عسل سے زیادہ تھا خوشگوار
 بھار ہا تھا مسماہ جبر و اختیار
 عصمت ہوا ہے پردہ دی میں بھی پردہ
 جسکا ادب ہے گارمانہ میں یادگار
 یاسینیوں کے خوان فصاحت کا زلہ خوار
 جنتک کہ آنکھ بند ہوئی وقت حشر
 چھایا ہوا فقط اثر خوف کردگار
 دل آئینہ وہ جسمین نہ دیکھا کبھی غبار
 ممکن نہ تھا کہ توڑ سکے عہد استوار
 خاک ہدین جذبہ اک بھر بیکنار
 ٹوٹا دل اس طرح کہ بندھا آنسو و نکال
 ہے اب جو اک مرقع عبرت تہ مزار
 یان اسے زمین قبر سمجھ کر ذر فشار
 مٹے دلوں دس سے نہیں لٹاں استی

میں نے اس قوم کو اولاد کی طرح
 بنایا ہے اور ان کو چار چوکیدار
 بنائے ہیں اور ان کے لئے
 اس کے ایک سو پینے پینے
 کے لئے وہ اس بل پر لٹے ہوئے
 ہیں میں ایک شفیق معلم کے لئے
 اس کے ذرا جو کتاب سماعت ہو آپ میں
 اب یہ ہمارے فرض ہے کہ نہ دین اُسے
 اسے قوت خلوص دے اور آتشنا
 شیبہ پاک قوم ہی خواہ تخت و تاج
 دولا کہ اپنی جیت بکشت دیدے
 چھٹی غذا سے کام نہ اچھے لباس سے
 نقش قدم پہ شہرت خیر الانام کے
 دار سلووم سو بہ میں رکن رکن قوم
 زیر سلووم مشرقی و مغربی تمام
 منقول ہو بصورت معقول جلوہ گر
 اسکا ہر ایک قول گرا نمانگی میں قرہ
 شخصیت ایک فرد کی بنیادی ہو قوم
 ایوان مل مل اُسے سے رو رہا ہے آج
 چھینا اُسی کو آج جو اپنی مثال تھا
 وادو ستدین و بہ نہایت خستہ ہیں

ہم یہ قوم ہے کوئی ایسا بزرگوار
 کب تک چلیگا مکتب نسوالم کا کاروبار
 دن آگئے نگران کے کیا موسم بہار
 بیدارت و پائین قوم کے افراد کچھ سو
 آواز ہے صد اسے شکست دل شکستہ
 آئین جو اشکبار تو دل سبک پیر
 کہتے ہیں کیا بقلب حزن سرست ہو گوار
 قلم جو کر گیا ہے وہ خود اپنی یادگار
 اس کشتی شکستہ کو تو ہی لگا دے پار
 ویسا نہ ایک پاسیے گاؤں میں بیٹھے ہزار
 مجھے ہوئے تھا و بہت دنیا کو مستعار
 تھی سادگی حراج میں باہر صحت اقامت
 چلتا رہا سمجھ کے زمانے کو رہ گوار
 جسکے ہر ایک نقطہ میں تھا وزن کو ہر
 کلک دوسرے معرکہ آری سے وہ اتفاق
 دنیا و دین سموسے میں ہمیشہ غنیہ کار
 اسکا ہر ایک فعل نہ کاں اخیار
 اقدار سے قادر علم و کراں شکی و قار
 جو کنگرہ تھا اس کے لیے تین جنت دار
 تو نے ستم کیا یہ سپرستہ کار
 دیتا نہیں دوبارہ جو لکھا ہے ایک بار

پہلے برتوں کے علم میں چھوڑا جان کر
 اکثر مختلف ہفت روزہ اس کے نام تمام
 حیف اس بزرگ کے ہمسایوں کے اولاد بھی
 مولانا ایسے مختلف علوم و فنون کے یکتا باکمال شخص کے تعزیت کے جلسے اگر
 ہر اہل فن و لحاظ اپنے ذوق اور بقیہ اپنے حوصلہ کے کرتے پھر بھی انہماغ سے
 وہ حیرت انگیز ہو سکتی تھی جو ایک ذات واحد کی وفات سے
 عالم اسباب میں ایک افسوسناک کی صورت میں دفعتاً محسوس ہونے لگی
 اور محسوس ہوتی ہوئی ایسی انہماغوں میں مولانا کی وفات پر اظہار غم کیا گیا بہت
 سے مینا میں بہت سی انجمن بہت سے قطعات تاریخ لکھے گئے۔ بہت سے تعزیت
 کی شان فراموشی اور اسی نسبت سے الفاظ بھی جدا گانہ تھے اہل جلسہ کو ضبط
 مولانا کی قابلیت سے تعلق تھا اسی نسبت سے ہر صیغہ کے امتدادوں کا
 ہفت روزہ تعزیت تھا۔

سب سے پہلے ایک چھوٹی سی عجمت تعزیت
 ہیکورٹ آف لاء ڈین تعزیت اس صوبہ کے عدالت لغایہ ہائیکورٹ الہ آباد
 کے جج کے صاحبان اور وکلاء و بیرشروں کی ہومی جیکے بل حالات
 انبار پانچویں ۲۲۔ اپریل ۱۹۱۷ء سے اقتباس کر کے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں
 آج بعد ظہر الہ آباد ہائیکورٹ کے صاحبان جج حیف جسٹس صاحب کی عدالت میں
 ہجاء۔۔۔ بیان سید کرامت حسین صاحب سابق جج ہائیکورٹ کی وفات کا
 ذکر کیا گیا۔

مسٹر و ملک نے لہذا کہ نہایت دلی رنج سے صاحبان جج کے حضور میں مسٹر جسٹس
 کرامت حسین صاحب کی وفات کی خبر پیش کرتا ہوں۔ مسٹر جسٹس کرامت حسین

کرسی عدالت پر شکن ہونے کے پیشتر الہ آباد میں ہم لوگوں کے ساتھ پیرسٹری کر رہے تھے۔ مسٹر والک نے مسٹر جسٹس کرامت حسین صاحب کی شہریت کا تذکرہ فرمایا جو بحیثیت عالم ہونے کے انکو حاصل تھی۔

ڈاکٹر ہائیگورٹ اور چیف جسٹس کی رائے سرسند رلال صاحب نے منجانب دکن تمام فضائل سے اتفاق کیا جو مسٹر والک صاحب نے بیان کیے تھے۔ چیف جسٹس صاحب نے فرمایا کہ جج صاحبان نے جانکر انجم کے ساتھ سید کرامت حسین صاحب کی ایک وفات کی خبر سنی اور یہ فرمایا کہ کل شب کو مجھے ایک تار ملا مگر وہ تار کچھ عرصہ پہلے سے تار لگا کر لیا تھا کہ مجھے ہرگز اس سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ تار سے مہا بھگت سنگھ کی خبر وفات کے متعلق ہے۔ مسٹر جسٹس کرامت حسین صاحب نے اسے جس اوصاف کی وجہ سے اولاً تو پیرسٹری میں اس کے مرتبہ پر پہنچے اور بعد ازاں بھی اس کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ امور خیر کے متعلق انھوں نے جو کام کیے وہ ان میں سے جو انھوں نے تعلیم کے باب میں کی خصوصاً تعلیم نسوانی اور اسے ذکر و مذہب حضرات موسومہ بالاساتہ کیا ہے جنھوں نے ہم کو یہ بات کر کے ثقہ مین بنائیں مجھے ذاتی طور پر بہ وجہ یہ علم ہے کہ ہندوستان میں تعلیم نسوانی کے معاملہ میں انکو کتنی گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے کس طرح سے کام لیا اور اس مقصد کی اشاعت میں انھوں نے کس طرح اپنی دولت صرف فرمائی جو آج کل ان لوگوں کے لیے بالعموم ایک ضروری مقصد ہے جو ہندوستان کی ترقی دیکھنے کے متمنی ہیں۔

جسٹس تغیرت مسلم خزانہ اسکول لکھنؤ
۲۴ اپریل ۱۹۲۸ء کو مولانا صاحب نے اس امر کی
مابین وابتداعت اور علمی اشار کا نمونہ پیش کر دیا

اور ان کے آنر زندگی کے عزیز ترین دھپسی کے رفاہ عام کا کام لیتے مسلم اسکول
اسکول میں ان کے تعزیت کا جو جلسہ ہوا اوس میں بہت درد انگیز تقریریں ہوئیں
اور ذیل کی نظم ایک چھوٹی لڑکی نے پڑھ لی اور اسکے بعد اسکول کے سب
چندہ کی تحریک ہوئی۔

فلک کے دکھائے ہوئے دل بہین ہیں
بھاری ہی قسمتیں تھی تلخی غم
جہاں سے ملنے سے کیا تجلو حاصل
یہ پیر آسمان دیکھ کر پاسے ہسکو
درا ہے جو سہرے عربی کا سایہ
کہتے ہیں دیوار دور مدرسہ کے
بلا عرش تک سُنکے آواز جس کی
تک ہوں میں نار یک سے ساری دنیا
سبھی سے کوئی خوبیاں چلے پوچھے

ملک کے اردو اور انگریزی اخبارات کے
مولا ناسید کرامت حسین صاحب مرحوم

کے انتقال پر بہت کچھ اظہار افسوس کیا جن اخباروں کا یہ سب ترہہ سے
لکھنے کے وقت چل سکا انکی فرست حسب ذیل ہے اور ان میں سے بعض کے
انتباسات بھی ذیل میں درج ہیں۔

(۱) اخبار پانیر الہ آباد (۲) اخبار ریڈر الہ آباد (۳) ایہ دگیرٹ لکھنؤ
آئی ڈی ٹی لکھنؤ (۴) روزانہ اخبار ہمد لکھنؤ (۵) اخبار ایست لکھنؤ

نمبر ششیمہ کالج نیوز لکھنؤ (۸) اخبار اتحاد امور ہندو متعلق مراد آباد (۹) رسالہ شریعہ
 سرائے سرائے صوبہ بہار (۱۰) اخبار اودھ شہج لکھنؤ (۱۱) اودھ اخبار لکھنؤ (۱۲) رسالہ
 اودھ سنہ ستانی لکھنؤ۔

خبر البشیر نمبر ۱۴ جلد ۱۹ مورخہ ۱۳۔

مولانا سید کریم صاحب
 سید کریم صاحب نے لکھنؤ میں ضروری، فقہی و دینی
 کیا جاتا ہے۔ مولانا سید کریم صاحب
 درمیان میں رہے۔ ان کا قانونی لیاقت اعلیٰ درجہ کی تھی۔

حقائق یہ تھے کہ سید کریم صاحب کی رائے انکی نسبت یہ تھی کہ ہندوستان میں کوئی
 شخص اگر قانون جانتا ہے تو وہ مولوی سید کریم صاحب ہیں انکی قانونی لیاقت
 انکی بار بار یہ تھی کہ یہ رائے ہوئی کہ ایسا لائق شخص اگر ملے گا تو نہ تو اسے
 بہت رنج و آفتاب کے لیے نہایت مفید ہے چنانچہ سال ۱۹۱۱ء میں مولانا سید کریم صاحب
 کے بارے میں مقرر ہو کر آئے، اسی سال انھوں نے مجھے ایک شخص کا انٹرویو
 دیا جس میں تعلیم نسوان کے لیے ایک رزلویشن پیش کیا اور اسے منظور
 کے پیش کرنے کے وقت تعلیم نسوان پر ایک زبردست قہر کی رائے نہایت
 پر زور پیش مباحثہ ہوا اس سید نے بھی رزلویشن کی مخالفت میں ایک شہر و ست
 آئینہ کی تھی لیکن رزلویشن پاس ہو گیا یہ پہلا موقع تھا جبکہ مولوی سید کرامت
 حسین صاحب قومی اپنیٹ فارم پر تشریف لائے تھے۔

یہ تھی کہ سید کریم صاحب نے جو انکی رائے میں مسلمانوں کے لیے مندرجہ
 ذیل مخالفت جاتی تھی نہ کرتے نہ اپنیٹ فارم پر نہ اخبارات میں نہ بغفلت
 کے ذریعہ سے بلکہ چونکہ انکی مخالفت ظاہر ہوئی وہ صرف وہی وطن کے کام
 میں نہ تشریف کرتے نہ ہندو دیتے اور صرف اخبارات میں ہی تشریف

اوس تحریک کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کر دیتے تھے بعض وجوہ سے وہ
 ایجوکیشن کا نفرش کو مفید نہ سمجھتے تھے چنانچہ جب سے انکو یہ خیال ہوا وہ انھوں
 نے کانفرنس کی شرکت چھوڑ دی ایک مرتبہ انکو پریسیڈنٹ ایجوکیشن کانفرنس
 کا بنائیکی سعی کی گئی اوس سے انکار کر دیا بعض امور کی وجہ سے انکو علیگڑہ سے
 کچھ شکایت پیدا ہوئی انھوں نے علیگڑہ سے اپنے تعلقات خاموشی کے ساتھ
 منقطع کر لیے اسکے بعد اکی فرنی کے خلاف ٹرسٹی بنایا گیا لیکن ٹرسٹی منتخب
 ہو جانے کے بعد انھوں نے استعفا دیر یا غریبکہ وہ اپنے اصول میں نہایت
 سخت تھے اور ہر چیز کو اپنے اصول پر قرار رکھنے کے لیے قربان کرنے کو تیار
 ہو جاتے تھے تاہم وہ دوستی تعلقات و مراسم کے پھاسے میں بڑے وعدہ دار
 تھے جس قدر جس سے تعلقات تھے انکو وعدہ داری کے ساتھ عمر بھر نباہ دیا اختلاف
 خیالات کی وجہ سے ذاتی مراسم اور دوستانہ تعلقات میں کمی نہ آنے دیتے تھے
 مثلاً وہ مسلمان لڑکیوں میں انگریزی تعلیم کے حامی تھے اور میری رائے تھی
 کہ مسلمان لڑکیوں کے لیے انگریزی تعلیم کے اسکول جاری کرنے ترقی پسندوں
 کو روکنا ہے گھنٹوں مجھ سے اور مولوی صاحب سے اس مسئلہ پر مباحثہ ہوتا تھا
 لیکن اس قدر سخت اختلاف کے بعد بھی اوان تعلقات میں کمی نہیں ہوئی ہوا
 سے قائم ہوئے تھے۔ آہ یہ ہی خوبیان پرستے بزرگوں میں تھیں یہ ہی انکی وعدہ دار
 مروت اخلاق اور محبت تھی جو روز بروز ہماری قوم سے لم ہو رہی تھیں آج خدائے
 برہمہ دشمنی و منافرت کا باعث ہے۔

اونکے کاموں کی اور خیالات کی کوئی مخالفت کرتا تو کچھ پروا نہ کرتے۔

مولوی کریمت حسین نمونہ تھے اس امر کا کہ کس طرح ایک شخص ایسا بنا رہی ہے
 ساتھ کام کر سکتا ہے ذرا بت پیدا کر سکتا ہے اور کس طرح وہ دولت پس انداز کرے

قومی کام میں لگا سکتا ہے اور کس طرح ایک انسان باوجود کثرت کام کے کثرت
یعنی اور تصنیف و تالیف کے لیے وقت نکال سکتا ہے کیونکہ اپنے معزز اور نرالی
اصولوں کی پابندی کر کے لوگوں میں ہمدردی پیدا کر سکتا ہے اور کس طرح باوجود
اختلاف عقائد اور خیارات دو شخصوں میں دوستی اور محبت قائم رکھ سکتا ہے۔
میں بتیجہ کالج نیوز مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۷ء نمبر ۱۷ جلد ۲۔ میں ایک خاص
مضمون مولانا مرحوم کے وفات پر تحریر کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ہندوستان کا بایہ ناز مشرقی و مغربی علوم فلسفہ علم
شیخہ کالج نیوز کی رائے

کلام حکمت۔ ادب۔ سائنس۔ قانون۔ اور فقہ وغیرہ
وغیرہ دنیا عالم اور مکتائے روزگار کامل سید کرامت حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ
مقامہ ہر سٹریٹ لاسابق جج الہ آباد ہائی کورٹ قیلا آف الہ آباد یونیورسٹی
ممبر بہت سند کیٹ ممبر فیکلٹی آف آرٹس دنیائے دم بھر میں بلا کسی عرصہ
کا اندمہ ٹپا ہوا کسی کو دکھ درد دیے ہوئے دفعہ قبلی حرکت رک
جانے سے ہمیشہ کے لیے اٹھ گئے۔ فرقہ نسوان کی تعلیم سود و ہیود میں اپنی
آخر سائنس تک یا مردی اور سرکری سے مصروف رہے ان کے دل تین بیات
سمجھ گئی تھی کہ ملک اور قوم کی اعلیٰ ترقی بچوں کی اعلیٰ صحت اور اعلیٰ تربیت کے
لیے یہ ضروری ہے کہ انکی مائیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تندرستی کی حامی اور حافظ
ہوں اور اسی آئیڈیل اور اسی نصب العین پر وہ تعلیم نسوان کے حامی تھے اور
انکے مین ایک بڑے مدرسہ نسوان کے بانی اور سکریٹری تھے جس قدر تمام عمر
میں لاکھوں روپیہ انھوں نے جمع کیا تھا سب اسی کام کے لیے دیدیا۔ انھوں
نے آخر وقت تک خاموشی سے یکساں طور پر زندگی گزار ڈھنی نہ تیار داری
ان جنائت کسی نے نہیں نہ خود بیماری کی اذیت اٹھائی۔ پھول کی طرح دنیا

آتش بہشت اور پورے گل کی طرح اس زمین کا رنگ دیکھتے ہوئے رتھت ہوئے
 آسمان ہزار چکر لگاتے مگر اب ایسی روحیں شاید ہی ہزار برس میں پیدا ہوں
 فسون بڑا آسمان ہندوستان خالی اور ویران ہو گیا۔ وہ اخلاق مدرس کے
 بچے پیر و اور سال تھے۔ یہ بات آج ڈھونڈنے سے بھی کسی نے نہ سنی تھی
 خیال میں سیتھیت جس لیاقت کا آدمی آیا وہ انکو مجسم اخلاق کا ہوا تھا کہ سارا
 مقدر کہ وہ ان طلباء کو جو ان سے درس لینے آتے تھے اپنے سے بہتر سمجھتے
 انکی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور جب وہ رخصت ہوتے تھے تو کہہ کر
 انکو رخصت کر کے اپنی جگہ پر بیٹھا کرتے تھے وہ منظر بھی قیامت کا منظر تھا جب
 چند طلباء جو غیر مذہب تھے حسب معمول کتابیں لیکر پڑھتے تھے۔ رات کو ان
 نے ایک لاش دیکھی۔ زندگی میں کوئی ذمہ مشکل سے گذرا ہو گا کہ ان سے
 موت کو نہ یا کیا ہو جتنے کمالات اور اوصاف ایک ذات میں تھے انکی مثال
 ہلکوا آج موجودہ ہندوستان میں نہیں ملتی۔ ان کی موت نہ صرف ایک شخص کی
 موت ہے بلکہ ایک ملک کی موت ہے وہ گورنمنٹ اور رعایا دونوں کے یکساں
 معتقد تھے۔ ملک میں کتنے ہی گورنمنٹ ہون ایل ایل ڈی ہون۔ اور ایل ایل ڈی
 ہون۔ ولایت کے پاس شدہ ہون۔ مگر جس قسم کے افراد پر ملک پر قوم کی
 اصلی ترقی منحصر ہے وہ خوب بیان مولانا سید کرامت حسین صاحب میں قلم ہیں
 مسلمانوں اور خود ملک کی ضروریات کو سمجھنے کے لیے جو ایک دماغ تھا وہ خود
 بہشت میں ۱۹ اپریل ۱۹۱۱ء کا دان گذر کر شب کو تین بجے تال کٹورہ کی کر بلا میں
 ایک جہنم قریب دفن ہو گیا جس پامردی سے مولانا مرحوم نے ایسی
 نازک حکیم اعظم نشان میں دیکھی لی اور زندگی جس طرح کے خدمات میں گذر دی
 اور جتنے ناپاک جملوں اور خبیث جملوں کو سنا اور صبر کیا اسکی مثال کسی ایک فرد

کی زندگی میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ جو چیز بہت خصوصیت کے ساتھ ان کی زندگی میں آج بھی بہت قابل قدر ہے وہ انکی صداقت اور ایقلے عمدہ اور وہ بیچ کے جلد ۲ نمبر ۶ مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۱۶ء سے حسب ذیل اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

پودھری ممتاز حسین صاحب تعلیم نسوان سے مخالفت یا اسکو غیر ضروری سمجھنا

جنون ہے اور مطلق تعلیم کے نسبت اگر اختلاف ہو گا تو کسی دشمن عقل کو ہو گا نہ کسی صاحب عقل

کیونکہ ایسی تعلیم جو ایک ہندوستانی عورت کو ولایتی مہم صاحب بنادے اور اپنی قوم یا اپنے قبیلے سے جدا کر دے یا پودھریں سے آزاد کر دے یا مذہب و وطن و قبیلہ کی وقعت پر یاد کر دے نہ عورت کے لیے مقبول ہے نہ مرد کے لیے تعلیم کوئی شخص مدد نہیں دیتا۔ لیکن تربیت اخلاقی و مذہبی میں غفلت اور خامی سے یہی ثمر حاصل ہوتا ہے۔ مرحوم (یعنی مولانا سید کرامت حسین صاحب مرحوم) نے جو کچھ محنتیں اس خاص کام میں کی ہیں وہ پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ جان اور مال کوئی شے اونھوں نے عزیز نہیں رکھی اور ساتھ ہی ملی خدمات سے بھی قوم کو مستفید کرتے رہے۔ انکی محنتی نفس کشی اور ریاضتیں بھی کوئی کلام نہیں نہ مہربان کے متعلق انکے خیالات حکیمانہ تھے اور اکثر جمہور سما سے مختلف۔

رسالہ شیعہ ضائع سارن نمبر ۶ جلد ۱۴ یا مہ ماہ اگست ۱۹۱۶ء سے حسب ذیل اقتباس کیا جاتا ہے۔

ذہن و ذکاوت اپنے معاصرین سے بہت آگے اور رسالہ شیعہ کی رائے استعداد اور قابلیت میں ممتاز تھے۔ وہ بیت کے قیام

میں مشہور ہے کہ آپ نے نہایت زبرد و تقویٰ کی زندگی بسر کی۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے نہایت خلیق منکر مزاج اس درجہ متواضع کہ جو طلباء آپ سے برابر دیں لینے کو آیا کرتے تھے انکی تعلیم کو اٹھ کھڑے ہو کر کرتے اور جب وہ جلتے تب بھی کھڑے ہو کر اونہیں رخصت کرتے۔ موت کو انشریاد کیا کرتے انگریزی فانی تھی عربی اور اردو میں اچھی اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ملک کے مختلف حصوں سے تفریقی خطوط مولانا مرحوم کے مرنے پر موصول ہوئے۔ مرحوم کے بھائی اور دیگر اعز کے علاوہ

تفریقی خطوط

میرے پاس بہت خطوط آئے اور انہیں قابل ذکر مولوی امداد علی صاحب کو لکھ کر چودھری محمد علی صاحب ردولی۔ دی۔ تریبل خان بہادر سید عبدالرؤف صاحب بیرسٹر جج ہائیکورٹ الہ آباد۔ مسٹر محمد اسحاق صاحب بیرسٹر الہ آباد۔ جناب سید اعلیٰ نواب مولوی سید امداد امام صاحب جناب عماد الملک سید حسین صاحب بلگرامی اور سر جان بیوٹ صاحب سابق لفٹنٹ گورنر بمبئی متحدہ کے خطوط میں باخوبی آخر الذکر دو خطوں کا اقتباس ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سر جان بیوٹ صاحب سابق

لفٹنٹ گورنر کی رائے

سر جان بیوٹ صاحب اپنے خط مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۱۷ء میں کہ لرنڈ پولیس برسٹن اسکوائر انگلستان سے انگریزی میں تحریر فرماتے ہیں

جبکہ ترجمہ یہ ہے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ مولانا سید کرامت حسین صاحب مرحوم کی نادقت وفات نے آپ کے دل کو کقدرتہ وبالا کر دیا ہوگا۔ مرحوم جیسی ذات تھے جنکی بڑی ہی وقعت میرے دل میں تھی آپ کو یاد ہوگا کہ میں ہی ہائیکورٹ کی جج کے لیے انکی سفارش کی تھی جیسا کہ آپ لکھتے ہیں وقت وہ ایک غیر معمولی شخص تھے اور انکے کمالات کی کوئی حد نہیں تھی اور وہ بیشمار

تشیقات سے متصف تھے۔

جناب نواب عماد الملک سید حسین صاحب بلگرامی
عماد الملک کی رائے

حیدر آباد دکن سے اپنے صحیفہ گرامی مورخہ ۲۲ اپریل
۱۹۱۷ء میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپکو مجھ سے پہلے یہ اندوہناک
خبر معلوم ہوئی ہوگی کہ ہمارے دوست سید کرامت حسین صاحب کا انتقال ہو گیا
مرحوم ہوتا ہے کہ دفعتاً نقطہ قلب کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ ہمارے وقت
کے ایک ایسے عظیم المرتبت زبان عربی کے عالم سے محروم ہو گئے جو مشرقی
عالم کے ساتھ مغربی عالم کے ماہر تھے۔

بہ صریح شیعہ کانفرنس اور ایجوکیشنل

تفریق رزولوشن اور تقریریں

کانفرنس بلکہ مختلف انجمنوں و رسالوں

نے مولانا مرحوم کے تفریق کے رزولوشن پاس کیے۔ ہر ایک کا ذکر اور
رزولوشن کی نقل بیان درج کرنا خالی از طوالت نہیں۔ یونیورسٹی کے
جلسوں میں اور دیگر مختلف علمی مجالس میں جس حسرتناک طور پر مرحوم کی یاد دہانی
انجمن سے خاص وہ تقریر ذیل میں درج کی جاتی ہے جو ہزار ہر مجلس مسکن صاحب
بیاد رشتہ گورنر صوبہ متحدہ اگرہ و اوڈہ نے بحیثیت چانسلر اور صدر نشین جلسہ
عظمتیہ و سناد (کنویشن) میں اپنی زبان سے فرمائی اور جسکی نقل اخبار
لیڈر الہ آباد سے اقتباس کر کے بصورت ترجمہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

سہالت العالیہ، سیکورٹ اور یونیورسٹی کے خدمات

مجلس مسکن کی رائے

میں سربراہ برٹ الین صاحب سابق جج ہائیکورٹ

کے ایک رفیق جو اسے بخیر راہی پیشتر جان بچت تسلیم ہوتا مولوی سید کرامت
حسین صاحب مرحوم تھے ہمارے گون گون کئے دلون میں انکی عزت بھی تھی اور محبت

بھی۔ یہ اپنے زبردست تقدس اور انکساری کے پیرایہ میں اپنے بھرمی کی وجہ سے جو عالم کا اسی لباس ہے ہم لوگوں کی نگاہوں میں بچہ عزیز تھے۔ اس سے بہتر کوئی طرز عمل نہیں جس طریقہ سے سفر حقہ عمر میں تمام متناہون کو بال سے طاق کر کے توسیع تعلیم ندوان کے لیے چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے صحیح صحیح مقصد میں پوری سرگرمی سے وہ منہمک ہو گئے تھے۔

جناب مولانا مرحوم کی وفات پر ملک کے مختلف مضمون نگاروں تعزیتی نظمیں اور شعرا نے مضامین، نظمیں اور قطعات تاریخ لکھے انہیں سے جو تاریخیں ملیں وہ حسب ذیل ہیں مولانا کی تعزیتی نظموں میں حضرت صفی و عزیز کی نظمیں خاص نقطہ نظر سے دیکھنے کے قابل ہیں جس کے شعراء نے مولانا کی سیرت پر شہی ان

از بیچہ فکر جناب لوی مرزا محمد باو یصنا عمر پھنوی

اسے دس دکھا کر امت آہ رسا ہیں
یہ آسمان فتنہ پرست و جنت اشوا
ما یوسینو نکا ساتھ کوئی دیکھتا ہے
گرہ شہین ہے زمانہ غدار کا گرہ
ناکامیوں پہ ضبط کیا حد ضبط تک
کر دیگی خاک قوت صبر آزما ہیں
بر باد کر کے دیکھئے کر تلبے کیا ہیں
ب مانگنا چڑھی ہے خد سے دعا ہیں
دیکھیں دکھائیگا ابھی کیا کیا خدا ہیں
اب دیکھنا یہ ہے کہ ملے کیا صلہ ہیں

جاتی ہے نجات تیرہ کی یہ ات یا نہیں

ہوتی بھی ہے تلافی مافات یا نہیں

جو خاک ہو گئے وہ سنور نیلے اب نہیں
وہ زندگی تھی ہے ٹھنڈی جو ہے دائمی
دلی ہزا ان سے کرے لہنگو لگر
جو نقش شکنے وہ ابھرنے کے اب نہیں
جو لوگ مر گئے ہیں وہ مرنے کے اب نہیں
باتیں کسی سے بزم میں کر نیلے اب نہیں

مر مر کے کاستارین جو ہر روز زندگی وہ نامراد موت سے ڈر تھکے اب نہیں

رہا ہے کیا قصائے الہی وہ چیرے

جواں دل کو دل سے زیادہ عزیز ہے

وہ سب کہان ہیں جنکے لیے دل اُداس ہے

جب حیات راس رخسار تبت اگر

ہر دم سفر میں ہیں غربت نے زمین کی

راکھوت حوادث اور ہزاروں عین

نا کامی خیاں ہے تقلیدِ غائب

نقش و نگار عالم امکان ندیدنی نہت

اب گفتگو سے ساختہ غن شندنی نہت

دل کو فریب خاک کی تعمیر نے دیا

تا چند، متحان مظالم پہ ہو سکوت

رہی نہ تھا دل اس غم بانگاہ کے

سے آرزوئے زیست شکایت بھی تھی

تنگدین کہلین چھٹے جو تعین کی قید سے

مہم بن اپنے پیکر خالی کو خاک کر

دامانِ زیست لوٹ ہیور سے پاک کر

جب لذت حیات نہ ہو پھر حیات کیا

ہر اک سخن ہو سب سلفہ آموز زندگی

ناخن وہ کیا کہ جس سے ندلی گرہلے

وہ چشمہ کیا کہ جس سے نہ سیراب ہو سکیں

چھٹکے نہوں فلک ستارے تو رات کیا

جس بات میں اثر نہو کوئی وہ بات کیا

عقدہ کشائے خلق تہوں جو وہ بات کیا

خس سے بچے نہ پیاس کیسی وہ ذات کیا

وہ خلق کیلئے ذکر نہ ہو جبکا بعد مرگ
وہ زمین نہ یاد کر کے جسے وہ صفات کیا

تھے ایسے کچھ نفوس ہمیں جنہاں
دل جنکا مثل شمع کے وقت گزرتھا

انکی نظیر کب ہے کسیکے خیال میں
اک ان میں ذات پاک کریم جس میں تھی
عالی صفات موسوی لاهل پاک ذات
طبع زہد نہ گوشت لون رہی ہزار
ذات اسکی تھی نمونہ اسلاف مستند
خود و نکو پیش کیجیے انکی مثال میں
نعمت تھی جو زمانہ قحط الرجال میں
فرد سرید زمرہ اہل کساں میں
پختہ رہا ہمیشہ وہ اپنے خیال میں
ما فی کا آئینہ نظر آتا تھا حال میں

مستقبل اب وہ شان کھاتا نہیں ہمیں
خواب نشاط بھی نظر آتا نہیں ہمیں

ہم میں جوتھی ہے آج وہ نعمت زمین میں
سرمایہ عروج ترا خاک میں ملا
نقص اللسان ہے جسے تھکر کی ایک نوج
وہ قلب مضحل وہ دماغ فلک مسیر
مرنے پہ بھی کیا نہ خیال منسروتی
پہن ہے اک خزانہ حکمت زمین میں
اے قوم دفن ہے تری عزت میں میں
صد حیف ہے وہ بکر ضاحت میں میں
اب خستہ تک رہیگا امانت زمین میں
خشت کھد ہے بالش حوت زمین میں

جب فرش خاک پر وہ گر نہایہ سو گیا

ڈرون میں جذب مادہ علم ہو گیا

فراد کا سبہ میں ہے جذب دلی نمان
علم و عمل رسالہ اخلاق سے بیان

۱۔ فقہ سان مولانا کی ایک زبردست تصنیف ہے۔

۲۔ غرور کا سبہ نورنا کا ایک رسالہ ہے۔

۳۔ طائر ندی ایک مشہور تصنیف ہے۔

لیڈز قس حضرت حامد حسین کا
 اک عمر تک رہا جو شریک مصنفات
 جسٹس تھا گو مزاج فقیرانہ تھا مگر
 جو فیصلہ کہ اُسے کیے ہائی کورٹ میں
 اک یادگار صحبت عداوتہاں
 ماتے تھے اس سے نقش لفت پارنگان
 کیا اسکے حسنِ ندیق کی دہراؤں ہستان
 بیشک نظیر اوہلی نہ لاسے گا سہان

قانون کو تھا ناز کہ اُسکا دماغ ہون

ایوانِ بزمِ عدس کا روشن چراغ ہون

بنائے دہرے کو چمکے کہیں مگر
 مشرق کے مدرسہ کا عظیم المثال دیب
 اخلاق میں طریقہ حسنِ سبق فلاسفہ
 بزمِ جان میں جو حکما کا شعا و ستار
 اب ایسے ہا کہاں نہیں آئیں گے نظر
 مغرب کی درگاہ کا اک خیرِ معتبر
 عادات میں نمونہ اسلافِ باخبر
 اُس سادگی خاص سے کی زندگی بسر
 ترک سکون کے جانبِ جنت کیا سفر
 پہونچے سنیتِ عمر جو دنیا کے ہم عدد

ہم دل شکستہ جسکو سمجھتے ہیں اب مزار

دل پر زمین بند کے ہے دلغ یادگار

اس عہد کا مصنف نامی نجستہ قال
 اصحابِ صحبت اسکے جلسے میں تنگدل
 اک شمعِ صبح گاہ تھی خاموش زندگی
 دنیا کماں رہی حرکت دلی جب کی
 جسکے مصنفات سے آراش کمال
 عالم کے دل سے پوچھیے اندازہ ملال
 دائم پسند اسکو رہا کبھی اعتدال
 باقی کماں رہا وہ عناصر کا اعتدال
 تاریخ سال فوت پر اب ختم کر مقال

نے آبِ لوح نام کرامت حسین ہے

فردوسِ اب مقام کرامت حسین ہے

سید رئیس متھلی مولانا صاحبِ مدد حسین صاحبِ علی بدستِ مقامہ جو مرحوم کے علم ہذا کو اپنے

تلمیحه فکر جناب مولوی کاظم حسین صاحب مدظلہ العالی

قطعه

علامہ یگانہ و نخست زمانہ مُرد
از مدح ماند عاجز و کاظم نوشت سال
خیر مجسم و بری از شتر و ششین بود
باہمت اہلستد کرامت حسین بود

۱۳۳۵ م

دیگر

نماند آئندہ نظیرش دین زمانہ نباشد
بیاب عیسوی و ہجری شین و فاقش
یعلم و حلم و سخا و کین و شلاق و مروت
از انتقال کرامت حسین صاحب ہجرت
برای ہجری کن ابتدا از لفظ کرامت
از انتقال بودید سنین سی

باب دوم

خصوصیات

اس باب میں مورثا سید کریمت حسین صاحب کے خصوصیات کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔
 ان کے تین بیٹے ہیں: کوکاب، پر تمام خصوصیات مورثا کے ہو، اولاد
 کے بعد بیٹے میں سید کریمت کے گھر و گھر کا ذکر سید تقی علی سے آچکا ہے
 اس کے بعد سید کریمت سے دینی و دنیوی بیٹے کی ذکر ہوگی لہذا اس سے قطع
 کر کے مورثا کے تین بیٹے کے متعلق چند لفظ ملتا ہوں۔

مورثا کی آخری نہایت سادہ موتی تھی سادہ مختصر اور خوش
 صورت۔
 بہت زیادہ تین بیٹے تھے: کوکاب، حسین، ادق سے ادق
 حسین کو اس زمانہ میں میان فرما دیا گیا کہ سامع کو سمجھنے میں کوئی دقت
 نہ آئے گی۔ تین بیٹوں کے بیچوں سے پتی تھری کو زینت دیتے جاتے تھے
 اس کے بعد حسین کو اس دھپسی پیدا ہوئی تھی اور بعض موقعوں پر ان
 کے ذرا لٹ بڑے لڑکوں پر سب انتہائی مہربانی تھی مورثا کا سب نسبت
 زیادہ سے زیادہ وہاں ہی رہتے تھے۔

مولانا کی تحریر بھی نہایت معنی خیز ہوتی تھی باوجود اختصار الفاظ و مطالب میں کمی نہ ہونا لائق مدح ہے اور اکثر موقعوں پر قابل و جید ہی الفاظ کو اپنے حقیقی معنوں میں استعمال کرتی تھی جسکی جگہ اور لفظ رکھنا جہاں نہیں تو دشوار تو ضرور تھا مثلاً دیانتہ فی العالمہ تین مختصر لفظ ہیں مگر معنی پر کھانا کرو تو کتہہ وسیع ہیں جو معاملہ ایک شخص سے دوسرا شخص کرے اور اسکو راستبازی سے پورا پورا ٹھیک ٹھیک کرے تو اسکو دیانتہ فی العالمہ کہیں گے۔ برخلاف اسکے اگر کوئی شخص معاملہ پورا پورا نہ کرے یا چھٹی طرح نہ کرے یا اذہمورا پھوڑ دے یا دقت پیر نہ کرے تو خیانتہ فی العالمہ ہوگی۔

تقریر و تحریر میں تسلسل و انتمات اور مناسبت الفاظ ایسے جو پہرین جو ایک تقریر و منشی کے لیے لازم ہیں یہ دونوں جناب مولانا میں کماحقہ موجود تھے۔ مولانا نے انگریزی الفاظ کے لیے بعض الفاظ وضع (دیکھو صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰ و ۲۵۱) سے میثاق مائے مثلاً ماحول۔ حرکت انقباضی۔ حرکت انبساطی۔ فرقہ کاربہ فاذہم خصوصاً مل لغرض مشترک وغیرہ۔ مولانا سے لوگ پوچھتے آتے تھے یا بذا یہ تحریر دریافت کرتے تھے کہ فلاں انگریزی لفظ کا ترجمہ کیا ہوگا۔ مولانا یا تو کوئی لفظ ترجمہ کر کے بتا دیتے تھے یا کوئی لفظ ایجاد فرما دیتے تھے اور سب اسلوب کر لیتے تھے۔ زبان اردو پر مولانا کا یہ بڑا احسان ہے۔

مولانا کی عقل سائب تھی۔ اس کے نہایت صحیح اور بہت بلند قاعمر عقل وغیرہ کرتے تھے انکا فہم ذکی انکا سا فطرہ نہایت زبردست اور انکا ذہن رسا انکا مذاق سلیم۔ انکی قوت فیصلہ قوی انکا تصور دور بین تھا وہ قیافہ سے اپنے لیے آدمی کو پرکھ لیتے تھے اور اکثر ٹھیک پرکھ لیتے تھے۔ انکی دونوں تعلیم پر فائز تھے جس قدر دقت کسب معاش سے بچا اور انکا کل سرمایہ

ہمکست ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کا کہ تو میں ترقی لیجیو کہ وہ ان
کے لیے ممکن ہے۔

یہ سب اہمیت رکھتے ہیں۔ روزمرہ کے کاموں کے لیے
یہ سب اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کا کہ تو میں ترقی لیجیو کہ وہ ان
کے لیے ممکن ہے۔

یہ سب اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کا کہ تو میں ترقی لیجیو کہ وہ ان
کے لیے ممکن ہے۔

پہلے سلام کرنے کا موقع کم دیتے تھے۔

مساوت ہر شخص سے ملاقات اور صاحب سلامت اور گفتگو میں عتدال کو ملحوظ رکھنا مولانا کی زندگی کا ایک ادنیٰ معمول تھا جس طرح ایک رئیس یا امیر سے معاف کر دیتے اور اوسکی تقسیم کے لیے اٹھتے اوسی طرح ایک غریب آدمی کے لیے بھی حتے کہ وہ طالب علم بھی جو مولانا سے پڑھنے آتے تھے اوسے بھی اوسی طور پر معاف کر دیتے اور تقسیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اسکا قبیلہ ہرش اس پاپہ پر تھا کہ مولانا اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز سے یکساں پیشہ رہتے تھے۔ وہ بادشاہ کے محل میں اور ایک فقیر کے چھوٹے میں ایک طرح آرام سے بسر کر سکتے تھے نہ وہ ان کے تکلفات اور خوش کر سکتے تھے نہ یہ ان کی لیے ناگلی و بے سرو سامانی انکو بے حیدہ کر سکتی تھی بلکہ تکلفات کو ناپسند کرتے تھے اور سادہ زندگی پر والہ و شیدا تھے۔

بے تعصبی مولانا میں مطلق تعصب نہ تھا ہر شخص کے معاملہ کو خواہ وہ عیسائی ہو۔ ہندو ہو۔ یہودی ہو۔ کسی مذہب و ملت کا ہو وہ انصاف کی نظر سے دیکھتے تھے اور سب کو نیک رائے دیتے تھے ایسے بے تعصب اور ہی خواہ ملک میں کم دیکھے ہیں۔

خوش اخلاقی شگفتہ روی اور خوش مذاقی کا یہ عالم تھا کہ سخت سے سخت بات سنا کر ہنس کے ٹال دیتے تھے مگر ایسے مہذب عنوان سے

ایسی ہر بات کا جواب بھی دیدیتے تھے کہ بات کہنے والا نہ سرفراز ہو جاتا بلکہ سخت پشیمان ہوتا تھا کہ کیوں ایسا کہا۔ ہر شخص سے نہایت مستند و پیشانی سے ملتے تھے۔ مولانا خوش مزاج اور شگفتہ طبیعت رکھتے تھے مزاج میں عالمانہ مزاج۔ باتوں میں خوش اخلاقی اور خوش مذاقی کی چاشنی سے ایک خاص

میں نے بھی خود ہی جانتا اور دوسروں کو بھی باتوں میں ہنس سنے رہتا تھا۔
 اس کے بعد میں سکونت آجاتا۔ جب کوئی ان کی باتوں میں دلچسپی پکڑتا تھا تو
 میرے ذہن سے اس کے روتھ پڑ جاتا۔ میں ان کی صحبت میں ہر روز جو کچھ
 دیکھتا تھا اس میں کچھ نہ تھا۔ ان کے مزاج اور خوش طبعی کا نولہ بچتا ہی نہ
 تھا۔ میری طبیعت میں کچھ نہ تھا۔ میں نے کبھی اپنے

باز عامہ نیرنگ رکھتا تھا مزاج اپنا

جو خون میں جوان بڑھتا تھا بڑا سا کونین رکھا

مورنا کر بیکر بات تھے تو پھر مٹتے نہ تھے۔ میں اس عادت سے
 بچوہلی واقف تھا اسی میں ہر وقت خیال رکھتا تھا کہ کوئی بات
 ایسی نہ ہو جو مورنا کو ناگوار یا ناپسندیدہ ہو۔ اور یہی وجہ تھی کہ موت
 اس سے ایسی دور تھی کہ نہ بے مثل ہو گئی۔

مورنا کے مزاج کا خاصہ تھا کہ ہر شخص سے نہایت بے تکلف اور
 سہجے میں اس کے ساتھ بات چیت کرتے تھے مگر اسی کے ساتھ کہ یہ بات
 نہ تھی کہ اس کا جواب نہ کرے میں مورنا سے بہ قسم کی باتیں کیا کرتا تھا
 اور سب سے دلچسپی لیتی تھی۔ تاکہ کسی قسم کا پرہیزگار نہیں کہ اس کے ساتھ
 وہ باتیں نہ کرے۔ اس کی سبب سے وہ غیہ کا استاد رہا۔ اگرچہ کوئی بات نہ
 نہایت شان ہو نہ نہایت پرکاشی۔ دل میں بھی نہ آتی تھی اور یہی کیفیت اس کے
 ساتھ تھی۔ وہ اس کی کہ اس کے دل میں مورنا کا وقار جاگزیں تھا۔

مورنا کی طبیعت نہایت صاف اور بے کینہ اور بے ریا تھی۔
 وہ اس کی صفائی کے لیے حد التزام رکھتے تھے جو مورنا
 نہایت پرہیزگار اور دل میں ذرا بھڑکتی نہ ہوتا تھا۔ طبیعت کو بہت پر

جانتے تھے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جو بات کسی کے سامنے نہ کہہ سکتے ہو اس کو پس پشت نہ کہو۔ اس صفائی طبیعت سے مختلف رنگ میں مختلف صفتیں مولانا میں پیدا ہو گئی تھیں۔ مزاج میں صفائی اور لغابت پسندی اس قدر تھی کہ ہر چیز کی صفات اور استہرا دیکھنا عادتاً خوب تھا ایک بار کا واقعہ ہے کہ مولانا میر سے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ میر سے ملازم (عبدالکریم عرف بدایہ کالر کا بقر عیدری جو بہت کم سن ہے آگیا اور کرسی پر میر سے برابر بیٹھ گیا۔ مولانا اپنے ہاتھ سے اس کو کھانا نکال کر پیٹ میں دینے لگے تھے اور خوش تھے۔ اسی اثناء میں اسے مٹر کی پیٹ میں اپنا میا کچلا ہاتھ ڈال دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر مولانا نے اس پیٹ سے مٹر نہیں لیے اور سب مٹر اس کو دے دیئے۔

مولانا کی عبارت سلیس ہوتی تھی مولانا نے جو مقدمہ تحریر فرمایا صاف گوئی ہے کہ وہ سلیس عربی عبارت میں ہے لیکن مضامین ایسے دقیق ہیں کہ ہر عربی دان کے لیے آسان نہیں کہ اس کے فلسفیانہ اور علمی نکات کو سمجھ سکے۔ ایک دن میر سید احمد خان صاحب نے فرمایا کہ مقدمہ کو سنائیے۔ مولانا نے سنایا جب میرید کل مقدمہ زالف تاتائے ترت سن چکے تو فرمایا تم مجھے آپ سے ایسا مقدمہ لکھا جو اب میں مولانا نے نہایت صفائی سے بلا کھا خانا ہری فرمایا "تعجب ہے آپ سمجھ گئے۔"

ایک دن کا ذکر ہے کہ جناب مکر می سید آل محمد صاحب سابق ذیلی کشمیر و تیر شرایٹ لاساکن شاہ کنج اگرہ نے میری موجودگی میں فرمایا کہ یہ بلکہ مقدمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا غلط۔ سید صاحب نے جواب دیا انھوں نے میری طرف اشارہ کر کے لکھا ہے۔ فرمایا کوئی لکھے غلط۔ درحقیقت مولانا نے صحیح فرمایا تھا

ملہ اللہ بہ حقہ لسان کا مقدمہ ہے۔ فقہ المذاہب میں جلدوں میں بہ مقدمہ کی پس بدست

اوسکی زیر دست مثال ملکی۔

صد اقت و راستی مولانا کی طبیعت کا جزو لا ینفک تھا۔

جہاں تک بچپن سے اسی وقت تک کے واقعات سننے کے لیے بہت مجھے برسوں کی صحبت میں ذاتی تجربہ ہوا۔ مولانا کا صادق الہی ہونا سب المثل ہے اور ان کی طرز معاشرت اور انکی زندگی کے مستحکم دستور عمل خود اس بات کے شاہد ہیں کہ سوا صد اقت اور راستی کے کوئی اور طرز عمل اختیار کرنا ان کے لیے ویسا ہی خلاف تھا جیسے آفتاب کا بجائے مشرق کے مغرب سے برآمد ہونا۔

یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ مولانا صرف اسی بات کا وعدہ

کرتے تھے جو وہ کر سکتے تھے۔ اُن کا قول اُن کے عمل سے برابر

مطابقت رہتا تھا۔ بات کے دھٹی تھے وہ کبھی کسی ناقابل عمل بات کا وعدہ

کرنے کے نہ تو عادی تھے نہ ایسی بات اُن کے خیال میں آتی تھی جو بات نہ کرنی

ہوتی تھی اور سکو ساف کہہ دیتے تھے مگر وعدہ کا ایفاء دم کے ساتھ و بستہ تھا

سید کرامت حسین صاحب کو پوری فکر رہتی تھی کہ جو کہیں وہ کریں اپنے

وعدہ کو صدق دل سے وفا کریں اسکے ساتھ وہ جانتے تھے کہ جو ارادی افعال

ایک آدمی اور دن کے لیے کر سکتا ہے اونکا شمار بہت ہی کم ہے اسکا اثر

بیرہ تھا کہ وہ کم گو تھے اور مشکل سے وعدہ کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر

قوال و افعال میں مطابقت کا لحاظ ہو تو سوا اسکے چارہ کیل ہے کہ آدمی کہ وہ

ان کے نزدیک تمام ارادی افعال میں وہ افعال سب پر مقدم تھے جنہ

زندگی موقوف ہو ایفلے وعدہ کی ہزار ہا مثالیں ہیں۔ اسی ترتیب سے باب

یت ایک زیر دست مثال موجود ہے۔

قناعت مولانا میں قناعت کی صفت جس پایہ پر تھی وہ سبق آموز بہت

گئے۔ مولانا کے زمانے اور اس سے ساٹھ یا ستر برس پہلے کے لوگ محض خوفِ خدا سے گناہوں سے بچتے تھے نہ کہ خوفِ قانون سے جہاں تک بحیثیت بشر جو یہ ممکن تھا گناہوں سے پرہیز کرتے تھے نہ اکاؤنٹ اس قدر دلیں تھا کہ اس وقت کے انگریزی قانون کی سمجھ میں نہیں آسکتا شاید اس واقعہ سے کچھ سمجھ میں آجائے۔ جناب مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ تعالیٰ رحمہ اللہ صبح کو بعد نماز صبح کے قرآن شریف و دعا سے پھر ابو حمزہ شمالی پڑھا کرتے تھے اور روز و قطار روٹے جاتے تھے کبھی دعا سے سحر ختم ہی نہیں ہوتی تھی حضرت مولانا حامد حسین بیہوش ہو جاتے تھے جب غش سے آنکھ کھلتی تھی تو آفتاب کو نکلا ہوا پاتے تھے پھر تو اس کے پڑھنے کا وقت باقی نہ رہتا تھا۔ سقدِ خوفِ خدا اس زمانہ کے لوگوں میں تھا اس قدر نہ سہی لیکن بہت سے مقدس لوگ اس زمانہ میں پائے جاتے تھے جو خدا سے ڈرتے تھے اور سچی اور پاک زندگی بسر کرتے تھے مولانا کرامت حسین صاحب نے گناہ کبیرہ سے بچنے کا جو عہد طفلی میں کیا تھا جیسا کہ باب اول میں مذکور ہے اسکو آخر عمر تک نباہ دیا۔

دیانت داری اور ایمان داری کی صفت کا صحیح مفہوم اور فی کے ایمان داری ساتھ مولانا پر جیسا اطلاق ہوتا ہے اسکی اور شاں مشکل سے دہونے سے ملے گی۔ قول و فعل اور برتاؤ اور نیت و خیال اور فکر معیشت اور تمام تعلقات سے جن سے انکی زندگی گھری ہوئی تھی۔ ایمان داری کا ثبوت بہم پہنچتا ہے جتنی نوکریاں انھوں نے کیں وہ پوری دیانت داری سے کیں تمام بندہ ملکیت میں انکی دیانت اور چاچی کے سکے جے میں باوجود اسکے کہ شرع محمدی میں مسلمہ طور پر ہندوستان میں وہ مستند عالم تھے مگر سب سڑی کے پیشہ میں انکی فروغ نہ ہونے کا سبب انکی سفائی و استیلازی اور ایمان داری تھی وہ اپنی

ملاقات احباب نعمت الہی عام لوگوں کی صحبت سے اونکو نفرت تھی لیکن خاص
 اور خالص دوستوں کی صحبت کو نعمت الہی جانتے
 تھے دوستی صرف اوس سے کر سکتے تھے جو جیسا و اخلاقاً و عقلاً صحیح ہو اور زمین
 کو کمال ہو۔ سرسبز سید محمود مرحوم نے ایک بار اوسے پوچھا کہ تم زندگی کیونکر بسر
 کرنا پسند کرتے ہو جواب دیا کہ ضروریات زیست سے جو وقت بچے اوسکے تین حصے
 کروں ایک حصہ کسب معاش میں صرف کروں دوسرا بندگان الہی کی نفع رسانی
 میں تیسرا دوستان خالص کی صحبت میں۔ چنانچہ مولانا کا شام کا وقت انکے
 دوستوں میں صرف ہوتا تھا۔ الہ آباد میں مکرئی جناب سید عبدالرؤف صاحب پیر
 ایٹ۔ جواب قائم مقام جج ہائیکورٹ میں اور مشفق سرسبز اسحاق خان صاحب
 پیرسرایٹ لہ آجائے تھے اور کبھی کبھی مشفق بن احمد صاحب پیرسرایٹ
 الہ آباد میں بدایون اور لکھنؤ میں مکرئی جناب سید آل محمد صاحب بہادر سی
 اہل۔ سابق ڈپٹی کمشنر پیرسرایٹ لا۔ اور میں اکثر جناب نواب شاہ زمان
 مرزا صاحب عرف نواب الحسن صاحب جناب نواب سجاد علی خان صاحب
 عرف اچھن صاحب میں بجا رہی بولہ اور کبھی کبھی جناب نواب شاہ عالم مرزا
 صاحب عرف اچھے نواب صاحب جناب سید احمد حسین عرف تنویر صاحب
 حکیم علی محمد صاحب۔ بناب نواب سید مسکری مرزا صاحب بہادر ملک لکھنؤ
 جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنؤ۔ بناب سید علی حسن خان صاحب
 بناب مرزا محمد پادوی صاحب عزیز۔ جناب نواب ہمایون مرزا عرف نواب
 چھبہن صاحب شریف لکھنؤ۔ مولانا کے سرست کی حد نہ تھی جب انکے
 میر بندہ دوست جناب مولوی کاظم حسین صاحب قبلہ مدظلہ شرفاء عربین تمام
 الہ آباد ان سے ملنے آتے تھے۔ اتفاق سے میں بھی اس زمانہ میں الہ آباد گیا تھا

پھر کیا تھا۔ ہر شب بے رات تھی ہر روز روزِ غمید۔ مولانا اس زندگی کو جسکا کوئی اصلی مقصد یا منشاء نہ ہو پسند نہ فرماتے تھے جب کسی ایسے شخص کا ذکر سنتے تھے یا خود ذکر کرتے تھے کہ جس نے کوئی کام اپنی زندگی میں نہ کیا ہو تو فرماتے ایسی مثال ہے جیسا اچھا تیر گھوڑا تھان پر سے کھل گیا ادھر دوڑا وہاں دوڑا آخر تک کر تھان پر آکھڑا ہوا۔ اس قدر دوڑ دھوپ کا نتیجہ کیا ہوا کچھ نہیں اسی طرح بے مقصد کی زندگی ہے۔ یہ اسپینج دنی وہ اسپینج دی۔ یہ تجویر پاس کی وہ تجویر پاس کی۔ اس جلسہ میں شریک اس جلسہ میں شریک۔ سالہا سال اپنی طرح گزر گئے زندگی یونہی ختم ہو گئی نتیجہ خاک نہیں۔

اپنی نسبت فرماتے تھے کہ میں نے وہ مشکل کام تعلیم نسوان (اپنے ذمہ لیا ہے کہ جسمین کا میانی دشوار در میری نسبت فرمایا کرتے تھے گو بہی کا جوین چھوین کیا مولانا بہت بڑے متواضع اور مہمان نواز تھے

تواضع و مہمانداری و خاطر داری

۵۰ سنہ عین جو سیدت آیا اوسکا زور کم ہو گیا بعد جب مولانا اپنے بنگلہ میں نوین دسویں روز آئے تو بنگلہ ناقابل قیام تھا دیوارین شق۔ سلیں بے انتہا۔ کین صین سے بیٹھ کر کام کرنے کا ٹھکانا نہ تھا اپنے سے کھانا بہزار مصیبت و خرابی بڑا بھلا نصیب ہو سکتا تھا اسی اثنا میں کہ نہان آگئے۔ جو زحمت تھی ظاہر ہے مگر مولانا نے اپنے دستور اہل کے موافق نہایت خندہ پیشانی سے مہمانی کے فرائض کو پورا کیا۔ مولانا کو تنہا کمرہ میں سوئے کی دت تھی۔ لیکن ہر خلاف اسکے ان دنوں جبکہ بنگلہ تیسرے درجہ کے وینک روم سے کین زیادہ ساتھ والوں اور مہمانوں سے بھرا ہوا تھا بلا تکلف سب میں مل جاکر بسر کرتے تھے اور جو کام ان دنوں تصنیف کا کرتے تھے برابر اس حالت میں اوتنا ہی کیا جتنا کہ شہابی میں جو انکو مزغوب تھی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ گرمی کے موسم میں مولانا کے چچی پائیورٹ کے زمانہ میں
 بین الدآباد گیا۔ موسم گرما میں سین پانی میں کیوڑہ ملا کر پتیا ہون مولانا سے کیوڑہ
 کی فرمائش کی فوراً منگوا دیا اسکے بعد سے جب لکھنؤ یا الہ آباد میں ان کے یہاں
 یہ سہ کر مانت گئے کیوڑہ میز پر رکھا ہوا دیکھا بات تو یہ ذرا سی ہے مگر سدا تک
 سر میرا سو ڈا اور پھر اتنا خیال۔

بعض نئے لوگ جو مولانا کے ساتھ کبھی کھانے میں شریک ہو جاتے
شرک لذائذ تھے اونکو حیرت ہوتی تھی کہ یہ کبے ہوئے شہر یا اس شہر کی اور
 اپنی بدوی ترکاریاں مولانا سے کیونکر کھائی جاتی ہیں چنانچہ ایک روز جب ان
 کو ہادی صاحب عزیز لکھنوی نے کھانے پر مولانا سے دریافت کیا کہ آپ جتنی
 کیونکر ہر روز کھاتے ہیں مولانا نے اُسکے جواب میں ہنس کر فرمایا حضرت ذوق کا
 تعلق تو صرف زبان تک ہے اسکے بعد نہ ہر غسل ایک حالت پر ہے ہر شہر
 پیسہ زون کا استعمال کیون نہ کیا جائے جو مفید ثابت ہو ہی میں صرف زبان کے
 ذائقہ کے لیے زندگی کیون تلخ کرے۔

مولانا کے اس فقرہ کا اوپر اتنا اثر پڑا کہ وہ بھی اُسے شلیم اور اس قسم کے اشیاء
 کا استعمال اکثر کرتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت اکثر انکو مولانا کے وہ الفاظ یاد
 یاد آ جاتے ہیں۔

مولانا میں باوجود انکسار و فروتنی کے خود داری حد درجہ کی تھی
خود داری جہاں وہ ایک معمولی اور غریب شخص سے ملنے اور باز دید کیلئے
 اسکے گھر پر پہنچتے تھے وہاں اگر کسی کے یہاں وہ گئے اور وہ باؤٹ
 کو نہ آیا چاہے کیسا ہی ذمی مرتبہ کیون نہ ہو تو پھر وہ اس سے ملنے نہیں جاتے
 تے ذہنی شہر اور کھشتک کے ساتھ اُن کا بھی برتاؤ تھا بلکہ ان سے

انفسران کے ساتھ بھی وہ اسی اصول کو ملحوظ رکھتے تھے۔

استقلال مولانا غور و فکر کر کے دل میں جو بات ٹھان لیتے تھے اس پر سختی سے ثابت قدم رہتے تھے وہ اپنے نیک ازادوں میں پہاڑ کی

سا باذن جھاکریلا خوف و تردید و مخالفت کا ہم کرتے تھے اور جب تک کسی

معتزل وجہ سے اونکو اپنے ارادہ کی غلطی کا یقین نہ ہو جاتا تھا جبکہ موقع شاذ و

نادر ہوتا تھا دنیا کی کوئی طاقت اونسکے ارادوں میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتی

تھی۔ ایک تعلیم نسوان میں سعی کی مثال اُنکے استقلال کا بین ثبوت ہے

پیش کی دشواریاں اور مخالفت کا سامنا ایک طرف اور انکا استقلال کیلئے

سورنامی عزت و تقدس پر بہت کچھ اور عجیب عجیب لفظوں میں

نسیر و نعل اسے گئے مگر مولانا نے ہمیشہ صبر سے کام لیا اور جملہ کرنے والے

خود پشیمان ہو کر کسی کے حلم کے لیے یہ سخت امتحانی وقت ہوتا ہے حقیقتاً

باوجود اقتدار و اختیار کے مولانا نے اکثر موقع پر جس صبر سے کام لیا وہ

قابل یادگار ہے۔ اسکی مثالیں اسلیے نہیں دی جاتیں کہ اب سکا ذکر کر چکے ہیں

عفو مولانا کے مزاج میں درگزر اور عفو بھی حد درجہ تھا۔ زندگی میں ہزار ہا

ایسے موقع پیش آئے کہ اگر وہ اپنے مخالفت سے بدلہ لینا چاہتے تو اسکو سخت

سے سخت نقصان پہونچا سکتے تھے مگر اُن کے دل میں کبھی بھولے سے انتقام

کانخیاں بھی نہ گذرتا تھا۔ اس ترجمہ کے باب دوم میں انجینی کے ایک

سرشتہ دار کا ذکر ہے جو مولانا کے خلاف کیا کیا کوششیں کرتا رہا اور جبکہ

قصور معاف کر دیا یہ تو ایک ادنیٰ بات تھی اس سے بڑے بڑے واقعات

ہیں جنکا اشارہ صبر و تحمل کے ضمن میں کیا گیا۔

محنت و ریاضت مولانا حد درجہ کے محنتی تھے اور محنت سے سخت شوق رکھتے

نادی کے ریاست کے مختلف عہدوں پر اور بھی کی حالت میں جس طرح سرحد
محنت و مشقت سے اونھوں نے کام کیا وہ انکی زندگی کا ایک کانہہ
تھ عمر تک انکا یہی حال تھا جس کام میں انکے جیسے تھے پھر دنیا و مافیہا کی
بھر نہ ہوتی تھی اور جب تک کام ختم نہ کر لیتے تھے خواب و غور خرم ہو جاتے
دیسنے والے لبراجاتے تھے مگر وہ کام کرتے کرتے مطلق نہ کھیراتے تھے۔ مولانا
انکی زندگی میں ہر کام میں کامیابی کا بڑا راز انکی یہی اعلیٰ صفت تھی۔

مولانا سید کریمت حسین صاحب کو جیسا انقباض
باقاعدہ اثر رکھنے کی عادت

وقت کا پورا خیال تھا ویسا ہی رفتہ رفتہ سب
چیزوں کو باقاعدہ و حفاظت سے رکھنے کا بھی پورا لحاظ تھا لندن سے
اپس آنے کے بعد انکی یہ حالت تھی کہ اپنے تعلق کی چیزوں میں ہر چیز کی
ایک جگہ مقہر تھی وہیں رکھی جاتی تھی دوسری جگہ نہیں ایک بار اسنے ایک
انگریز دوست نے اونسے لندن میں کہا تھا کہ چیزوں کے اپنے اپنے مقامات
رکھنے سے وقت کی کفایت ہوتی ہے اور حافظہ کو اذیت نہیں پہنچتی اس تقریر
نے اونپر خاص اثر کیا تھا اور وہ چیزوں کے باقاعدہ و باسیقہ رکھنے کے خواہ
ہوئے تھے بقاعدہ چیز رکھی ہو تو نہ صرف اونکو ناپسند ہوتا تھا بلکہ متبی
اذیت ہوتی تھی۔

چیزوں کو احتیاط سے رکھنے کو نہ بخس بلکہ
پیرہن کو بااحتیاط رکھنے کی عادت

سیقہ کی وجہ سے لازم ملتے تھے خیر
ایک اگرہ کی درمی جو ایک دوست نے انکو سٹوٹ گارٹن دی تھی وہ
اپس تھی یورپ کے سفر میں ونکے ساتھ تھی اس تمام مدت میں وہ صرف
تین بار دھوئی کے یہاں گئی ایک صاحب نے مولانا کو امرت حسین صاحب

لی غلبت میں آؤ گی بلا اجازت اوس درمی کو تین ماہ تک استعمال کیا اسوجہ
 سے صرف ایک جگہ رفو کرانے کی ضرورت پڑی ورنہ وہ دری پُرانی نہیں
 معلوم ہوتی تھی۔ اور اس رفو کا مولانا سید کریمت حسین صاحب کو بہت قلق تھا
 ۱۹۵۵ء میں جب مولانا سید کریمت حسین صاحب لندن سے ہندوستان
 آرہے تھے ریل اٹلی کے ملک سے گزری اور ریلوے اسٹیشن پر ایک میوہ
 فروش سے شفاؤ کاغذ کے لفافہ میں خریدے۔ اوس لفافہ میں ایک چیز کدلی
 تھی جو اوس طرح احتیاط سے رہی اور وہ لفافہ اسی خصوصیت کی وجہ سے مرنے
 دم تک اوس کے پاس رہا۔

اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا | مولانا سید کرامت حسین صاحب کو اپنے
نیک عادت اونھوں نے اپنے والد مرحوم سے سیکھی تھی آخر وقت تک وہ
اپنا بچہ بنا خود بچھا لیتے تھے۔ خود دلیا اوبال لیتے تھے برتن دھو کر دہی بنا لیتے
تھے۔ بنیائیں وغیرہ خود صابیون یا ریٹھے سے دھو لیتے تھے اور کہتے تھے کہ
ہر شخص کو ایسا ہی کرنا چاہیے اس سے تندرستی اچھی رہتی ہے اور کفایت
بھی ہے۔

شوق علم | شوق علم اب تک باقی تھا کہ طبیعت ہر طرف زیادہ مائل تھی کہ علی
فائدہ پہونچانا چاہیے اب بھی وہ فقہ اللسان کی تکمیل کی غرض سے
سریانی زبان کا مطالعہ کرتے تھے اور عبرانی کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ کرتا۔
مولانا ایک رنگ اور ایک وضع کے شخص تھے۔
رنگی اور وضعداری | وہ اپنے بچپن یا جوانی یا بڑھاپی کے مٹے والوں سے
لیکسان مٹتے تھے۔ جب پیر مٹتے یا جب حج سے یا بعد حج کے وہی ایک

طرز وی ایک وضع۔ انکامزاج قبی کی حالت میں بھی نہیں بدلاتھا۔ جو پہلے سے
وہی جب سے۔ خود فرما کر۔ سے اگر زار دوس بھی ہو جاؤں تھے بھی حراج
میں فرق نہ آئے جو اب ہوں رہی ہوں ابھر چکویہ اپنا شہر یاد آ گیا۔

چل اک روش پس تین۔ وہ گھٹین جو رنگ ہو نرزان میں وہی ہو بہار میں

وہ اپنے طالب علمی کے دوست مولوی محمد حسین صاحب سے جوابی زیات
میں اسی طرح ملتے تھے اور وہی خاطر و مدارات فرماتے تھے جیسے
پہلے جب وہ تشریف لاتے تھے وہی دعوت فرماتے تھے گھر میں سوا سے
بھوسی کی روٹی۔ ابالی ہونی ترکاری کے اور کیا کھا تھا۔ وقت ہوتا تو
کھانا پکواتے ورنہ بازار سے پیرمال۔ باقر خوانی وغیرہ منگواتے تھے اور
بہت محبت سے کھلاتے تھے۔

مولانا کی وضع داری اور بیکری کی ایک زبردست مثال باب اول میں ملیگی
یعنی آپ نے اپنے والد کے ترکہ کا سب روپیہ جو مقدار میں تین ہزار تھا
ایک شخص کو دیدیا اور اس کے پاس صرف اتنا ہی تھا اور بہ اعمار لوگوں سے کہا
کہ واپس لے کر ہمیشہ یہی جواب دیا کہ اب زور سے چکا۔

نواب لکھنٹ کو رنر بہادر سے نہ سیر کہ ان کو کسی مات میں مشورہ کے لیے لکھنو بلایا
اوس زمانہ میں کہ مولانا الہ آبادی کورٹ کے جج تھے غالباً ۱۹۰۹ء تھا
مولانا اسٹیشن سے سید سے گورنمنٹ ہوس تشریف لے گئے۔ بعد مشورہ
کے حضور مدوح نے انگریزی ہین فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمیں قیام فرمائیے
ریل الہ آباد جاسے یہاں ابھی دیر ہے مولانا نے جواب دیا میں ہمیشہ قیام حسار
در اقم انکروٹن کے یہاں کہتا ہوں اونھین کے یہاں ٹھہرون گا۔ چنانچہ گورنمنٹ
ہوس سے میری کوئی بر جو چینی بازار میں واقع ہے تشریف لائے اور ریل کے

وقت تک وہیں ٹھہرے۔ پکرنی اور پابندی وضع اسکو کہتے ہیں۔ تین اس زمانہ میں اسکو اکثر لوگ بیوقوفی کہتے ہیں۔

مولانا اپنے اصول و فکر کے بہت سختی سے پابند تھے جو امور پابندی اصول

مولانا کے اصول میں داخل تھے اسے مولانا کو کوئی قوت نہیں بٹا سکتی تھی اس دائرہ کے باہر تھی باتیں ہیں انکا ماننے والا اور بامعنی ماننے والا میں نے نہ دیکھا اور نہ سنا جو جس دوست نے کہہ دیا فوراً وہی کیا۔

چند سال ہوئے میرے مکان کی مرمت ہو رہی تھی اسباب و عمارت و دھڑا تھا مولانا لکھنؤ شریف لانے والے تھے ایک صاحب نے جو لکھنؤ میں رہتے اور مولانا سے مراسم رکھتے تھے مولانا کو لکھا کہ آپ میرے یہاں ٹھہریں مولانا نے انکو لکھا کہ حامد کے ساتھ چھوٹی پیر میں ٹھہرنا بادشاہ کے ساتھ محل میں ٹھہرنے سے کہیں بہتر ہے۔

مولانا وقت کی پابندی کا اس درجہ خیال کرتے تھے

پابندی اوقات کہ وقت مقرر ہے ایک سکندر اور دھڑا تھا

ایک بار لکھنؤ کے ایک جلسہ متعلق جنگ طلبانہ گریپ کے مولانا پریسیڈنٹ تھے۔ نواب رام پور کی آمد تھی مولانا سے کہا گیا کہ کارروائی جلسہ انتظار کر کے ڈالنا

ممدوح کے آنے پر شروع کیجئے۔ مگر مولانا نے نہ مانا اور پابندی وقت کے خلاف نہ کرنا چاہا اور بالآخر جلسہ کے پریسیڈنٹ نہ ہو سکے۔ مولانا پابندی وقت کی نسبت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ جس طرح پر ریل کے سفر کرنے میں اپنے کو پابندی وقت کا عادی کر لیا ہے

سی طرح ہر اپنے تمام کاموں میں پابند وقت کا اپنے کو عادی کر لیں۔

مولانا نے اپنی تمام عمر میں اپنے کسی عزیز و دوست کی بھی عادت پابندی وقت کے برتنے میں نہیں کی۔

طلب علم ہی کے عہد سے مولانا سید کرامت حسین صاحب کو ضبط اوقات کا خیال شروع ہو گیا تھا پڑھنے پڑھانے مطالعہ کرنے تصنیف میں مدد دینے کھانے ورزش کرنے غار پڑھنے سوئے وغیرہ سب کا وقت ایک حد تک مقرر تھا اتفاقی ضرورتیں کچھ فرق کر دیتی تھیں عمر و تجربہ و استقلال و پابندی وقت کی ضرورت جتنا ہی بڑھتی گئی اتنا ہی پابندی زیادہ ہوتی گئی ریاست باؤنی کے سپرنٹنڈنٹ ہونے کے بعد اوقات پابندی وقت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ گھڑی کا وقت ٹھیک ہو سکتا تھا جتنے لوگوں سے مولانا سید کرامت حسین صاحب کو سابقہ بیواؤں سب میں جسٹس سر رابرٹ ایلمن سے بہتر پابندی وقت اور پابندی وقت کا قدردان نہیں ملا اکثر وہ اجلاس میں ایسے وقت آتے تھے جب گھڑی بج رہی ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس ٹھیک وقت پر آئے گا تو دل سے پسند کرتا ہوں مولانا کرامت حسین صاحب کو بھی اتنا ہی پسند تھا مگر وہ کبھی کہتے نہ تھے۔

ایک بار سر جسٹس لاٹوش لڑکیوں کا مدرسہ ملاحظہ فرمانے گئے سارے پانچ بجے سے پہر کا وقت مقرر ہوا جسٹس سر رابرٹ ایلمن بھی ممبر چیف کیٹی سے جسٹس اپنے وقت سے ایک منٹ کے قریب پہلے پہنچے اور بلا انتظار جسٹس سر رابرٹ ایلمن داخل مدرسہ ہوئے ٹھیک وقت پر جسٹس سر رابرٹ ایلمن تشریف لائے اور جسٹس لاٹوش نے معذرت فرمائی کہ معاف فرمائیے میں ذرا وقت سے پہلے آیا جسٹس موصوف نے فرمایا جی ہاں سینیٹس تانیر پہلے ہی مولانا سید کرامت حسین صاحب کو وقت کی پابندی کی ایسی بختہ حادث ہو گئی تھی کہ جب وہ کسی ایسی مجلس میں مدعو ہوتے تھے تو حالانکہ یقین جانتے تھے کہ وقت پر آنا بیگوار ہے لوگ موجود نہ ہوں گے تاہم اونکی عادت اونکو بے چین کر دیتی تھی اور اپنے تجربہ کے خلاف سب گئے نہ رہ سکتے تھے یہ آداب زمین دو یک بار ایک مجلس میں مدعو ہوئے

ٹھیک اس وقت پر پہونچے وہاں کوئی مریض نہ تھا پانچ منٹ انتظار کر کے واپس آئے
واپسی کے وقت رادین سکرٹری صاحب سے ملاقات ہوئی بہت معذرت کی
فرمایا تشریف لیجئے فرمایا اب نہ جاؤں گا اور نہ آؤں گا۔

بار سٹری کے زمانہ میں ایک صدر اسٹے صاحب کی ایک بار دعوت کی وہ وقت
کے پابند نہ تھے جس وقت وہ اسے عرض کیا کہ دعوت ہے اوس وقت یہ بھی کہا کہ
جو وقت آپ پسند کریں مقرر کر دیں لیکن اس کے بعد ایک منٹ کا بھی انتظار نہ ہو گا
اور انتظار نہ کیا گو وہ دو منٹ بعد تشریف لائے مولانا سید کرامت حسین صاحب کہا
کر رہے تھے کہ جب کسی کے یہاں چند صاحبوں کی دعوت ہو تو جو یہاں دیر کرتا ہے
وہ اوروں کے ساتھ بڑی کٹاخی کرتا ہے۔

کام کو بالائے التزام کرینی مولانا سید کرامت حسین
بالا التزام کام کرنے کی عادت | صاحب میں ایسی خداداد قوت تھی جو بہت کم

پائی جاتی ہے یہ کہنا ہے جاہلوں کا کہ اپنی عمر میں انھوں نے جو کچھ کیا وہ اسی سحر کار
قوت کی برکت سے کیا جسمانی ورزش جو ششہائے شروع ہو گئی وہ آخر عمر تک
نیاہوی بڑھاپے میں مشقت کی ورزش ضرر کرنے کی وجہ سے نہیں کر سکتے تھے
تاہم چند بار ہاتھ پلا لیتے تھے ششہائے شروع سے پیادہ چلنا شروع کیا وہ آخر عمر تک
جاری رہا ششہائے شروع میں شیخ بانڈہ ضلع کوئٹہ میں روزانہ پانچ میل صبح کو چلنا شروع
کیا جب معلوم ہوا کہ ضرر کرتا ہے اس وقت کم کر دیا۔

تصفیفات حکیم آپس کو پڑھا تو روزانہ تیس سال پڑھا زبانی فیصلوں کے لکھانے کی
مشق کی تو روزانہ کل ممکن وقت چند رہا تاہم اس میں صرف کیا تسلیم
نسوان کی طرف جو ششہائے شروع سے توجہ کی تو مرتے دم تک اوس میں مصروف رہے
مولانا سید کرامت حسین صاحب جس مسئلہ پر اسے قلم کرتے تھے بہت ہی

غور اور فکر کے بعد تمام مالہ و ماعلیہ کو سوچ کر قائم کرتے تھے قائم کرنے کے بعد
اپنی رائے کو بدلنا بہت مشکل ہوتا تھا اگر کوئی کافی دلیل سے ثابت کر دے کہ اونکی
رائے غلط ہے تو اسکو بدل دیتے تھے سناہم سے سناہم تک تو یہ حالت
نہی کہ اونکی رائے سے جو شخص اختلاف کرے اسکو ناپسند کرتے تھے مگر وہ بہت
میں قانون حاصل کرنے اور بڑے بڑے اہل کمال سے ملنے اور اون کے
اختلافوں کو دیکھنے سے اور خود بھی تجربہ ہونے سے ناپسند کرنا جاتا رہا اپنی رائے
کی تائید میں دلیلیں تو بیان کرتے تھے مگر یقین کرتے تھے کہ مخالفت کو اپنی رائے
پر قائم رہنے کا اتنا ہی حق ہے جو مجھ کو اپنی رائے پر۔

قرض سے نفرت | قرض لینے کو برا جلدنتے تھے اور انھوں نے اپنی عمر بھر
بسمی کہ شاذ و نادر حالاتوں کے سوا قرض نہیں لیا۔

کفایت شعاری کی عادت | مولانا سید کرامت حسین صاحب نے رفتہ رفتہ کفایت
شعاری کو بہت ترقی دی تھی بھل مزاج میں کبھی نہ تھا
نہ اسراف لیکن اب تو یہ حالت تھی کہ ایک دانہ گندم کو بھی بیجا صرف کرنا اون کو
اگر ان ہوتا تھا اور بجا ہو تو جتنا اون کے امکان میں ہو صرف کرنا اچھا معلوم
ہوتا تھا۔

دنیا سے بے تعلقی | جناب آیۃ اللہ فردوس آباد سید حامد حسین صاحب
قبلہ کی برکت صحبت سے انھوں نے اپنے نفس کو ایسا

متراض کیا تھا کہ اس کے تمام جذبات اس کے ارادے کے مطیع ہو گئے تھے ناوقت
لوگ ہرگز نہیں جان سکتے تھے کہ اونکو کھانے کی لذت کا ادراک یا خوشبودار
بدبو کی جس یا حسن و قبح کا احساس یا علم و جبل میں فرق یا دیانت و نیانت
میں ایسا اختلاف نظر آتا تھا کہ اون اخلاقیات سے کسی چیز سے تعلقی ہی نہیں

بہادت ذہن و عدم حساس مجسم بنے۔ ان خاص لوگوں کو بھی خبر وہ اپنی جان مال
فدا کرنے کو دل سے آگاہ و رہتے تھے یہ پتہ نہ تھا تھا کہ انکو ہم سے محبت ہے
کہ نہیں۔

ادب و بشر، فیاضی کے اکثر و قیات بعض خاص خاص اشخاص کو
معاہدہ میں اور بیواؤں اور مستحقین کی حسب طرح خفیہ وہ امداد کرتے تھے
سکا اظہار میرے خیال میں نامناسب ہے کیونکہ مولانا مرحوم جس طرح خود غیور تھے
سی طرح وہ سکو برا جانتے تھے کہ کسی کے فیاضی کی شہرت کے بلیہ دوسرے
کی شہرت و شہرت کا پاس اور بحفاظت نہ کیا جائے جس طرح انکی اس صفت پر زندگی میں
پردہ خاموشی پڑا ہوا تھا اسکو میں اٹھانا نہیں چاہتا۔

مولانا سید کرامت حسین صاحب ابتدائ میں بقیہ القلب
بہر دی کی عادت تھے اور افراد کے ساتھ بہر دی کرنا اہلاد وہ ثواب کے
پسندیدہ تھا کوئی شخص بیمار ہو تو اپنے گھر اٹھالائیں تیمارداری کریں محتاج ہو تو گھر لا کر
کھانا کھلائیں یہاں رکھیں لیکن بقاضائے بشریت یہ چاہتے تھے کہ وہ شکر گزار ہو جب
بہت سی ایسی مثالیں پیش آئیں کہ بچائے شکر گذاری کے احسان فراموشی ہوئی
انہیں سمجھتے سوچتے مولانا سید کرامت حسین صاحب نے یہ اسے ایک مدت کے
بعد قائم کی کہ افراد پر احسان کرنے کے بدلے رفاہ عام کے کام کرنا بہتر ہے
مثلاً شفا خانہ بنانا، درسہ جاری کرنا، اسپین کام کرنے والے کو شکر گذاری کی تمنا
نہیں ہوتی، اور مستحق کو فائدہ پہونچنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے خیرات کا مستحق اپنی
راہے میں صرف وہی شخص تھا جو اپنے خاندان اور قوم کا رکن مفید تھا مگر گھانی
اسباب سے اعانت کا حاجت مند ہو گیا اور مالی مدد سے پھر خاندان اور قوم کا
سودمند رکن ہو جائیگا۔ وہ اسی مستحق کی مدد بہت خفیہ طور پر کرتے تھے اور

ایسی ہمدردی کی مثالوں کو بہت لوگ جانتے ہیں اسکا اظہار خلاف مصالحت ہے۔

غیر مستحق کی امداد سے پرہیز | ایک بار ایک صاحب جو تندرست تھے اچھا لباس پہنے تھے اپنے کو عرب بیان کرتے

تھے مولانا سید کریمت حسین صاحب سے مالی مدد مانگنے آئے دیر تک خیرات دینے کے فضائل اور اپنے کو مستحق ثابت کرنے کے دلائل بیان فرماتے رہے آخر میں مولانا نے کہا کہ میں جناب کو مستحق نہیں جانتا اور کچھ ندون گا عرب صاحب کو غصہ آیا اور فرمایا وہ خدا تجھ پر اور میرے باپ پر لعنت کرے تو ایسا کہتا ہے مولانا نے مسکرا کر کہا تشریف لیجائیے۔

۱۹۱۵ء میں جب دریائے گوتمی میں بیہوشی ہوئی | دوسروں کی امداد

مولانا شاہ نجف کے قریب سید علی اوسط صاحب بیرسٹر کے پھوس کے بنگلہ میں رہتے تھے۔ سید آل محمد صاحب سابق ڈپٹی کمشنر و بیرسٹر بھی ان کے ہمراہ فروکش تھے جب پانی بنگلہ کے قریب آیا مورانا نے مکان خالی کر دیا تمام اسباب بھیج دیا اور خود مع سید آل محمد صاحب امپریل ہوٹل میں تشریف لائے دفعہ سید مصطفیٰ حسین صاحب کا خیال آیا جو ابھی بنگلہ کے احاطہ میں مع اہل و عیال رہتے تھے۔ اسی خوفانی بارش اور سیلاب میں گرنے سے اس کو ل جا کر قیام کا بندہ و بست کر کے واپس آئے اور ان کو وہاں بچوا دیا۔ پھر سید علی اوسط صاحب کی کوٹھی میں پانی چڑھا ہوا دیکھ کر نفیس نفیس خود پانچ جامہ کے پانچ چڑھا کے منہولی مزدور و ٹکی طرح ان کے یہاں سے اسباب نکلا دیا جب فراغت پائی اس وقت اپنے اسباب کو گھر سے اس کو ل پہنچانے کے لیے خدمت گاروں کو حکم دے کر خود امپریل ہوٹل تشریف لے گئے۔

یہ بات ایک دنیا جانتی ہے کہ سب سے بڑی
ایشاور ورفاہ عام و عالی ہوتی

بشار کی مثال یہ ہے کہ اپنی عمر بھر کی کمائی لکھی لاکھ
روپیہ مولانا مرحوم نے مسلم برلن اسکول لکھنؤ کو نذر کر دئے۔ خود فقیرانہ زندگی تکلیف
و مشرت سے بسر کرتے رہے۔ اپنا وقت اور اپنی ساری قوت اور بہت اسی سکول
کی ترقی اور توسیع میں چپکے چپکے لوجہ اندہ آخر دم تک صرف فرمائی خود سبے تکلیف
دوسروں کو خدمت خالق کے لیے ترغیب دیتے تھے اور اپنا بنگلہ احباب اور
صحابہ کی راحت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اور اپنے اوپر تکلیف اور مشاکر
دور و نکور راحت پہنچانے میں ہمیشہ خوش رہتے تھے بعض اوقات یہ دیکھا
گیا ہے کہ خشک روٹی کے ٹکڑے خود پانی میں بھگو کر کھاتے تھے اور سیر
دن گزار دیتے تھے مگر دوسروں کو بھی تکلیف نہ دیتے تھے نہ

سفر ارش کرنا وہ بہت ناپسند کرتے تھے اونکی
سفر ارش سے حذر

راستے میں سفر ارش کرنا اور بھیک مانگنا برا سمجھتا
صرف اس شخص سے وہ سفر ارش کرتے تھے جسکی نسبت اونکو بھروسہ ہوتا
تھا کہ وہ انکی سفر ارش کو بر غبت پورا کرے گا۔ چند سفار شین جو اونھوں نے
اپنی عمر میں کہیں لیکن انکو جب یاد کیا اسوقت متاذی ہوئے اور رشتہ کی کہ کاش
نہ کی ہوتیں۔

مولانا اس قدر غیور تھے کہ دوسرے کے احسان سے
شکر احسان۔

ہمیشہ بچتے رہے انکی غیرت کا ذکر یہ کہ مقام پراچکا ہے
وہ حاص اسباب سے کسی خاص وقت پر اظہار ضرورت فرما سکتے تھے لیکن شاذ
مثلاً روپیہ کی ضرورت ہو تو قرض لیتے تھے اور جس دن کا وعدہ فرماتے تھے
اوسی دن ادا کر دیتے تھے۔ ایک دن ایک گھنٹہ بلکہ ایک منٹ کی بھی تاخیر

نہیں ہوتی تھی۔

منو دے نفرت

اور

اخفائے صفات

مولانا دنیا کی نمود و نمائش کو نظر تحقیر سے دیکھتے تھے۔
لافت و گراف و ظاہر داری کو بھدنا پسند کرتے تھے۔
اپنے کمالات و معلومات کا اظہار بھی مطلق نہ فرماتے
تھے بلکہ چھپاتے تھے۔ ایک دن کچھ ڈاکٹری کا ذکر آگیا

مولانا نے بہت سی ادویہ اور بیماریوں کے نام لے ڈالے مین نے پوچھا
کہ آپ نے ڈاکٹری بھی پڑھی ہے فرمایا ہاں اسی طرح علم کیمیا کے نسبت دو سال کے بعد تذکرہ
ہوا علم کیمیا میں غیر معمولی معلومات دیکھ کر مین نے کہا مولانا آپ نے اس علم کو بھی
پڑھ لیا ہے فرمایا ہاں ہاں مین نے کہا کہ مولانا جس دن ڈاکٹری کا ذکر تھا
اوس دن آپ نے نہ فرمایا کہ کیمیا بھی جانتا ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ سب تنگی
بات مین نے عزائم کی تھی۔ مولانا ہنس پڑے۔ غرض میری اس سے یہ ہے
کہ جس قدر علوم و فنون سے مولانا واقف تھے وہ سب مجھ سے دوست کو بھی معلوم
نہیں۔ ناظرین کو یہ پڑھ کر تعجب ہو گا لیکن یہ واقعہ ہے کہ باوجود اس قدر
ملاقات و دوستی کے ۱۹۱۶ء کے آخر یعنی مولانا کے انتقال سے چند ماہ قبل
تک مجھ سے دوست کو بھی نہ معلوم ہوا کہ مولانا نہایت اچھا سیٹے تھے۔ پچوس واسے
بنگلہ کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے رفو کر رہے تھے کہ مین جا پہنچا۔ مین نے
کہا کہ مولانا آج آپ کو پکڑ لیا مجھ سے آپ نے آج تک چھپایا کہ آپ درزی بھی ہیں
مولانا ہنس پڑے۔ یہ کہہ مین نے رفو کو دیکھا۔ نہایت چھارہ نو کیا تھا۔
ان مشاؤون کے اظہار سے اس علوفنس کا پتہ چلتا ہے کہ مولانا باوجود ان کمالات
کے کس قدر بے نفس تھے اگر اتفاقاً ان کمالات کا علم یوں نہ ہو جاتا تو کوئی یہ بھی
نہ جانتا کہ وہ یہ جہتیں ہیں۔

ایک دن ایک مشہور و معروف ایرانی جنکی عربیت بھی اچھی تھی مولانا سے ملنے آئے
 اشتباہے گفتگو میں مولانا کو اس امر کی ضرورت واقع ہوئی کہ وہ ایک عربی کتاب
 سے چند فقرے پڑھیں۔ مولانا نے فقرے پڑھئے۔ جب پڑھ چکے ایرانی صاحب
 نے فرمایا۔ آپ بہت صحیح عربی پڑھتے ہیں یہ بات ایسی ہی ہے کہ کوئی جان مارنے
 سے کہے دو آپ انگریزی صحیح پڑھتے ہیں، مولانا نے کچھ جواب نہ دیا۔ دہلی
 زبان سے بھی یہ کہنا محال تھا "میں عربی جانتا ہوں اور عربی لکھتا ہوں"۔

اپنی معلومات اور صفات و عیال کو اخفا کرنے کی یہ حد تھی کہ بجائے گندم نہائی
 و جو فروشی کے جو نمائی اور گندم فروشی ہو گئی تھی۔ اون کے ایک خاص دوست
 نے اونسے ایک بار پوچھا کہ مجھ کو تم سے کیا امید رکھنا چاہیے جس زمانہ میں یہ
 سوال کیا تھا اس زمانہ میں مولانا اپنی جان و مال کے پیشکش کرنے کو راحت
 جانتے تھے مگر جواب یہ دیا کہ اگر میرے پاس میری تمام ضرورتوں سے فاضل
 روپیہ ہو اور آپ نان شبینہ کو محتاج ہوں تو آپ مطمئن رہیں کہ میں نان شبینہ
 ضرور دوں گا اس حالت کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ اپنے اقارب و احباب کے ساتھ اپنے
 فرائض محض فرضی جہانگردا کرتے تھے اس میں احساس اور محبت کی بونہ ہوتی تھی
 اور اسیانایہ اخفا دینے اور اپنے اقارب و احباب کو بدگمان کر دیتا تھا۔

باوجود غیر معمولی کمالات اور معلومات کے مولانا کی انکسار کا ثبوت
 اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے عظیم سیلاب ۱۹۱۵ء میں

جب مولانا میرل ہوٹل میں اٹھ گئے تھے میں اُن سے ملنے گیا تو مولانا نے اپنا
 لکھا ہوا ایک انگریزی مضمون مجھے دیا کہ سے تم دیکھ دو۔ بھگویا وہ ہے وہ کون
 مضمون تھا لیکن یہاں صرف اس قدر اشارہ کافی ہے۔ کچھ طبیعت اچھی نہ تھی
 پھر مولانا کا لکھا ہوا مضمون سہری بطور پردہ لکھنا کہ میں نے واپس کیا۔

مولانا نے دیکھا فرمایا ابھی طرح نہیں دیکھا پھر دیکھا اور خوب غور سے دیکھا نشانات
 تحریر (کامایہ) کو لیں۔ کو لیں۔ فلٹاپ تاک دیکھ کر جیلینے مناسب جانا اپنی پسند سے
 بنا دیا۔ مولانا نہایت خوش ہوئے فرمایا اب دیکھا ہے۔ اس زمانہ میں لوگ
 کہہ تو دیتے ہیں کہ بنظر اصلاح ملاحظہ ہو لیکن اصلاح ناگوار طبع ہوتی ہے اور بڑا
 ملتے ہیں مگر مولانا کو دیکھئے کہ باوجود اس قدر کمال کے مجھ سے بھی چھڑان کو بھی بڑے
 اصلاح مضمون دکھانے میں انھوں نے عار نہ سمجھا حالانکہ ان کے علم اور انگریزی
 ادب کا سکھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس مثال سے مجھے اپنی حسن طبیعت دکھانا نہیں ہے
 بلکہ مولانا کے انکسار کا اظہار مقصود ہے جس کا صحیح صحیح احساس میرے دل نے
 کیا اور اس سے زیادہ موثر اور قابل یقین مثال مجھے انکسار کی نہیں ملی اور نہ مل سکتی
 خلاق محمدی کا نمونہ | مولانا کی سیرت اور اخلاق کا بیان جہاں جس طرح ہو سکا کیا گیا حقیقت
 یہ ہے کہ مولانا کی زندگی سیرت و اخلاق میں بحیثیت مجموعی اخلاق
 محمدی کا نمونہ تھی۔ سیرت و اخلاق کے بیان میں جن باتوں کو کتابوں میں دیکھ لینا اس کو
 عملی صورت میں مولانا کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس سے مختصر لفظوں میں
 ان کے سیرت کا نقشہ کھینچ کر نہیں دکھا سکتا کہ مولانا خلاق محمدی کے تاسی کا سراپا نمونہ
 بن گئے تھے۔ اور قول اور عمل سے انھوں نے دنیا میں سکا ثبوت دیدیا اور
 آخر دم تک اس کو نباہ گئے اور دنیا میں ایک یادگار اثر چھوڑ گئے جو ان کے یاد کے ساتھ
 ہمیشہ یاد رکھا اور دلوں کو تر پاتا رہے گا۔

نتیجہ | مولانا کے ترجمہ میں جو کچھ درج ہوا ہے اس سے یہ گمان ہرگز نہ ہو کہ وہ
 فرشتہ یا معصوم تھے۔ وہ انسان تھے اور منظرہ عن الخطا ہرگز نہ تھے جہاں
 ان میں خوبیاں تھیں وہاں چند بُرائیاں بھی تھیں۔ لیکن اوں کا پردہ فاش کرنے سے
 ان کے ترجمہ بڑے نے والوں کو کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔ محاسن کے بیان سے تو امید ہے

اگر کوئی ہوتا تو مسلمان مولانا کی تقلید کرے اور قوم کو نافع ہو مگر معاصی کے
 بیان سے کوئی جاہل نہیں۔ بڑی ضرورت آدمیوں کے عیبوں کے جاننے
 کی یہ ہوتی ہے کہ جو شخص ان سے معاملہ کرنا چاہے وہ ان کے عیبوں سے آگاہ
 ہو اور ان آدمیوں سے بچتا رہے۔

اب کسی کو مورثانہ سے معاملہ کرنا نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت باقی ہے کہ
 ان کے عیبوں اور برائیوں سے آگاہ ہی ہو اس لیے ان کے بیان کرنے
 سے درگزر کرتا ہوں۔

کہ کوئی ہو نہ اس سالان مولانا کی تقلید کرے اور قوم کو نافع ہو مگر معائب کے
بیان سے کوئی حاصل نہیں بڑی ضرورت آدمیوں کے عیبوں کے جاننے
کی یہ ہوتی ہے کہ جو شخص ان سے معاملہ کرنا چاہے وہ ان کے عیبوں سے آگاہ
ہو اور ان آدمیوں سے بچا رہے۔

اب کسی کو موریانہ سے معاملہ کرنا نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت باقی ہے کہ
ان کے عیبوں اور برائیوں سے بگاڑی ہو اس لیے ان کے بیان کرنے
سے درگزر کرتا ہوں۔

ضمیمہ (۱)

یہ تاریخ جناب مفتی میر محمد عباس صاحب قبلہ اہل اللہ مقامہ نے فرمائی ہے

تاریخ کیا ہے اعجاز ہے اتفاقاً کہ بین درج ہونے سے رہی۔

یافت زحج و زیارت شریف عبادین بھیمان دشت دگر بارہ ممتاز زمین

لغت نیست کہ در عزم زیارت جاناد بود از بسکہ دلش عاشق بانبا زمین

دشت امسال سر حائر و دگر دجلہ در بے اوج دشت شریف در آفاق زمین

تسمیہ آن تاریخ چو آن کتار دشت

قبر جنت شد و آباد با عجا حنین

۸۶۲ھ

مکتوب
مکتوب

My dear friend
I feel deeply grateful
you have done
what I was feeling
was needed you would
do

Now lefty edwards
has only some
as a guide. but can
not be replaced.

Respectfully yours
Kornel Thorne

37. 1911

سید کاظمی صاحب

۱۰
 ۹
 ۸
 ۷
 ۶
 ۵
 ۴
 ۳
 ۲
 ۱

1
 2
 3
 4
 5
 6
 7
 8
 9
 10
 11
 12
 13
 14
 15
 16
 17
 18
 19
 20
 21
 22
 23
 24
 25
 26
 27
 28
 29
 30
 31
 32
 33
 34
 35
 36
 37
 38
 39
 40
 41
 42
 43
 44
 45
 46
 47
 48
 49
 50
 51
 52
 53
 54
 55
 56
 57
 58
 59
 60
 61
 62
 63
 64
 65
 66
 67
 68
 69
 70
 71
 72
 73
 74
 75
 76
 77
 78
 79
 80
 81
 82
 83
 84
 85
 86
 87
 88
 89
 90
 91
 92
 93
 94
 95
 96
 97
 98
 99
 100
 101
 102
 103
 104
 105
 106
 107
 108
 109
 110
 111
 112
 113
 114
 115
 116
 117
 118
 119
 120
 121
 122
 123
 124
 125
 126
 127
 128
 129
 130
 131
 132
 133
 134
 135
 136
 137
 138
 139
 140
 141
 142
 143
 144
 145
 146
 147
 148
 149
 150
 151
 152
 153
 154
 155
 156
 157
 158
 159
 160
 161
 162
 163
 164
 165
 166
 167
 168
 169
 170
 171
 172
 173
 174
 175
 176
 177
 178
 179
 180
 181
 182
 183
 184
 185
 186
 187
 188
 189
 190
 191
 192
 193
 194
 195
 196
 197
 198
 199
 200
 201
 202
 203
 204
 205
 206
 207
 208
 209
 210
 211
 212
 213
 214
 215
 216
 217
 218
 219
 220
 221
 222
 223
 224
 225
 226
 227
 228
 229
 230
 231
 232
 233
 234
 235
 236
 237
 238
 239
 240
 241
 242
 243
 244
 245
 246
 247
 248
 249
 250
 251
 252
 253
 254
 255
 256
 257
 258
 259
 260
 261
 262
 263
 264
 265
 266
 267
 268
 269
 270
 271
 272
 273
 274
 275
 276
 277
 278
 279
 280
 281
 282
 283
 284
 285
 286
 287
 288
 289
 290
 291
 292
 293
 294
 295
 296
 297
 298
 299
 300
 301
 302
 303
 304
 305
 306
 307
 308
 309
 310
 311
 312
 313
 314
 315
 316
 317
 318
 319
 320
 321
 322
 323
 324
 325
 326
 327
 328
 329
 330
 331
 332
 333
 334
 335
 336
 337
 338
 339
 340
 341
 342
 343
 344
 345
 346
 347
 348
 349
 350
 351
 352
 353
 354
 355
 356
 357
 358
 359
 360
 361
 362
 363
 364
 365
 366
 367
 368
 369
 370
 371
 372
 373
 374
 375
 376
 377
 378
 379
 380
 381
 382
 383
 384
 385
 386
 387
 388
 389
 390
 391
 392
 393
 394
 395
 396
 397
 398
 399
 400
 401
 402
 403
 404
 405
 406
 407
 408
 409
 410
 411
 412
 413
 414
 415
 416
 417
 418
 419
 420
 421
 422
 423
 424
 425
 426
 427
 428
 429
 430
 431
 432
 433
 434
 435
 436
 437
 438
 439
 440
 441
 442
 443
 444
 445
 446
 447
 448
 449
 450
 451
 452
 453
 454
 455
 456
 457
 458
 459
 460
 461
 462
 463
 464
 465
 466
 467
 468
 469
 470
 471
 472
 473
 474
 475
 476
 477
 478
 479
 480
 481
 482
 483
 484
 485
 486
 487
 488
 489
 490
 491
 492
 493
 494
 495
 496
 497
 498
 499
 500
 501
 502
 503
 504
 505
 506
 507
 508
 509
 510
 511
 512
 513
 514
 515
 516
 517
 518
 519
 520
 521
 522
 523
 524
 525

آٹا پختہ رہے وہیں جناب مکرمی نواب سید عسکری مرزا خان پختہ
 امیر فوج بنے وہیں بہ بلوغت فرمائی بہت دیر میں وصول ہوئی۔

مگر بھی اس کے واسطے ہر طرح چہین ہے
جنت کہ خواہگا ہر امت کے ساتھ

دینے والے کو سزا ہے اور اگر کسی نے سزا کا مرتبہ
کو عبور کر لیا تو اسے سزا کا مرتبہ بلوغ



یہ خط بنام مولف سہتہ۔ بخندہ۔ د۔ ج کیا جاتا ہے۔

مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ مدظلہ

محقق ہندی مجتہد العصر

رکاب گنج لکھنؤ

۲۰ اگست ۱۹۱۹ء

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت وال

میں جناب مولانا سید کرامت حسین صاحب مرحوم کو بہت دُور سے جانتا ہوں

جس نے مائتھن عراق عرب میں تکمیل علوم عربیہ میں پیشواں تھا اس وقت سے میں نے اس کا

تذکرہ سنا تھا اور میرے دل میں اس کے بارے میں خیال پیدا ہوا تھا اور جب تک میں اپنے

دوست اور مخالفین دست انزہیل خواجہ غلام ثقلین صاحب مرحوم سے۔ اسے۔ ایل ایل

بی سے عراق میں اپنی اعلیٰ قابلیت علوم مشرقیہ و مغربیہ کا حال سنا اس وقت سے

مجھے اسے شرف نیاز حاصل کرنے کا خیال بدرجہ اشتیاق پہنچ گیا تھا۔

حسب التعلیل یہ کہ اس وقت میں

(اچھے آدمیوں کو میں دوست رکھتا ہوں شاید صرف ابھل کو بھی اچھا بنا دے)

یہ ہشتیا فرہار موسم بہار کے ایک خوشگوار دین پورا ہوا جبکہ میں بعد تکمیل علوم مغربیہ

ہندوستان واپس آیا اور لکھنؤ قیصر باغ سرزاجہ صاحب بہادر نے خود آباد کے

لوگوں میں مقیم تھا اور مولانا مرحوم پاسے کو رہتا تھا۔ لیکن وہ کسی کام سے لکھنؤ آئے

اور میرے صاحب بہادر کی ملاقات کی غرض سے قیصر باغ بھی تشریف لائے۔

اور میں بھی راجہ صاحب کی خدمت میں گیا کہ شہسوارانِ مہم کو کوئی تعارف نہ تھا اور نہ
میں انکو پہچانتا تھا جب میں کمرہ نشین بن کر پہنچا تو سو وقت بعد وہ انحضرت کے جنکو
میں سے بہت قریب تھے ایک دوسرے سے بدن کے بہر فام صاحب کو کوٹ پتوں اور یزنی کلا
پہنے ہوئے دیکھ کر وہاں تھوڑے کا چوکا تھا وہ منہ پر چہ صاحب بہادر کی طرف کئے اور میر
شکائے ہوئے بیٹھے تھے اور سوائے انکی پس پشت اور کوئی جگہ خالی نہ تھی جہاں میں بیٹھا
میں ان کی پشت کی طرف بیٹھنے کا ہتھیار کیا ایک یہ وہ میری طرف چہرہ پر فوراً اٹھکڑے
ہوئے اور اپنی پشت کی جانب نہ بیٹھ پر کمال اصرار کیا اور جیسا کہ میں نے طرف سے بیٹھ گیا تو وہ
اکثر سے ہو کر بیٹھنا چاہتے تھے لیکن اس جانب انکی پشت میری طرف ہوتی تھی اور دوسری جانب
جو وہ بیٹھنا چاہتے تھے تو میرا راجہ صاحب بہادر کی طرف پشت ہونے کا یقین انکو بیٹھنے سے
مانع ہوتا تھا اسوجہ سے وہ کھڑے رہے لیکن میرا راجہ صاحب نے مجھ پر اخلاق میں یہ دیکھ کر
فوراً کرسی لاسنے کا حکم دیا اور جب کرسی آئی تو فرمایا اور حضور آپ یہاں اب ہم سے تشریف
رکھیں گے

یہ اخلاقی وصف ایسا تھا جس نے میرے دل پر ایسا اثر کیا کہ جسکا انداز محیطہ تقریر سے غزون
اور احاطہ تقریر سے بیرون ہے کیونکہ اس قسم کے لباس کا تلبس فرنگی مآب اور مجھ ایسے
شخص کو جو کہ سر سے پیر تک خالص عربی لباس و عادات کا پیکر و صحیح علماء مستشرقین کا
نمونہ لباس سے اسکا خلق پھر مستزاد بران کے تعارف بھی نہیں۔ میں نے کہا ان ہوا ملائکہ کے مقرر
(یہ کوئی دوسری دنیا کا بزرگ معلوم ہوتا ہے) میں اسی اثر سے متاثر ہو رہا تھا
اور یہ حتی قصد کر لیا تھا کہ اگرچہ میں اسے بالکل نا بلد ہوں لیکن میں خود بذاتہ تعارف
حاصل کرونگا اتنے میں صحبت پر خواہست ہونی میں آہستہ کسی سے پوچھا یہ کون ہیں
جواب ملا ہوا ناسید کرامت حسین حج کاٹیکورٹ ماہ پس اس جاب سے خوشی کی
وجہ سے بھلی کی نئی لہر میری جسم بہر میں دوڑ گئی اور خوشی سے میں پھولوں نہ سہا یا پھر

لئے احمد پراچین سے کہ خاطر میخو است
احمد پراچین سے کہ خاطر میخو است

وہ میں خود انکی طرف بڑھا اور میں نے اسے تعارف پیدا کیا۔ اس واقعہ کے بعد

جب وہ لکھنؤ میں آئے تھے تو میں اپنا تقریباً تمام وقت انکی صحبت میں صرف کرتا تھا

وہ جب وہ لکھنؤ میں مقیم ہوئے تو پھر میں جن جگہ میں وہ کرایہ پر رہتے تھے رہنے

لگا صرف کھانے اور سونے کے وقت تقریباً باغ میں ہوتا تھا۔ رات ہی جدائی میں بھی انکو

بغیر میرے اور مجھے بغیر انکے آرام و نقا۔ اور جب تک میں اسٹاپس رہتا تھا ہمیشہ

علمی مباحثات اور مکالمات رہا کرتے تھے اور مختلف موضوعات پر گفتگو یا کرتی تھی

کبھی فلسفہ کے عمیق مباحثہ کبھی ادب کی دلچسپ گفتگو کبھی سیاست کے دقیق رموز کی

موشگافی رہتی تھی کبھی وہ مجکو مقدمہ کے اجزاء پڑھ کر نام لے کر لے کر جو انکی عربی و

قابلیت کی اعلیٰ مستند کتاب ہے اور کبھی میں انکو اپنا سب سے بڑا رسالہ نوز الہیاد فی

نقل المونی عن نوز الہیاد جسکو میں نے عربی میں عراق میں لکھا تھا سنایا کرتا تھا۔

انہیں ایام میں میں انہم۔ اسے ابو کالج علی گڑھ میں ملازم ہو گیا اور جب میں ہان گیا

تو مولانا کی مفارقت نہایت مولم ہوئی لیکن خطوط ہفتہ میں ۱۰ مرتبہ آتے تھے بلکہ اگر

ضرورت ہوتی تھی تو اس سے جلد ہی بھی خط آیا کرتے۔ علاوہ میں جناب میجر حسین

صاحب مرحوم ام۔ ڈی۔ ای۔ ام۔ ایس اور ڈاکٹر عبداللہ بن احمد ام۔

بی۔ ایچ۔ ڈی (پرنسپل) کی۔ آئی۔ اے۔ اے۔ دیگر مشائخ و حضرات کے خطوط سے

میں علیگڑھ میں بہت غرضہ تک میجر صاحب کا کسب و کار میں بہت فائدہ حاصل

میں جو میں نے انکا ذکر ذکر رہتا تھا۔ میجر صاحب میں انکی اعلیٰ قابلیت کی داد دیا

کر سکتے تھے اور جب میں انکا خطاب میں طلب جناب ذاب اب عماد الملک بہادر

منہجہ دینی اور جہاد میں بہت فائدہ پہنچا۔ انکی کثرت حالت عوام

ہوئے رہے اور جناب مولوی سید یحییٰ بن صاحب تمکین خاں خاں

ذہن و قادی طبع نقاد کو ودیعت فرما کر مخصوص کر دیا ہے یعنی لغات کا اسکے اصلی
اصوات سے استخراج کرنا۔ جہاں تک میرا خیال ہے ہمیں یقین کے ساتھ کہہ سکتا
ہوں یہ بات خاص انھیں کے حصہ کی تھی اور تمام کتب ماضیہ و اسفار سابقہ اس
تحقیق جدید سے تقریباً باطل معری اور مبری ہیں اور ہر غریب دان شخص کو اس کتاب کا
اقل ایک نسخہ ضرور رکھنا چاہیے۔

یہ کتاب ہے یا علم ادب کا ایک ناپید الکنار دریائے ذخار اور عربی لغت کا
سدرة المنتہی ہے۔ **یٰلٰیٰقُ اَنْ یٰکِیْبَ** بالکون علی و جنات الخوز (وہ اسکے مستحق ہے
کہ دوات نور سے رخصت ران حور پر لکھی جائے۔)

فہم اوہ علم فقہ میں اور قوانین اسلام میں ہی ایک یدِ طبوبی رکھتے تھے اور انکی
قابلیت اس علم میں بھی مسلمہ تھی انکے ہائیکورٹ کے فیصلہ اور مراجعات کی
پیروی میں جو انکی بمشین اسلامی قوانین کے متعلق ہیں انکے اعلیٰ قابلیت کا
پتہ ملتا ہے خصوصاً کتاب **امراة** جو فقہ کی نہایت مستدل و مدلل کتاب ہے
جو انکے زمانہ حیات میں تکمیل و شائع نہ ہو سکی اور جسکے تکمیل و شائع کرنیکی خدمت
میراجہ محمد علی محمد خان صاحب بہادر محمود آباد نے اس حقیر کو تفویض فرمائی ہے وہ مسلمانوں کی
لیے مارے ناز و قابل فخر کتب ہوگی اور دیکھنے والا سمجھ سکے گا کہ علامہ مصنف نے
اسکی کس جان نشانی و عرق ریزی سے بنیاد ڈالی اور کیسے عمدہ اصول و مہانی پر
اسکے موضوعات بحث کو رکھا ہے یہ کتاب ہے یا زمانہ مسافری و حال
کی فتنی تحقیقات کا رشاہوار یا رموز و شکات فقہ کا عرش معلیٰ ہے۔

سلسلہ۔ وہ فلسفہ قدیم و جدید میں کامل ستارہ رکھتے تھے فلسفہ جدید و قدیم کا کافی مطالعہ کیا تو شیخ
رحمہ اللہ بحق شیخ کتبہ در صدر د کے اسفار و رد امار کے مصنفان کو اکثر دیکھا کرتے تھے
وہ سلفہ جدید بن پرست نہیں تھے تحقیقات و مصنفات سے انکو خاص دلچسپی تھی

اور انہوں نے فلسفہ جدید کا تقابل بھی کیا تھا۔ وہ فلسفہ قدیم کو ایک پرانی اور بوسیدہ عمارت سے تعبیر کیا کرتے تھے اور اس کے قصبات کے نتائج کو نسیج عنکبوت قرار دیتے تھے لیکن باوجود اس کے وہ اس کے بعض نمونہ اصول کلیات کے جو کھٹ پر سرسبز و خرم کرتے تھے انکی کتاب امور عامہ اس فن میں ایک یادگار ہے جو طول و عرض پر مبنی ہے مگر اس کے بغیر اکثر مسائل و اکثر قیود راوی غیر ان کے مطلق ذوال کمال کا صحیح منہ رات سمجھنے اس کتاب میں دریا کو کوزہ میں نہیں بلکہ قشرہ میں بند کیا ہے یہ کتاب مویہ نہیں بولنے کے قابل ہے لیکن فلسفہ جدید وہ کہاں تک جانتے تھے اسکو میں خود نہیں سمجھ سکتا ہوں کیونکہ میں جسے فلسفہ جدید کا ایسا مطالعہ نہیں کیا ہے کہ انکی قابلیت کا قابل و ثوق صحیح اندازہ کر سکوں لیکن میں نے اکثر ماہرین فلسفہ جدید سے سنا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ علاوہ جرمنی کے یورپ میں بھی ایسے کم فلسفہ دان افراد ہیں اور صحیح معنی میں یہ ہی اسپینسر کے شاگرد رشید ہو سکتے ہیں انہوں نے بیس برس تک برابر اسپینسر کے فلسفہ کا بہت اہتمام سے مطالعہ کیا تھا۔

اخلاق : بسبب پابندی معالی اشراق و محاسن عادات کے انکے نفس قدیم میں ایسا لگتا تھا کہ یہ یاد دہانی تھا جس سے انکی ذات سے وہی امور صادر ہوتے تھے کہ جو ایک کامل الاخلاق آدمی سے صادر ہونا چاہیے میں نے بہت اچھے مستند نیرنگین سے سنا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے اخلاق کی جھلک اگر عمارت کے گروہ میں سے کسی میں پائی جاتی ہو تو وہ صرف مولوی کرامت حسین ہیں مگر اخلاق میں انکی کتاب علم الاخلاق نہایت جامع و مستند کتاب ہے (اس کے متعلق بعض کا یہ قول ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہوتے اور کسی دوسرے مذہب سے اونکا تعلق ہوتا تو انکی یہ کتاب مثل مسلمانوں کے قرآن کریم ہوتی)

تفسیر | چونکہ اشکا دلخ فلسفہ قدیم و جدید کا دریا تھا اسی وجہ سے انکی تقریر
 میں وہ مضامین شاعری و اسنتہ لالات خطابی و غسطنی نہ ہوتے تھے جو ایک
 غطیب اور واعظ کے لیے لازم ہیں جس کو لغیر وہ علم مستعین پر کافی اثر نہیں ڈال
 سکتا ہے اور اس کے جذبات حجاب میں نہیں لاسکتا ہے لہذا اشکابیان نہایت
 پر مغز اور انکی تقریر تمام فلسفہ کالب لباب ہوتی تھی اور اشکامو غلط نہایت مستدل اور
 مبرہن ہوتا تھا اسی وجہ سے انکی تقریر کا اثر با فہم و با علم حضرات پر بہت زیادہ ہوتا تھا
 اور جہلا اس سے محروم رہتے تھے اور جیسا کہ انکی تحریر خواہ وہ عربی ہو یا فارسی یا اردو
 یا انگریزی ہمیشہ مختصر و مفید اور حسود زدانہ سے بالکل پاک رہتی تھی اور
 معدن فصاحت و کان بلاغت ہوتی تھی اسی طرح سے انکی مختصر تقریر معانی و مطالب کا
 لبریز دریا ہوتا تھا انکی وہ تقریر جو سید الشہداء حسین ابن علی علیہما السلام کے حالات
 میں بمقام لکھنؤ رفاہ عام انھوں نے بیان کی تھی وہ قابل شنید ہے بلکہ نہ دید
 ہے نہ شنید ہے اور سالانہ جلسہ مسلم لیگ منعقدہ لکھنؤ میں تقریر کی تھی جو ایک
 رسالہ کی صورت میں جسکا نام افراد کا سیہ ہے وہ بھی یادگار ہے۔

ملاحظہ۔ غرض کہ مولانا مرحوم ایک جامع کالات و مجمع صفات بزرگ تھے
 میرا ایسا کوتاہ رقم و شکستہ قلم ان ایسی ذات حمیدہ صفات کے حالات کو نہیں
 لکھ سکتا انکو جس حیثیت سے دیکھئے لا جواب و عظیم النظر تھے کوئی ایک یا دو فن
 کا ماہر ہوتا ہے تو اس پر اسکو خود کو اور اسکی قوم و ملک کے ناز ہوتا ہے لیکن اس ذات کو
 جس حیثیت سے دیکھئے ایک ناپید الکنار دریا معلوم ہوتا ہے الیہ و ریاضیات
 و معقولات و منقولات بلکہ ہر ایک علم و فن کے جس شعبہ میں دیکھئے وہی عصر
 علامہ دہر معلوم ہوتے تھے۔

زپائے تابش پر کجا کہے نگریم ۔ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جاہ نجاست

اور اگر میں عراق عرب و عجم کے اکابر علماء سے جنکے محافل و مجالس و جوارہ درس میں
 حقیر کو دس برس تک شرف حاصل کرنے کا موقع ملا ہے تقابلی و لقی باستثناء حضرت تیار
 ہمارا فنون و اسطواناتہ العلوم کا علامۃ الثانی و المعلم الثالث علامہ طباطبائی سے
 کوئی دوسرا باخلاق ذوالریاستین جامع کمالات نظر نہیں آتا۔ اور وہ بھی انکے صحیح
 مد مقابل نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مرحوم خود ہی اپنی نظیر تھے
 مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایسا شخص صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے
 اور صرف مادر ہند نہیں بلکہ ماذر گیتی بہت دراز تک ایسے فرزند پیدا کر سکتے
 عظیم رہے گی۔

انکے حالات زیادہ تر دو شخصوں سے ملتے تھے ایک حکیم سقراط کہ جو قبل اسلام
 تھا اور دوسرے حکیم الاسلام امیر المومنین علی ابیطالب علیہ السلام جنکے قدم بقدم
 سچائی اور حق گوئی میں چلنے کی وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہے اور یہ ہے ہمارا نصب
 العین تھا۔

اس موقع پر مجھ کو نہایت افسوس کے ساتھ اسکا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ
 میں اس تحریر میں دو باتوں پر کافی روشنی نہیں ڈال سکتا۔ ایک انکے وہ علوم مغربی
 جن میں انکو ہمارے تمام دستگاہ کامل حاصل تھی کیونکہ مجھ میں ایسی قابلیت علوم
 مغربیہ کی نہیں ہے کہ اپنی کوئی ناچیز اسے پیش کر سکوں لیکن انشاء اللہ بعد
 تکمیل علوم مغربیہ جنکی تحصیل میں میں بدل و جان منہمک ہونا چاہیے و مسلم کو
 گردش دوں گا۔

دوسرے انکے مذہبی اعتقادات کے متعلق مجھے وقت نہیں کہ عرض
 کر سکوں لیکن یہ میں یقین و وثاق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمیشہ اثنا عشری
 ضرور تھے البتہ انکے بعض اعتقادات جو ائمہ جہاں شیعہ کے اعتقادات کے مطابق تھے

وفات

ماکان ہلکے ہلکے واحد

لکھنے بنیان قوم ہند ما

(انجام مرنا صرٹ لکھنے کا زمانہ تھا بلکہ قوم و ملک کی چولین ہل گئیں)

افسوس صد ہزار افسوس ایسا شخص فلک کچر فتار و زمانہ ناہنجار نے لے لیا

اسے زمانہ تو کس قدر بے وفا اور بے مروت ہے۔ فقط

ٹھاکسار

(مرزا) محمد باقر علی (خان) بھٹی

دہشتی قاضی مولوی قاضی نثار اللہ قاضی پروفیسر و پیشماز۔ ام۔ اے۔ او۔ کالج علیگڑھ

و ممبر اپیل ٹکس بک کمیٹی مملکت متحدہ آگرہ و او دھم

تصنیفات جناب مولانا کرامت حسین صاحب

- (۱) رسالہ نجاست طعام
- (۲) حکایات سائیس فارسی
- (۳) رسالہ وضع وتعلیم عربی
- (۴) Gift (Mohammedan Law) ۵۵
- (۵) Right and Duty. Indian Press, Allahabad. (رالت ایند قیوتی)
- (۶) The Science of Law, City Press, Allahabad. (دی سائنس آولا)
- (۷) The Imitative Origin of Primary Arabic Roots. (دی امیٹایو اریجن آو پرایمری عربک روٹس)
- (۸) Court's Power to reduce Dower. (کورٹس پاور ٹو ریڈیوس داور)
- (۹) Wife's knowledge unnecessary in Hanafi Divorce. (وائفز نواج یانڈیسسیری ان حنفی دیورس)
- (۱۰) Childless Shia Widow and Akar. (چائلڈلس شیہ وڈو اینڈ عکار)
- (۱۱) A Scheme for the Progress of Mohammedans (اسکیم فار دی پراجرس آو محمد نژ)
- (۱۲) Draft Address on Muslim Education (ڈرافٹ ایڈرس اون مسلم ایجوکیشن)
- (۱۳) Opinion on the Education of Muslim Girls. (اپینین اون دی ایجوکیشن آو مسلم گرلز)
- (۱۴) فقہ المسلمین مع المقدمہ سجاد عربی (۲۰) افراد کاسیدہ مطبوعہ تصویر عالم یورس الہندو (۲۰) (۱۴) مطبعہ نول کشور
- (۱۵) رسالہ فی الامور العبادہ (۲۱) (۱۵)
- (۱۶) مکاتیب عربیہ (۲۲) (۱۶)
- (۱۷) علم الاخلاق فارسی (۲۳) (۱۷)
- (۱۸) مطبعہ گل اندیا اسلامی پرنٹنگ ورکس الہندو (۲۴) علم الاخلاق اردو مطبعہ نول کشور (۱۸)
- (۱۹) رسالہ تعلیم نسوان اردو (۲۵) (۱۹)
- (۲۰) علی بن ابی طالب (۲۶) (۲۰)